کتابُ التوحید

(جلد دوم)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

کتابُ التوحید

﴿جلد دُوُم﴾

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

دَعَا اِلَی اللهِ فَالْمُسْتَمْسِکُوْنَ بِهٖ

مُسْتَمْسِکُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمِ

﴿صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چِٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴/ ۷۰-۹۷-۳۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چِٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چِٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

نام کتاب	:	کتاب التوحید ﴿جلد دُوم﴾
خطبات و دراسات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	فروری 2007ء (1,100)
اِشاعتِ دُوم	:	ستمبر 2007ء
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	-/340 روپے

❁ ❁ ❁

نام کتاب	:	کتاب التوحید ﴿جلد دُوم﴾
خطبات و دراسات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اَکبر الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اِہتمام	:	فرید ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	فروری 2007ء (1,100)
اِشاعتِ دُوم	:	ستمبر 2007ء
تعداد	:	1,100
قیمت VRG کاغذ	:	440/- روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

اِجمالی فہرست

فہرس

پیش لفظ

کسی قوم میں فکری زوال و انحطاط کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے صاحبانِ علم وفکر زندگی کے حقیقی مسائل اور درپیش چیلنجز کا سامنا کرنے کی بجائے فروعی اور نظری مسائل میں اُلجھ جاتے ہیں۔ اپنی ساری علمی اور تحقیقی توانائیاں ایسے معاملات میں صرف کر دیتے ہیں جن کے نتیجے میں اصلاحِ احوال کا سفر آگے بڑھنے کی بجائے نہ صرف رک جاتا ہے بلکہ عوام الناس ذہنی اور فکری انتشار کا شکار ہو کر باہم دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ چودہ سو سالہ تاریخ میں اسلام کو یہ حالات کئی مرتبہ پیش آئے مثلاً ہلاکو خان کے ہاتھوں سقوطِ بغداد کے وقت بھی مسلمان علماء اور فقہاء فروعی مسائل میں تو مناظرے کرتے تھے، مگر کسی نے ان اسباب پر غور وفکر کے لئے کوئی بزم نہ سجائی جن کی وجہ سے امت سیاسی زوال کا شکار تھی۔ یہ تو اسلام کی اپنی آفاقیت اور روحانی قوت و طاقت تھی جس نے اس کے جوہر کو قائم رکھا اور کعبے کو صنم خانے سے پاسباں ملتے رہے۔ گذشتہ ایک صدی سے کم و بیش مسلم امہ کی پھر سے یہی حالت ہو چکی ہے۔ اس دورِ زوال کی بدترین شکل یہ ہے کہ محدود سوچ کی حامل مذہبی قیادتوں کے ذاتی افکار اور تشریحات اسلام کے عقائد اور افکار بن چکے ہیں۔ ان کی ذاتی پسند نا پسند دینی شعائر کے درجے پر ڈھل کر حرام و حلال کے نئے پیمانے تراش رہی ہے۔

اسلام میں حریت فکر ونظر کی اجازت ہے لیکن اس کی کچھ حدود و قیود بھی ہیں۔ اسلامی عقائد کا شمار ان اصول دین میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم نبی محتشم ﷺ کی طرف سے متعین ہو چکے ہیں۔ ان اصولوں پر نہ سمجھوتہ ہوسکتا ہے اور نہ ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش ہے۔ اجتہاد کے دروازے ضرور کھلے ہیں لیکن فروعات اور تشریحات وتعبیرات کے لئے، اصولِ دین کے لئے نہیں۔ ہمارے اس دورِ فتن میں بعض

دیگر قباحتوں کے ساتھ ایک قباحت یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں کئی ایسے مذہبی طبقات اور مسلکی گروہ پنپ چکے ہیں جن کے اکابرین اپنی من پسند تشریحات کی روشنی میں دوسروں پر بے دریغ کفر و شرک کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ اس پر مزید بدقسمتی یہ ہے کہ ان اکابرین کے ماننے والے آج بھی اسی ڈگر پر چلتے ہوئے ایک دوسرے کو کفریہ فتوؤں سے نواز رہے ہیں۔ حقیقی توحید کا ثمر تو وحدت اور محبت کی صورت میں انفرادی اور اجتماعی زندگی پر نظر آنا چاہیئے لیکن اگر باہمی نفرتیں، خون ریزیاں اور کفریہ فتوؤں کی بھرمار ہو جائے تو ایسی توحید پر غور و خوض کرنا چاہیئے۔ عقائد و نظریات میں غلط فہمی اور کم علمی پر مبنی رجحانات ہی دراصل فرقہ بندی کے لئے فضا سازگار کرتے ہیں۔ آج کل یہی صورتحال عرب و عجم کے مسلمانوں کی جمعیت کے منافی ہے۔ جب توحید و رسالت جیسے بنیادی ایمانی تصورات بھی متاثرہ دور کی شخصیات کے تراشیدہ پیمانوں پر پرکھے اور تولے جاتے ہیں تو مخاصمت اور عداوت کے جذبات تو لامحالہ پیدا ہوں گے حالانکہ توحید اور رسالت متغائر عقیدے نہیں بلکہ عین یک دگر اور باہم لازم و ملزوم ہیں۔ توحید اللہ ﷻ کی الوھیت اور خالقیت و ربوبیت میں اسے یکتا و قادر اور متصرف حقیقی ماننے کا نام ہے جبکہ رسالت پر ایمان لانے کے بعد ہی انسان اس معرفت و قربت کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ توحید پر ایمان لانے کا معنی یہ نہیں کہ موحد اس کے انبیاء و رسل علیھم السلام اور صالحین و محبین سے بھی منہ موڑ لے۔ یہی مغالطے ہیں جو اس دور میں دو واضح گروہوں کو جنم دے چکے ہیں۔ ان کی تعظیم اس لئے بھی معتبر ہے کہ وہ مقامات اللہ رب العزت کی محبت اور علوشان کا مظہر ہیں۔

جیسا کہ ہم نے کتاب التوحید جلد اوّل کے مقدمے میں واضح کیا ہے کہ یہ کتاب اس صدی میں ہونے والی ان دور رس علمی و فکری کاوشوں میں سے ایک ہے جن کے اثرات اِن شاء اللہ صدیوں تک ہر طبقہ زندگی تک پہنچیں گے۔ بہت سے مغالطے اور غلط فہمیاں ہیں جو محض ضدبازی یا ہٹ دھرمی کے باعث دلوں کی دوری اور کفر و اسلام کا مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔ ان خطبات و دروس کے اکثر حصے بذریعہ TV پوری دنیا میں لوگ سن

بھی چکے ہیں اور لاکھوں ہزاروں افراد ان لیکچرز کے مثبت اثرات سن کر ہی سمیٹ چکے ہیں۔ اب یہ کتابی شکل میں اہل علم و دانش کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں تو یقیناً قارئین کے لئے بھی ایمان کی تقویت کا باعث ہوں گے۔ عنقریب یہ کتاب دنیا کی دیگر بڑی زبانوں میں بھی منتقل ہو کر پوری دنیا کے کلمہ گو مسلمانوں کے علم و عمل کی تشفی کا سامان کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توحید حالی کے فیض اور عقائد صحیحہ کو عمل صالح کے نور سے مزین فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔)

ڈاکٹر علی اکبر الازہری
ڈائریکٹر رِیسرچ
فرید ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

باب اوّل

توحید اور توسُّل

فصل اوّل: توسُّل کا معنی و مفہوم

فصل دوم: عقیدۂ توسُّل قرآن و حدیث کی روشنی میں

فصل سوم: حضور نبی اکرم ﷺ سے توسُّل

فصل چہارُم: عقیدۂ توسُّل اَئمہ و محدّثین کی نظر میں

فصل اَوّل

توسُّل کا معنی و مفہوم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اِس اَمر کا پابند نہیں کہ قبولیتِ دعا کے لیے کسی اور کو اس کی بارگاہ میں **وسیلہ** بنایا جائے۔ وہ بلا واسطہ اپنے بندوں کی دعائیں سننے، قبول کرنے اور لطف و کرم سے نوازنے پر قادر ہے، لیکن یہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ بہت سے نفوسِ قدسیہ اور اُمورِ صالحہ جو اُسے پسند اور محبوب ہیں اِن کی نسبت سے نہ صرف یہ کہ عمل بابرکت ہو جاتا ہے بلکہ دُعا کی قبولیت کا درجہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ رضائے اِلٰہی اور عطائے اِلٰہی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور کسی بابرکت ذات یا عمل کا توسل پیش کرنا شرک و بدعت نہیں ہے بلکہ **یہ ایک ایسا مشروع، مباح اور جائز طریقہ ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مقرّب و معزّز بندوں اور افعالِ صالحہ کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنا ہے تاکہ دعاؤں کی جلدی قبولیت کی توقع کی جا سکے۔** قرآنِ کریم اور اَحادیثِ مبارکہ میں ایسے بہت سے دلائل موجود ہیں جو نہ صرف وسیلہ کا جواز فراہم کرتے ہیں بلکہ اِس اَمر کو بھی واضح کرتے ہیں کہ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اَنبیا علیہم السلام اور اَولیاء اللہ رحمھم اللہ کے توسّل سے دعا کرنا أقرب إلی الإجابت ہے۔ اس باب میں ہم وسیلہ کے جواز اور اس کی مشروعیت پر دلائلِ شرعیہ بیان کریں گے اور اس پر وارد ہونے والے اِعتراضات و اِشکالات کی وضاحت کرتے ہوئے ثابت کریں گے کہ اِبتداء سے آج تک اللہ تعالی کے مقبول اور محبوب بندوں سے توسل اُمتِ مسلمہ کا معمول رہا ہے۔ لہٰذا توسل ایک جائز عمل ہے۔ اسے شرک کہنے والے لوگ باقی چیزوں کی طرح دین میں نہ صرف اپنی خواہشات اور اِنتہا پسندی کا اِضافہ کرتے ہیں بلکہ ایک مشروع عمل کو شرک کہہ کر احکامِ شرعیہ میں تجاوز کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ آیئے سب سے پہلے ہم توسل کا مفہوم واضح کرتے ہیں اور اس کے بعد قرآن وسنت کے دلائل کا ترتیب سے تذکرہ کرتے ہیں۔

توسُّل کا لغوی مفہوم

ائمہ لُغت نے وسیلہ کو مقصد کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم معتبر ماہرینِ لغت اور مفسرینِ کرام کی کتب سے لفظِ وسیلہ کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہیں:

۱۔ **امام راغب اصفہانیؒ** (م ۵۰۲ھ) وسیلہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

اَلْوَسِیْلَۃ: التَّوَصُّلُ إلی الشَّیءِ بِرَغْبَةٍ۔ (۱)

''**وسیلہ** کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔''

۲۔ **علامہ ابنِ اثیر جزریؒ** (۵۴۴۔۶۰۶ھ)، ابنِ منظور افریقی اور مرتضٰی زبیدی نے لفظِ وسیلہ کی تعریف یوں کی ہے:

اَلْوَسِیْلَۃُ: هی فی الأصل ما یُتَوَصَّلُ به إلی الشیء و یُتَقَرَّبُ به۔ (۲)

''**وسیلہ** درحقیقت وہ واسطہ ہے جس کے ذریعے کسی شئے تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔''

۳۔ **علامہ جار اللہ زمخشری** (۴۶۷۔۵۳۸ھ) اپنی تفسیر میں لفظِ وسیلہ کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الوسیلۃ: کل ما یُتَوَسَّلُ به أی یتقرّب۔ (۳)

(۱) راغب أصفهانی، المفردات فی غریب القرآن: ۸۷۱

(۲) ۱۔ ابن اثیر، النهایه فی غریب الحدیث والأثر، ۵: ۱۸۵

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۷۲۵

۳۔ زبیدی، تاج العروس، ۱۵: ۷۸۴

(۳) زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ۱: ۴۸۸

’’ہر وہ چیز جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جائے، اسے **وسیلہ** کہتے ہیں۔‘‘

توسُّل کا شرعی مفہوم

بارگاہِ اِلٰہی میں قُرب حاصل کرنے، اپنی کسی حاجت اور ضرورت کے وقت مراد کے حصول کے لئے یا پریشانی و مصیبت کو رفع کرنے کے لئے بوقتِ دُعا کسی مقبول عمل، صالح بزرگ، یا بابرکت مقام و زماں کا واسطہ پیش کرنا تو سل کہلاتا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے ہر ایسی چیز کو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنانا توسل ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر و منزلت رکھتی ہے، بارگاہِ الٰہی میں اعمالِ صالحہ اور ذواتِ صالحہ دونوں ہی مقبول اور محبوب ہیں لہٰذا دونوں کو وسیلہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

عقیدۂ توسُّل نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ اس لیے اس کے شرعی جواز کے بارے میں مطلقاً انکار آیاتِ قرآنی سے انکار کے مترادف ہے جو کفر ہے۔ توسُّل کے معانی کثیر ہیں۔ یہ حاجت، رغبت، منزلت اور قربت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں تین معانی وہ ہیں جو توسُّل کے شرعی معنی کے اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں:

۱۔ مقامِ محمود

وسیلہ جنت میں ایک خاص مقام ہے جو حضور شافعِ یوم النشور ﷺ کے لئے مختص ہے۔ اَذان کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کے اسی مقامِ وسیلہ کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا مانگی جاتی ہے۔ صحیح البخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود یہ دعا مانگنے کی ترغیب دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

من قال حين يسمع النداء: اَللّٰهُم رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا نِالْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

نِ الَّذِی وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَه شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۱)

''جو شخص اَذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے: ''اے ہمارے رب! اس دعوتِ تامہ اوراس کے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز کے رب تو محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقامِ محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا۔'' (آپ ﷺ نے فرمایا) قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

اس دعا میں الوسیلۃ سے وہ مقامِ رفیع مراد ہے جو جنت میں ایک خاص درجہ ہے اور یہی مقامِ محمود ہے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ کیلئے جب وسیلہ مانگیں گے تو اس سے جنت کا یہ خاص مقام مراد ہوگا۔

۲۔ قربتِ اِلٰہی

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب بنفسہ ایک وسیلہ ہے۔ جب بندہ ایمانِ کامل، اتباعِ سنت، شرعی احکام وعبادات پر مواظبت اور تقویٰ کے سبب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو یہ قرب خود ہی وسیلہ بن جاتا ہے۔ جس طرح کہ خلوصِ نیت سے کام کرنے والے اللہ رب العزت کے مقرّب بندے بن جاتے ہیں۔ ان کا یہ قرب اور اخلاص انہیں راہِ راست پر ثابت قدم رکھنے اور شیطان کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کے مطابق شیطان کبھی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرب اور مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ (۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب الدعا عند النداء، ۱: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۴

(۲) ص، ۳۸: ۸۲

۳۔ مطلق مُتَوَسَّلٌ بِہٖ

جو چیزیں قرب کے حصول کا ذریعہ بنیں وہ بھی وسیلہ ہیں، چاہے ان کا تعلق افراد سے ہو یا اعمال سے، کیونکہ قرآن حکیم نے وسیلہ کے تلاش کرنے کا حکم مطلق رکھا ہے اور مطلق کو بغیر دلیلِ شرعی و نصِ قطعی مقید نہیں کیا جاسکتا۔ سورۃ المائدۃ میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ (۱)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو۔''

یہ آیت اپنے عموم پر رہے گی۔ اس کا اِطلاق اَعمال و اَفراد دونوں پر ہوگا اور اسے کسی ایک چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا۔ یہی آیتِ کریمہ توسُّل کے جواز اور اس کی مشروعیت پر نصِ صریح کا درجہ رکھتی ہے۔

شاہ اسماعیل دہلوی اس آیت سے مراد مرشد کی رہنمائی لیتے ہیں:

اهل سلوك ايں آيت را اشارت بسلوك مى فهمند، و وسيله مرشد را مى دانند، پس تلاش مرشد بنا بر فلاح حقيقى و فوز تحقيقى پيش از مجاهده ضرورى است، وسنت الله برهمين منوال جاريست، لهذا بدون مرشد راه يابى نادر است۔ (۲)

''سالکانِ راہِ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔ حقیقی کامیابی و کامرانی

(۱) المائدۃ، ۵: ۳۵

(۲) اسماعیل دہلوی، صراطِ مستقیم: ۵۸

کے حصول کے لئے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاشِ مرشد از حد ضروری ہے اور اللہ تعالی نے سالکانِ راہِ حق کے لئے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لئے مرشد کی راہنمائی کے بغیر اس راستے کا ملنا شاذ و نادر ہے۔“

توسُّل کے بنیادی اَرکان

توسُّل درحقیقت بندے کا اللہ رب العزت کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اپنی دعا کی قبولیت اور حاجت برآری کے لئے اپنی عاجزی اور بے کسی کے اعتراف کے ساتھ کسی مقبول عمل یا مقرّب بندے کا واسطہ پیش کرنا ہے تاکہ بندۂ گنہگار کی دُعا جلد قبول ہو۔ توسُّل کے مندرجہ ذیل چار ارکان ہیں انہیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے تاکہ حقیقتِ توسّل کا صحیح تصور واضح ہو جائے:

۱۔ **وسیلہ:** نفس مسئلہ کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ **مُتَوَسِّل:** وسیلہ بنانے والا یعنی وہ شخص جو اپنی دعا میں کسی نیک عمل، مقرب ہستی یا کسی خاص مقام کو وسیلہ بنائے۔

۳۔ **مُتَوَسَّل بِہٖ:** جس چیز کو بارگاہِ ربوبیت میں وسیلہ بنایا جائے جیسے نیک اعمال، مقربین اور آثار و تبرکاتِ مقربین۔

۴۔ **مُتَوَسَّل اِلَیْہ:** خود باری تعالیٰ کی ذات متوسَّل اِلیہ ہے کیونکہ اس کی بارگاہِ عالیہ میں وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔

کسی کو بطورِ وسیلہ پیش کرنے میں ہرگز ہرگز یہ عقیدہ کارفرما نہیں ہوتا کہ وہ مقبول و مقرب بندہ جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہے دعا قبول کرے گا یا وہ اللہ بزرگ و برتر کو (معاذ اللہ) اس اَمر پر مجبور کر دے گا کہ فلاں کا کام ہونا چاہیئے یا فلاں بندے کی بخشش و مغفرت لازمًا کر دی جائے۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو بعض لوگوں کے ذہنوں میں پائی جاتی ہے۔ دراصل وسیلہ پیش کرتے وقت سائل کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ جب وہ

اپنی عاجزی، بے بسی اور نیاز مندی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اس کے کسی مقبول اور مقرّب بندے کا نام یا نیک عمل بطورِ وسیلہ پیش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے اس اطاعت گزار مقبول اور مقرّب بندے اور محبوب عمل کا لحاظ فرماتے ہوئے اس کی حاجت پوری فرمائے گا قبولیتِ دعا کے باب میں یہ کوئی ضروری و لازمی اَمر بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دعا قبول کرنا محض توسُّل ہی پر موقوف ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۔(۱)

’’اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں۔‘‘

یہ محض اللہ ﷻ کا انعام و اکرام اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے بعض صالح بندوں کو اپنی محبت، اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے یہ مقام عطا فرمایا ہے کہ ان کے توسل سے گناہ گار، خطا کار اور عاجز و مسکین بندوں کو اپنی دعاؤں کی باریابی کی زیادہ امید لگ جاتی ہے۔

عقیدۂ توسُّل کا صحیح تصور

بعض لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے میں تامل کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنا، اللہ ﷻ سے براہِ راست مانگنے کے منافی ہے۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات کا جن میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانے کا حکم ہے، صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا (معاذ اللہ) کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ یہ تصور کتاب و سنت کی روح کو نہ سمجھنے کے باعث پیدا ہوا ہے، ہمیں اس کی اِصلاح کرنی چاہیے۔ اَنبیاء و رُسل علیہم السلام میں سے کسی کو، یا اللہ تعالیٰ کے کسی مقرّب اور صالح بندے

(۱) البقرة، ۲: ۱۸۶

کو یا کسی بھی عملِ صالح کو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے اس کی بارگاہ میں بطورِ وسیلہ پیش کرنا نہ تو کسی قسم کا شرک ہے اور نہ ہی براہ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مانگنے کے منافی ہے۔

کسی کو وسیلہ بنانے کے باوجود اللہ جل جلالہ ہی سے مانگا جاتا ہے، صاحبِ وسیلہ سے نہیں۔ شرک کا اِرتکاب تو تب ہو کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی اور کو بالذّات نفع و نقصان کا مالک، قادرِ مطلق اور دعائیں سننے والا سمجھا جائے۔ یہاں سرے سے ایسا معاملہ ہی نہیں۔ دعا فقط اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے اور اس سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی، کسی نیک عمل یا کسی ایسے مقرب بندے کا واسطہ دیا جاتا ہے جس سے خود اللہ تعالیٰ کو محبت ہو اور جس کا وہ عام مخلوق سے کہیں بڑھ کر حیا اور لحاظ فرماتا ہو۔ لہٰذا ایسا وسیلہ پیش کرنے سے جہاں خود کلماتِ دعا کی برکت اور تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے وہاں اس کی بارگاہِ عالی میں شرفِ قبولیت پانے کے اِمکانات پہلے سے کہیں زیادہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اب بندے کی اِلتجا کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی اپنی محبت بھی اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگنے کی تلقین فرمائی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔(۱) اسی طرح ایک مرتبہ جب مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑ گیا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل مدینہ کو توسُّلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور کی طرف بھیجا اور اس کی برکت سے موسلا دھار بارش ہوئی۔(۲) الغرض یہ مبارک عمل حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے لے کر خود عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اور پھر

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر العَبَّاسِ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ رضی اللہ عنہما، ۳: ۱۳۶۰، رقم: ۳۵۰۷

(۲) دارمی، السنن، ۱: ۴۳، رقم: ۹۳

عہد صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے لے کر تاحال اُمت میں مقبول اور متداول چلا آ رہا ہے۔ اب بعض لوگ دین کی صحیح معرفت نہ ہونے کے باعث اس پر اعتراض کرنے لگے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) توحید کے منافی سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بات بات پر کفر و شرک کے فتوے جاری کرنے کی بجائے احکامِ شریعت کی حقیقی روح کو سمجھا جائے۔

شرائطِ توسُّل

صحیح عقیدہ کے مطابق بوقتِ توسل متوسِّل کے ذہن میں ہرگز یہ تصور نہیں ہوتا کہ وہ صالح بندہ جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہے (معاذ اللہ) خدائی میں شریک ہے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ توسُّل کی حقیقت کو سمجھا جائے تا کہ جو لوگ توسُّل کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور نتیجتًا اسے شرک و بدعت قرار دیتے ہیں وہ اپنی اصلاح کر سکیں۔

توسل اختیار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ توسل اختیار کرتے ہوئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ متوسِّل، متوسَّل بہ کو محض ذریعہ اور واسطہ سمجھے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ توسُّل، اللہ تعالیٰ کا حق نہیں جسے کسی اور کے لئے ثابت کرنے سے شرک واقع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ وسیلہ اور ذریعہ ہونے سے یکسر منزہ و مبرا ہے۔ وہ منتہیٰ و مقصود ہے وہ خود کسی کا وسیلہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا قرب حاصل کرنے یا حصولِ مراد کے لئے کسی اور کو اس کے حضور وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ (اس پر مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔)

۲۔ توسل اختیار کرتے ہوئے دوسری شرط یہ ہے کہ متوسِّل کا یہ عقیدہ ہو کہ توسُّل محض دعا کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور اس میں مقصودِ حقیقی صرف

اللہ رب العزت کی ذات ہے جس کے حضور وسیلہ پیش کیا جارہا ہے۔ جبکہ وہ عمل یا شخصیت جس کو بطورِ وسیلہ پیش کیا جانا مقصود ہے اس کی حیثیت محض ایک واسطہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اس تقرّب اِلی اللہ کی بناء پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ قبولیت دعا کے باب میں اس کا لحاظ اور حیاء کرتا ہے۔

۳۔ توسل کے حوالے سے تیسری شرط یہ ہے کہ متوسِّل کا یہ عقیدہ ہو کہ جس کو وہ وسیلہ بنارہا ہے وہ اس بناء پر ہے کہ اس مقرب بندے کو اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ محبت ہوتی ہے اور اللہ عزوجل بھی اس کو محبوب رکھتا ہے۔ یاد رہے کہ محض اللہ جل جلالہ کے لئے کسی سے محبت رکھنا بذاتِ خود محبوب عمل ہے۔ یہی بات توسُّل کی بنیاد ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ عقیدہ رکھتا ہے تو وہ صریح گمراہی اور ضلالت میں مبتلا ہے۔ **اگر کوئی شخص متوسَّل بہٖ کے بارے میں اعتقاد رکھے کہ وہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی طرح نفع ونقصان کا مالک ہے تو وہ شخص اس گمراہ کن عقیدے کے باعث ایمان سے خارج ہوجائے گا کیونکہ درست عقیدہ یہی ہے کہ مخلوق کو بالذات مفید یا مضر ماننا شرک ہے۔**

اَقسامِ توسُّل

توسُّل کو مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ التوسُّل بالنبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ التوسُّل بذوات الصالحین

۳۔ التوسُّل للدعاء

۴۔ التوسُّل فی الدعاء

۵۔ التوسُّل بالدعاء

۶۔ التوسُّل بالنداء یا بالإستغاثه

۷۔ التوسُّل بالأعمال الصالحة

۸۔ التوسُّل بآثار الصالحین

۱۔ التوسُّل بالنبی ﷺ

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ برکات کو بارگاہِ الٰہیہ میں قرب کے حصول، حاجت پورا کرنے اور نقصان کو دور کرنے کے لئے وسیلہ بنانا شریعت کی رو سے جائز ہے۔ خود حضور علیہ السلام کی سنت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابی کو اپنے وسیلہ کی تعلیم دی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ سلف صالحین و امت کا معمول رہا ہے کہ وہ بارگاہِ رب العزت میں ذاتِ رسول ﷺ کو وسیلہ پیش کرتے۔ اس پر تفصیلی بحث آئندہ فصل میں آ رہی ہے۔

۲۔ التوسُّل بذوات الصالحین

اللہ رب العزت کا امتِ مسلمہ پر خصوصی فضل و کرم ہے کہ اپنے حبیب کے وسیلہ سے اپنی نعمتوں کے بے بہا خزینے اس امت پر لُٹا رہا ہے۔ دعاؤں، التجاؤں اور مناجات و معاملات کی قبولیت و حل کی ایک صورت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے غلاموں اہلِ بیت، صحابہ کرام، اولیاءِ عظام اور زاہدین رضی اللہ عنہم کے وسیلہ میں بھی رکھی ہے۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ مطالعہ فرمائیں کہ جب ایک بستی والوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے وہاں پر موجود گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس کی صرف انہوں نے یہ وجہ بتائی کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ملکیت میں ہے جس کے نیچے خزانہ دفن ہے۔ ان کا باپ صالح تھا

لہٰذا انہوں نے دیوار کو درست کر دیا۔ قرآنِ حکیم کا بیان ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ج فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ج وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ط ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ○(۱)

”اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں (رہنے والے) دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لئے ایک خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا، سو آپ کے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے وہ اپنا خزانہ (خود ہی) نکالیں، اور میں نے (جو کچھ بھی کیا) وہ از خود نہیں کیا، یہ ان (واقعات) کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے○“

حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کو اس لئے درست کیا کہ یتیم بچوں کے باپ صالح تھے۔ ان کے صالح باپ کے وسیلہ کے باعث ہی انہوں نے دیوار کو درست کر دیا۔ صالحین سے وسیلہ کے اثبات پر اور کئی آیاتِ قرآنی ہیں جن کو ہم نے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ اصل مدعا و مقصود بتلانے کا یہی ہے کہ اولیاء اور صالحین کا بارگاہِ اِلٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔

۳۔ التوسُّل للدعاء

هو: التقرب إلى الله بالوسيلة الشرعية۔

”وسیلہ شرعیہ (جس کو شریعت جائز قرار دیتی ہو) کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا توسُّل للدعا ہے۔“

(۱) الکہف، ۱۸: ۸۲

اس قسم میں دعا سے صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ ہمیں اللہ رب العزت کی رضا، بندگی، خوشنودی اور قربت نصیب ہو۔

۴۔ التوسُّل فی الدعاء

هو: التقرب إلی الله تعالی وقت المسئلة و عرض المقصود۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت اور پریشانی پیش کرتے وقت کسی ضرورت اور مراد کے حصول کے لئے کسی کو بطورِ وسیلہ پیش کرنا توسُّل فی الدعا ہے۔

دونوں قسموں میں فرق

پہلی قسم میں فقط اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے لئے توسُّل ہے جبکہ دوسری قسم میں اپنی پریشانی کے دور کرنے، حاجت اور ضرورت کے پورا ہونے اور مراد کے حصول کے لئے کسی کو بطورِ وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔

التوسُّل فی الدعاء کی اقسام

التوسُّل فی الدعاء کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ توسُّل لفظی ۲۔ توسُّل نفسی

(۱) توسُّلِ لفظی

فهو: أن یذکر فی دعائه ما یتقرب به إلی الله تعالی۔

’’(دعا کی قبولیت کے لئے، کسی حاجت یا مراد کے حصول کے لئے یا) اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے کے لیے جس کا وسیلہ پیش کیا جائے، لفظاً اس کا ذکر کرنا توسُّل لفظی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے حضور بوقتِ دعا کسی مقبول عمل کا ذکر یا کسی برگزیدہ ذات و ہستی کا ذکر ہی تقرب الی اللہ اور دعا کی قبولیت کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ اس چیز کی ضرورت نہیں کہ لفظِ وسیلہ استعمال کر کے کہے کہ میں فلاں کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں فقط متوسَّل بہٖ (جس کا وسیلہ پکڑا گیا ہو) کا ذکر ہی کافی ہوتا ہے۔

(۲) توسُّلِ نفسی

بوقتِ دعا کسی چیز، عمل یا مقام کو تقرب کا ذریعہ بنا لینا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو مگر دعا میں لفظاً ذکر نہ کرنا عملاً اور محلاً اس کا خود بخود ہو جانا توسُّلِ نفسی ہے۔

توسُّلِ نفسی کو توسُّل بالعمل بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دعا میں لفظاً ذکر نہ کرنا بلکہ کسی اللہ والے کی مجلس میں جا کر دعا کرنا یا کسی بابرکت جگہ یا اللہ تعالیٰ کی مقبول چیز کو سامنے رکھ کر دعا کرنا۔

توسُّلِ نفسی (عملی) کی مثال سیدنا زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ میں دعا مانگنا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝(۱)

”اسی جگہ (حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ میں) زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے ۝“

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے حضرت زکریا علیہ السلام کا عمل مبارک بیان فرمایا کہ جب انہوں نے اپنی زیرِ تربیت اللہ کی بندی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس طرح

(۱) آل عمران، ۳: ۳۸

طرح کے بے موسمی پھل اور دیگر انعاماتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے اس خاص مقام کو اپنی دعا کیلئے منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا۔

۵۔ التوسُّل بالدعاء

یہ اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے سے دعا کی التجا ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں حاجت مند کیلئے اپنا ہاتھ اٹھا دیں اور اس پر نازل شدہ آفات و بلیات سے نجات کیلئے حضور الٰہ میں دعا کریں۔ یقیناً اس کا دریائے رحمت اپنے مقرب بندے کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹنے دے گا بلکہ اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسىٰ لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا۔ (۱)

’’اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم فقط ایک کھانے (یعنی منّ وسلویٰ) پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ اپنے رب سے ہمارے (حق میں) دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے زمین سے اگنے والی چیزوں میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ کے الفاظ ’’توسُّل بالدعاء‘‘ کا سبب بن رہے ہیں۔ ان میں صراحتاً امتِ موسوی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب کے حضور دعا مانگنے کی گزارش کر رہی ہے۔ چونکہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے توسُّل کیا جا رہا ہے، اس لیے یہ عمل توسُّل بالدعا ہے۔

(۱) البقرة، ۲: ۶۱

٦۔ التوسُّل بالنداء یا بالإستغاثه

سائل اپنا مقصود خود بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے توسُّل سے رب کی مدد و نصرت کو طلب کرے یہ ذکر رسول اللہ ﷺ کی مدد و نصرت کیلئے وسیلہ بن جاتا ہے۔ امام طبریؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں:

''جنگِ یمامہ کے موقع پر ''یا محمداہ (اے محمد ﷺ! مدد فرمائیے)'' مسلمانوں کا نعرہ تھا۔''

وہ لکھتے ہیں:

''جنگِ یمامہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا اور لشکر سے گزر کر مسیلمہ کذاب کے پہاڑ کی طرف چل دیئے اور انتظار کرنے لگے کہ وہ آپؓ تک پہنچے اور آپ رضی اللہ عنہ اسے قتل کر دیں۔ پھر آپ لوٹ آئے اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوکر بلند آواز سے فرمایا:

أنا ابن الولید العود، أنا ابن عامر وزید ونادیٰ بشعارهم، وکان شعارهم یومئذ: ''یا محمداه'' ۔(۱)

''میں ولید کا بیٹا ہوں، میں عامر و زید کا بیٹا ہوں۔ اور پھر آپ نے مسلمانوں میں مروّج نعرہ بلند کیا، اور ان دنوں ان کا جنگی نعرہ ''**یا محمداه**'' (اے محمد ﷺ! مدد فرمائیے) تھا۔''

اس روایت میں ''یا محمداہ'' کے الفاظ کے ذریعے سے توسُّل کیا جارہا ہے اور اس عمل کا ارتکاب کرنے والے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ کی

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۸۱
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ٦: ۳۲۴

ذاتِ اقدس سے توسُّل سنت صحابہ ٹھہرا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن لله ملائكة في الأرض سوى الحفظة يكتبون ما يسقط من ورق الشجر، فإذا أصاب أحدكم عرجة بأرض فلاة، فلیناد: أعينوا عباد الله۔(۱)

”بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں جو محافظ فرشتوں کے علاوہ ہیں۔ درخت کا جو پتا بھی گرتا ہے وہ اسے لکھ لیتے ہیں۔ پس جب تم میں سے کسی شخص کو جنگل میں اذیت پہنچے تو وہ یوں نداء کرے: ”**أعينوا عباد الله** (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو)“۔

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حبیبِ خدا ﷺ اپنی زبان اقدس سے خود تعلیم توسُّل دے رہے ہیں کہ جنگل و بیاباں میں بھی اللہ والوں سے اپنا رابطہ منقطع نہ کرو۔ بظاہر انسانی صورت میں کوئی بندہ نظر نہ آئے تو ملائکہ سے توسُّل کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں عرض کرو۔ اس کے حکم سے اس کے فرشتے تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے اور تمہاری ضرورت کو پورا کردیں گے۔ یہ کائنات ملائکہ سے معمور ہے۔ مذکورہ حدیث میں **فلیناد: أعينوا عباد الله** کے الفاظ توسُّل بالاستغاثہ پر صریح دلیل ہے۔

۷۔ التوسُّل بالأعمال الصالحة

جمہور اہلِ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اعمالِ صالحہ یعنی صوم وصلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ،

(۱) ۱۔ ہیثمی نے ”مجمع الزوائد (۱۰: ۱۳۲)“ میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۹۱، رقم: ۲۹۷۲۱
۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۱: ۱۸۳، رقم: ۱۶۷

تلاوتِ قرآن، انفاق فی سبیل اللہ اور دیگر اعمالِ خیر کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ جیسا کہ ’صحیح بخاری‘ میں تین آدمیوں کا واقعہ مذکور ہے، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

’’دورانِ سفر ان پر غار کا دروازہ بند ہوگیا۔ تینوں بندے خدا رسیدہ اور نیک خصلت تھے۔ ایک نے ماں باپ سے حسنِ سلوک کا ذکر کیا اور اللہ رب العزت سے دعا کی، دوسرے نے بے حیائی کے اسباب پر قدرت کے باوجود اس سے بچنے کا ذکر کیا اور دعا کی، تیسرے نے کسی مزدور کی اجرت جو کئی سالوں کے بعد مال و متاع میں تبدیل ہوگئی تھی اس کی حفاظت کرنے اور مکمل ادائیگی کا ذکر کرنے کے بعد دعا کی تو قاضی الحاجات نے تینوں کی دعا سے اس بھاری پتھر کو غار کے دہانے سے ہٹا کر انہیں مشکل سے نجات دی۔‘‘(۱)

۸۔ التوسُّل بآثار الصالحین

اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے سے منسوب کسی بابرکت مقام کو تقرب کا ذریعہ بنا لینا یا اللہ تعالیٰ کے کسی صالح بندے سے منسوب کسی چیز کے وسیلے سے دعا کرنا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیض سیدنا یعقوب علیہ السلام کو بھیجی تا کہ اس قمیض کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کی بینائی لوٹائے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آثارِ انبیاء و صالحین سے توسُّل کرنا جائز ہے۔ جمہور اہلِ اسلام کا اس امر پر اجماع ہے اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

بعض لوگ توسُّل بغیرِ عمل جیسے توسُّل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، توسُّل بالصالحین، توسُّل بالاولیاء اور توسُّل بالآثار کا انکار کرتے ہیں حالانکہ جمہور اہلِ اسلام شروع سے ان ذواتِ مقدسہ سے توسُّل کے جواز کے قائل رہے ہیں۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب إذا اشتری شیئاً لغیره بغیر إذنه فرضي، ۲: ۷۷۱، رقم: ۲۱۰۲
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۱۷۸، رقم: ۸۹۷

درحقیقت یہ اختلاف صرف صوری ہے، اگر معترضین تھوڑا سا غور کریں تو اُن پر عیاں ہوگا کہ انبیاء اور اولیاء کی ذوات کا توسل اُن سے حبی تعلق اور اُن کے اعمال ہی کی بناء پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی دعا میں حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بناتا ہے تو گویا وہ آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ سے محبت ہی کی وجہ سے وسیلہ اختیار کرتا ہے اگر متوسِّل کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہوتی اور آپ ﷺ پر ایمان نہ ہوتا تو وہ حضور ﷺ کو وسیلہ نہ بناتا اور یہ ثابت شدہ امرِ شرعی ہے کہ رسول ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ سے محبت عملِ صالح ہے، اور توسُّل بالاعمال بالاتفاق جائز ہے۔ اسی طرح اَولیائے اُمت کا توسل بھی ان سے حبی تعلق ہی کی بناء پر ہوتا ہے۔

اس بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جو اختلاف حقیقتاً صرف ایک صوری ہے اس سے یہ بات کہاں لازم آتی ہے کہ متوسِّلین پر کفر و شرک کا حکم لگا دیا جائے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے؟

توسُّل منافیٔ توحید نہیں

وسیلہ کے حقیقی تصور کے باب میں درج بالا بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ عقیدۂ توسُّل توحید کے منافی نہیں کیونکہ مقصود و مطلوب وسیلہ نہیں بلکہ یہ اللہ ﷻ کا قرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

توسُّل کو اگر شرک سمجھا جائے تو اس کا لامحالہ مطلب یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ توسل اللہ تبارک و تعالیٰ کا حق تھا اور آپ نے اس حق کو کسی اور کے لئے خاص کر دیا ہے جو شرعاً حرام ہے لہٰذا یہ شرک ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی کا وسیلہ بننے سے پاک ہے بلکہ اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی کو اس کے حضور وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ جب یہ اللہ رب العزت کا حق ہی نہیں ہے تو پھر انبیاء و اولیاء اور صلحاء کے لئے اس کا اثبات کرنا کس طرح شرک ہوگا؟ جس طرح عجز و انکساری اور ضعف اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں اسی طرح توسل کو

کسی بھی درجے میں اس کا خاصہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کو شرک کہنا محض جہالت اور آیات قرآنی کی غلط تعبیر و تشریح کا نتیجہ ہے۔

ایک ضروری وضاحت

گزشتہ صفحات میں ہم نے توسل کے صحیح تصور کی وضاحت میں بیان کیا کہ توسل بندوں کا حق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی کا وسیلہ بننے سے پاک ہے۔ اس جملے سے بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ روز مرہ گفتگو میں بعض جملے متداول ہیں مثلاً اللہ کے واسطے میرا فلاں کام کر دے، اللہ کے واسطے مجھے فلاں چیز دے دے، اللہ کے واسطے مجھے معاف کر دے یا بعض شعر جیسے یہ مصرع

یا رسول اللہ! کرم کیجئے خدا کے واسطے

کیا ان جیسے تمام جملوں کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ وسیلہ ہے؟

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ان جملوں میں اللہ تعالیٰ کو واسطہ بنانے سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی کبریائی کا لحاظ مقصود ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو خدا کا واسطہ دے کر کرم کی التجا کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں رسائی کے لئے اللہ تعالیٰ وسیلہ ہے یا یہ کہ آپ ﷺ اذن و عطائے الٰہی کے بغیر کرم کرتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کا کرم اور توجہ بھی عطاء الٰہی ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دینا بھی رضائے الٰہی اور لحاظ ربوبیت مراد ہوتا ہے نہ کہ مخلوق کے لئے وسیلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سبب اور ذریعہ بننے سے بلند و بالا ہے اس لئے وہ خود کسی اور کی بارگاہ تک رسائی کا واسطہ نہیں۔

توکل اور توسُّل میں فرق

توکل اور توسل کا معنی و مفہوم سمجھنے میں بعض اوقات ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے۔

اس کا ازالہ ضروری ہے۔

توکل کا معنی یہ ہے کہ کسی ذات کو مختارِ مطلق سمجھتے ہوئے اس پر اعتماد و بھروسہ کیا جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا حق ہے جو کسی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ۝(۱)

''اور اہلِ توکل کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے ۝''

توسُّل کا معنی یہ ہے کہ مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں پہنچنے کے لئے کوئی ذریعہ تلاش کیا جائے۔ چونکہ توسُّل اللہ تعالیٰ کے محبوبین و مقربین کا حق ہے اس لئے یہ حق اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

توسّل اختیار کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۝(۲)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ۝''

یہاں وسیلہ سے مراد محبوب و مقرب بندے بھی ہو سکتے ہیں اور نیک اعمال بھی۔ پس توکل اللہ پر کیا جاتا ہے اور توسُّل اس کے محبوبین اور مقربین کا لیا جاتا ہے۔ حقیقتًا عطا اللہ ﷻ کی ہوتی ہے مگر جب یہ عطا کسی برگزیدہ بندے کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو یہ بمعنٰی توسُّل ہوتی ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ توسُّل حضور نبی اکرم ﷺ کا

(۱) ابراهيم، ۱۴: ۱۲

(۲) المائدة، ۵: ۳۵

حق ہے اور آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو وسیلہ نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ تو مقصودِ حقیقی ہے۔ ہر کام کا انجام اور نتیجہ اس کے دستِ قدرت میں ہے۔

توکل خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لئے اُسی کی ذات پر بھروسہ و توکل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے اس حق کو کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے حتیٰ کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں بھی توکل کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا حق ہے اس کے پاس رہے۔ کسی ایک کا حق دوسرے کو دینا ظلم ہے۔ اللہ رب العزت کی شان تو بہت بلند ہے لہٰذا اس کا حق کسی دوسرے کو دینا نہ صرف ظلم بلکہ ظلم عظیم ہے۔

انبیاء و اولیاء اور صالحین سے توسل کیا جاتا ہے جو انہی کا حق اور شرعاً امر جائز ہے۔ اس ضمن میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ بعض الفاظ مجازاً استعمال کئے جاتے ہیں اور ایسا کرنا جائز ہے مثلاً اگر یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ ''آپ کے بھروسے پر جی رہا ہوں'' تو اس سے مراد توکل نہیں بلکہ توسّل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے فیض نسبت' برکت' نظرِکرم اور عنایت و توجہ سے جی رہا ہوں۔ ایسے جتنے اشعار' کلمات اور جملے آئیں گے وہ سارے بمعنی توسّل ہوں گے حتیٰ کہ اگر لفظ استعانت بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے استعمال ہو تو وہ بھی بمعنی توسّل ہو گا بمعنی توکل نہ ہو گا کیونکہ توکل مستعانِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی پر کیا جاتا ہے اور اسی کی طرف سب امور لوٹائے جاتے ہیں اور جو اس کا باعث اور ذریعہ بنے اس کا توسّل ہوتا ہے۔ یہی عقیدہ صحیحہ ہے۔ اِس کے علاوہ جو بھی کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں حصولِ تقرب کے لئے کسی مقرب ذات کے ساتھ کوئی علاقہ یا تعلق توسّل کے ذیل میں آتا ہے۔ توسّل کا توحید کے ساتھ کوئی تضاد نہیں ہے اس لئے اسے شرک پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

فصل دُوُم

عقیدۂ توسُّل

﴿قرآن و حدیث کی روشنی میں﴾

عقیدۂ توسُّل پر قرآنی دلائل

قرآنِ حکیم میں اللہ ﷻ نے جا بجا متلاشیانِ حق کو اپنے حضور تقرب اور رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کرنے کے بارے رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآنِ حکیم میں متعدد واقعات اور نظائر (precedents) ایسے ہیں جن کی رُو سے تقرّب اِلی اللہ کے لیے اعمالِ صالحہ یا ذواتِ مقدّسہ کا توسل نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی ترغیب بھی ملتی ہے۔ ذیل میں ہم قرآنِ مجید کے اُن مقامات میں سے چند ایک کا ذکر کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ نے کس طرح صراحت کے ساتھ وسیلہ اِختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

ا۔ تلاشِ وسیلہ کا حکم

سورۃ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور تقرب اور رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○[1]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ○“

مذکورہ آیتِ مقدسہ میں وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ فرما کر تلاشِ وسیلہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ میں تلاشِ وسیلہ سے فقط ایمان اور اعمالِ صالحہ

(۱) المائدۃ، ۵: ۳۵

مراد لیا ہے۔ جبکہ اکثر علماء نے آیت کے ان اَلفاظ سے اَنبیاء، صلحاء اور اَولیاء کی ذواتِ مقدسہ مراد لی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اِتَّقُو اللّٰہ میں ایمان، اَعمالِ صالحہ اور عبادات سب شامل ہیں۔ قرب و حضورِ الٰہی کا وسیلہ جہاں اَعمالِ صالحہ اور اِیمان بنتا ہے وہاں اللہ کے انبیاء اور اولیاء بطریقِ اولیٰ بنتے ہیں۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی (م ۱۱۷۴ھ) نے ''القول الجمیل (ص: ۳۴)'' میں وسیلہ سے مراد ''بیعتِ مرشد'' جبکہ شاہ اسمٰعیل دہلوی نے ''صراطِ مستقیم (ص: ۵۸)'' میں وسیلہ سے مراد ''مرشِد'' لیا ہے اور مزید برآں کہا:

بدون مرشد راہ یابی نادر است۔

''مرشد کی راہنمائی کے بغیر (ہدایتِ ربانی) کا ملنا شاذ و نادر ہے۔''

۲۔ تلاشِ وسیلہ اَمرِ جائز ہے

قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر تلاشِ وسیلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ۔ (۱)

''یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں (یعنی ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہم کے بت اور تصویریں بنا کر اُنہیں پوجتے ہیں)، وہ (تو خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے (بارگاہِ الٰہی میں) زیادہ مقرب کون ہے۔''

دورِ جاہلیت میں مشرکین جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کے بت اور تصاویر بنا کر اُن کی پوجا کرتے تھے۔ اِسلام سے قبل جنات نے انسانوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ یہ بتوں میں گھس کر عجیب و غریب حرکتیں کرتے۔ بتوں کو ہلتا جلتا اور مسکراتا دیکھ کر سادہ لوح ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی عبادت

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۵۷

میں مصروف ہوجاتے۔ لیکن جب اسلام کی روشنی ظاہر ہوئی تو جنات اپنے اس گمراہ کن عمل سے تائب ہوکر مسلمان ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایک عرب جماعت کے حق میں نازل ہوئی جس کے لوگ جنات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے۔ جب وہ جن مسلمان ہو گئے اور ان کے پوجنے والے اس سے بے خبر رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت کے ذریعے اطلاع دی اور فرمایا: جنہیں تم پوج رہے ہو وہ ہمارے حضور سر بسجود ہیں اور وہ خود ہمارے مقربین کا وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں۔(۱)

اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ مقربینِ الٰہی کا وسیلہ لینا جائز ہے اور وہ خود بھی قربِ الٰہی کے حصول کیلئے اپنے سے زیادہ مقرّب کے متلاشی رہتے ہیں، گویا مقرّبین کا اپنا عمل بھی یہی ہے۔ مختصر یہ کہ کسی غیر کی عبادت کرنا ممنوع ہے لیکن مقبولانِ حق کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے دعا کے لئے عرض کرنا جائز ہے۔ عبادت کی نفی ہے وسیلے کی نفی نہیں۔ مقبولانِ حق وسیلہ بنتے ہیں، معبود نہیں۔

۳۔ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسُّل کا حکم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے توسُّل کرنے پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت نصِ صریح ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًاo(۲)

---

(۱) مسلم، الصحيح، ۴: ۲۳۲۱، كتاب التفسير، باب فى قوله تعالى: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَة، رقم: ۳۰۳۰

(۲) النساء، ۴: ۶۴

''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتےo''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت کے لئے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں آ کر آپ ﷺ کے وسیلہ سے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت کا اِطلاق صرف آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری تک محدود نہیں بلکہ بعد از وصال بھی اس کا حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہری حیاتِ طیبہ میں تھا۔ مفسرین اور ائمہ کرام نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

۴۔ حضور ﷺ کے وسیلہ سے روزِ قیامت تکلیف سے نجات

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا o[1]

''یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اَوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے) پر فائز فرمائے گاo''

مقامِ محمود سے مراد وہ اعلیٰ و اَرفع مقام ہے جو روزِ قیامت حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے مختص ہوگا۔ آپ ﷺ کا مقامِ محمود پر فائز ہونے کا مقصد اُمت کی شفاعت فرمانا ہے۔ صحیح حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ قیامت کے دن مصائب و آلام میں گھرے ہوئے لوگ جمع ہوکر آپ ﷺ کی بارگاہ میں آئیں گے اور آپ ﷺ سے التجا کریں گے کہ آپ

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۹

ﷺ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کریں تاکہ حساب کتاب جلد شروع ہو اور وہ اس جان لیوا تکلیف سے نجات پائیں۔ اَحادیثِ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بعد حساب وکتاب شروع فرما دے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز بھی تمام لوگ آپ ﷺ کو ربِ ذوالجلال کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں گے۔

۵۔ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے عذاب کا ٹل جانا

سورۂ انفال میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○(۱)

’’اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں○‘‘

یہاں اللہ جل جلالہ نے امت سے عذاب ٹال دینے کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ان میں موجود ہونا۔

۲۔ لوگوں کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہنا۔

مذکورہ آیت میں طلبِ مغفرت سے پہلے رسول ﷺ کا واسطہ بیان کرنا اس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ جب تک رسول ﷺ موجود ہیں اس وقت تک آپ ﷺ کے وجودِ مسعود کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا۔ بعض لوگ جو اس آیت سے ظاہری حیاتِ طیبہ مراد لیتے ہیں، ہمارے نزدیک وہ درست نہیں۔ آیت میں مطلقاً

(۱) الانفال، ۸: ۳۳

آپ ﷺ کی موجودگی کا ذکر ہے۔ یہ بات بھی نصِ صریح سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت سے قبل یہود، مشرکینِ عرب پر فتح یابی کے لئے آپ ﷺ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کرتے تھے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (۱)

’’حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان پر اترنے والی کتاب قرآن کے وسیلے سے) کافروں پر فتح یابی (کی دعا) مانگتے تھے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب گزشتہ اُمتوں کا ہمارے آقا حضور نبی اکرم ﷺ سے توسّل کرنا مشروع اور جائز ہے اور کتاب وسنت نے ان کے اس عمل کی تحسین کی ہے تو پھر اُمتِ محمدیہ کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنا کیسے شرک اور بدعت ہو گیا۔

٦۔ قمیصِ یوسف علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا توسّل

سورۂ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ (۲)

’’(حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:) میرا یہ قمیض لے جاؤ، سو اِسے میرے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہوجائیں گے۔‘‘

اس کے بعد کے واقعہ کو قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا۔ (۳)

(۱) البقرة، ۲: ۸۹

(۲) یوسف، ۱۲: ۹۳

(۳) یوسف، ۱۲: ۹۶

''پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔''

اس آیتِ کریمہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ جس چیز کو انبیاء اکرام وصلحاء عظام سے نسبت ہوجائے اس سے توسّل کرنا توحید کے منافی نہیں کیونکہ قمیص کو بھیجنے والے بھی اللہ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام اور اس وسیلہ سے فائدہ اٹھانے والے بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام ہیں اور بیان کرنے والا ماحیٔ شرک یعنی قرآن ہے۔ مذکورہ آیتِ کریمہ سے درجہ ذیل نکات ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ جَآءَ الْبَشِيْرُ کے اعتبار سے یہ توسّل اگرچہ ظاہراً توسّل بغیر النبی ہے لیکن فی الحقیقت یہ توسّل بآثارِ النبی ہے۔

۲۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیض ڈالتے وقت بشارت دینے والے نے زبان سے کچھ نہ کہا لہذا قمیض کے توسّل سے بینائی کا لوٹ آنا توسّل نفسی ہے۔

۳۔ غیر نبی سے وسیلہ کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں یہ امر بطورِ خاص توجہ طلب ہے کہ ایک پیغمبر (حضرت یوسف علیہ السلام) وسیلے کا حکم دے رہے ہیں اور دوسرے پیغمبر (حضرت یعقوب علیہ السلام) اس قمیض سے توسّل کر رہے ہیں یعنی قمیض متوسّل بہٖ ہے۔ لہٰذا جب پیغمبر کی قمیض سے توسّل امرِ جائز ہے تو اس سے توسّل بآثارِ الانبیاء اور توسّل بالصالحین کا عقیدہ بھی از خود ثابت ہوجاتا ہے۔

۷۔ محرابِ مریم علیہا السلام سے سیدنا زکریا علیہ السلام کا توسّل

سیدنا زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ کی توسّل سے دعا مانگنے کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○(۱)

’’اسی جگہ (حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ میں) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی۔ عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے○‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کا عمل مبارک بیان فرمایا کہ جب انہوں نے اپنی زیرِ تربیت اللہ تعالیٰ کی صالحہ بندی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس طرح طرح کے بے موسمی پھل اور دیگر انعاماتِ الٰہیّہ کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے اس خاص مقام کو اپنی دعا کیلئے منتخب کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں بیٹا عطا فرمایا۔

مافوق الاسباب اُمور کا حقیقی مفہوم

مافوق الاسباب امور کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جو اَسباب کسی اَمر کے لیے خاص ہوں ان اسباب کو زیرِ استعمال لائے بغیر وہ کام ہو جائے جو کہ اس سبب کے بغیر ناممکن تھا۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، کہ پیدائش کے لیے اسباب کا ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں تزوج کا وجود ہی نہیں۔ اِس طرح جنسِ مخالف کی عدم موجودگی کے باوجود پیدائش کا ہونا مافوق الاسباب میں سے ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مافوق الاسباب اُمور کے لیے توسُّل شرک اور ماتحت الاسباب کے لیے شرک نہیں ہوتا۔ یہ نظریہ دراصل مافوق الاسباب کی حقیقی تعریف سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کی بازیابی

(۱) آل عمران، ۳: ۳۸

والی مثال زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے کہ آنکھوں کی روشنی اور بینائی کا واپس آنا اگر دوا، علاج یا آپریشن سے ہوتو اسے اسباب سے منسوب کیا جائے گا لیکن اس کے برعکس فقط قمیض کے رکھنے سے بینائی کا لوٹ آنا تو اسباب سے ماوراء چیز ہے جسے مافوق الاسباب کی اصطلاح سے موسوم کیا جائے گا۔ اس بحث سے پتہ چلا کہ:

۱۔ ترکِ اسباب سے کوئی کام ہوجائے تو وہ مافوق الاسباب ہے۔

۲۔ مافوق الاسباب سے توسُّل کرنا قرآن سے ثابت اور انبیاء علیھم السلام کی سنت ہے۔

۳۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ کوئی دعائیہ الفاظ نہیں اور نہ ہی یہ کوئی دوا ہے۔ قمیص مبارک سے بینائی کا لوٹ آنا محض توسُّل مافوق الاسباب ہے۔ اگر توسُّل مافوق الاسباب شرک ہوتا تو قرآن مجید ہرگز ایسے اُمور کی تائید نہ کرتا جو اس کی روح کے خلاف ہوں۔

یہاں ایک بات جو بطورِ خاص توجہ طلب ہے وہ یہ کہ ماتحت الاسباب سے توسُّل کو جائز کہنا اور مافوق الاسباب سے ناجائز اور شرک سمجھنا یہ بھی ایک خود ساختہ تقسیم ہے جو کسی قرآنی نص اور حدیثِ صحیح سے ثابت نہیں۔ صحیح اسلامی عقیدہ تو یہی ہے کہ حقیقی کارساز و مددگار اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانے کا تصور بھی ممکن نہیں کہ جو چیز شرک ہے وہ ہرجگہ اور ہر وقت شرک ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ کوئی چیز یا واقعہ ماتحت الاسباب کی بناء پر ہو رہا ہو مگر وہ شرک ہو اور کوئی واقعہ ما فوق الاسباب کے مطابق ہونے کے باوجود بھی شرک نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثال سے واضح ہے۔

ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب دونوں کا تعلق دراصل ظاہری اور باطنی و روحانی اسباب سے ہے۔ ہماری زندگی کے اندر بہت سارے اُمور ایسے ہیں جو ماتحت

الاسباب یعنی ظاہری اسباب کے تحت حل ہوجاتے ہیں اور کچھ اُمور وہ ہوتے ہیں جو ظاہری اَسباب کے بغیر باطنی اور روحانی طور پر حل ہوجاتے ہیں یعنی اصلاً کوئی بھی کام بغیر سبب کے نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ حقیقی معنوں میں کوئی بھی امر مافوق الاسباب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی امر ظاہری اسباب (امورِ عادیہ) کے بغیر واقع ہوجائے تو وہ بھی حقیقتاً بغیر سبب کے نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ فردِ بشر کو بعض اسباب دکھائی دیتے ہیں اور بعض دکھائی نہیں دیتے۔

لہٰذا اگر ہم مافوق الاسباب اُمور میں توسُّل کو شرک قرار دیں تو اس سے نصِ صریح سے انحراف لازم آئے گا مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے اِذن سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس انسانی روپ میں آئے تو ان سے کہا:

إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰماً زَكِيًّا ۝ (۱)

’’میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۝‘‘

اس آیتِ کریمہ میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام عطاءِ فرزند کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں جو کہ ظاہری اسباب کے بغیر ہے، یعنی باپ کے بغیر صرف پھونک مارنے سے بچہ عطا کرنا مافوق الاسباب عمل ہے۔ اگر مافوق الاسباب اُمور میں توسل ناجائز اور شرک ہوتا تو کبھی بھی جبرئیلِ امین عطاءِ فرزند کی نسبت اپنی طرف نہ کرتے۔ ان قرآنی نظائر سے ثابت ہوا کہ توسلِ شخصی بھی منافیٔ توحید نہیں پس ایک خود ساختہ عقیدے کی بناء پر توسلِ شخصی کا انکار کرنا آیاتِ قرآنی کے اِنکار کے مترادف ہے۔

(۱) مریم، ۱۹: ۱۹

اَحادیثِ نبوی ﷺ سے توسل کا ثبوت

گزشتہ صفحات میں ہم نے قرآنِ حکیم کی روشنی میں عقیدۂ توسل کے بنیادی تصورات واضح کیے ہیں۔ اب ہم احادیثِ نبوی کی روشنی میں ان تفصیلات کو دیکھتے ہیں:

اُمتِ محمدی ﷺ سے شرک کا خاتمہ

اُمتِ محمدیہ پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ ایمان لانے کے بعد یہ اُمت بحیثیتِ مجموعی دوبارہ کفر و شرک کی مرتکب نہیں ہوگی۔ سابقہ اُمم میں ایسا بارہا ہوتا رہا کہ اپنے نبی کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد وہ شرک کے اندھیروں میں راہِ حق سے دور ہو گئیں۔ لیکن اُمتِ مصطفوی کے بارے میں اللہ جل جلالہ کے نبی ﷺ نے اپنی زبانِ اقدس سے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں اس امر کا اعلان فرما دیا تھا کہ اب مجھے اس کے شرک میں مبتلا ہونے کا ڈر نہیں رہا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّی وَاللهِ، مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيْهَا(۱)

”اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے لیکن مجھے تمہارے حصولِ دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کا اندیشہ ہے۔“

توسل جیسے مستحسن عمل کو شرک و بدعت کہنے والے لوگ اس بات پر غور کریں کہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الشهید، ۱: ۴۵۱، رقم: ۱۲۷۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا وصفاته، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۲۲۹۶

وہ نبی ﷺ جو شرک و بدعات کا قلع قمع کرنے کے لیے تشریف لائے، جن کے وسیلے سے ہمیں راہِ ہدایت نصیب ہوئی، وہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اپنی اُمت کے دوبارہ شرک کی طرف پلٹ جانے کا اندیشہ نہیں۔ ایک ہم ہیں کہ محض مسلکی تعصب و عناد کی بناء پر ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے لگا رہے ہیں۔ ایسا رویہ دین کی حقیقی روح سے ناآشنائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

درج ذیل سطور میں ہم نفس مضمون سے متعلق چند احادیث ذکر کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ ہرگز شرک اور فعلِ حرام نہیں بلکہ یہ ایک امرِ جائز ہے اور تقرب الی اللہ کے لئے دین کے جائز طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

۱۔ اَعمالِ صالحہ کا وسیلہ

کسی مشکل اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور اعمالِ صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک جائز اور مشروع ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''ایک دفعہ تین مسافر جنگل سے گزر رہے تھے۔ اچانک آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا گئی۔ ابھی بچاؤ کا طریقہ سوچ ہی رہے تھے کہ زبردست موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ ایک غار میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا چنانچہ وہ اس میں گھس گئے۔ غار کا دہانہ چھوٹا تھا اچانک ایک بھاری بھرکم پتھر لڑھکتا ہوا آیا اور غار کے دہانے پر گر گیا۔ یہ لوگ اس میں محبوس ہوکر رہ گئے۔ اس ناگہانی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:

انظُروا أعمالاً عَمِلتُموها لله صالحةً، فَادعوا الله بها لَعَلَّهُ يَفْرُجُهَا

''اپنے اپنے (وہ نیک) اعمال یاد کرو جو تم نے خالصتاً اللہ (کی رضا و خوشنودی) کے لئے کیے۔ پھر ان کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرو شاید

وہ اس کو کھول دے (اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دے)۔‘‘

تجویز چونکہ بڑی مناسب اور حسبِ حال تھی اس لیے سبھی اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ ہر ایک نے باری باری اپنے اعمالِ صالحہ پیش کئے اور ان سے توسّل کرتے ہوئے باری تعالیٰ سے اس مصیبت سے خلاصی کیلئے التجا کی۔

پہلا شخص اپنے ضعیف والدین کی خدمت کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے:

فإن كنتَ تعلمُ أنّى فَعلتُ ذٰلك ابتغاءَ وجهِكَ فَافْرُجْ لنا فُرجةً نَرَى منها السماءَ۔

’’اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل محض تیری رضا کے لیے کیا تھا تو تُو دہانے سے پتھر ہٹادے تا کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔‘‘

جونہی اس وفا شعار انسان نے دعائیہ الفاظ ختم کئے وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا اور انہیں آسمان نظر آنے لگا، مگر اتنا راستہ نہ بنا کہ کوئی آدمی باہر جا سکے۔

دوسرا شخص جسے اپنے چچا کی لڑکی کے ساتھ جذباتی لگاؤ تھا۔ اس لڑکی پر قابو اور اختیار حاصل کرنے کے باوجود محض اللہ کے خوف اور خشیت کی وجہ سے اپنے دامن کو فعلِ بد سے بچا لیا۔ وہ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں اپنے پاکیزگیٔ دامن کے اس عمل کو بطورِ وسیلہ پیش کرتے ہوئے عرض کرتا ہے:

اللّٰهم فإن كنتَ تعلمُ أنّى فَعلتُ ذٰلك ابتغاءَ وجهِكَ فَافرُجْ لنا منها۔

’’اے اللہ! پس اگر تیرے علم میں ہے کہ میں نے تیری رضا کی خاطر ایسا کیا (اور میرا یہ عمل تیری بارگاہ میں مقبول ہے) تو ہمارا راستہ کھول دے۔‘‘

اس کے دعائیہ کلمات پر پتھر مزید سرک گیا مگر ابھی اتنی گنجائش نہ ہوئی تھی کہ وہ بآسانی باہر نکل سکتے۔

تیسرا شخص اپنی امانت و دیانت اور حق و صداقت کو اللہ جَلَّجَلَالُہٗ کے حضور وسیلہ بناتے ہوئے عرض کرتا ہے:

فَإِن كُنتَ تعلَمُ أنی فعَلتُ ذٰلك ابتغاءَ وجهِكَ، فَافرُجْ ما بَقِیَ۔(1)

’’(اے اللہ!) اگر میں نے یہ ایثار صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو (اس کی برکت سے ہماری مشکل دور فرما اور) غار کے دہانے سے باقی پتھر بھی ہٹا دے (کہ ہم باہر نکل سکیں)۔‘‘

اس طرف ان کی دعا ختم ہوئی دوسری طرف رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور پتھر غار کے دہانے سے ایک طرف لڑھک گیا۔ اس طرح اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے انہیں اس مصیبت سے نجات ملی اور بارگاہِ الٰہی سے نئی زندگی مل گئی لہٰذا یہ تینوں حضرات سلامتی اور عافیت کے ساتھ باہر نکل آئے۔

۲۔ نماز کے وسیلہ سے گناہوں کی معافی

نمازِ پنجگانہ وہ عملِ صالحہ ہے جس کے وسیلے اور برکت سے اللہ رب العزت اپنے بندوں کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ.

---

(1) بخاری، الصحیح، کتاب المزارعة، باب إذا ذرع بمال قوم بغیر إذنهم، ۲: ۸۲۱، رقم: ۲۲۰۸

هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ. قَالَ: فَذَالِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا. (۱)

''(مجھے بتاؤ) اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ دن میں پانچ دفعہ اس میں نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل نام کی کوئی چیز باقی رہ جائے گی؟ حاضرین نے جواب دیا: اس کے جسم پر میل نہیں بچے گی۔ فرمایا: یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ خدا تعالیٰ ان (کے وسیلہ اور برکت) سے گناہ مٹاتا ہے۔''

۳۔ نوافل کے توسّل سے قربِ الٰہی

بندۂ مومن کا مقصود اپنے معبودِ حقیقی اور مالک کے قرب اور رضا کا حصول ہوتا ہے۔ نوافل کے توسّل سے بندے کو قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَ رِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا. (۲)

''میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں۔ پھر میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں

(۱) ا۔مسلم، الصحيح، كتاب المساجد، باب المشي إلى الصّلاة، ۱:۴۶۲، رقم:۶۶۷

(۲) بخاری، الصحيح، كتاب الرقائق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم:۶۱۳۷

بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔‘‘

۴۔ بیٹیوں کی بہتر پرورش سے توسُّل

ماں، بہن، بیٹی سب قابلِ عزت وتکریم رشتے ہیں۔ اسلام نے نہ صرف ان رشتوں کی تقدیس کی بات کی بلکہ ان کی حفاظت اور پرورش پر اَجرِ عظیم کا مژدہ بھی سنایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اِرشاد کے مطابق بچیوں کی بہتر پرورش اور تعلیم و تربیت ایک ایسا عمل صالحہ ہے جس کے وسیلے سے ماں باپ کو جہنم کی آگ سے خلاصی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جاءتنی امرأةٌ معها ابنتانِ تَسألُنی، فلم تجدْ عندي غير تمرةٍ واحدةٍ، فأعَطيْتُها فقسمَتْها بين ابنتيها، ثم قَامَتْ فخرجَتْ، فدخَلَ النبي ﷺ فحدَّثْتُه، فقال: من يلی من هذه البناتِ شيئاً، فأحسنَ إليهن، كُنَّ له سِتراً من النار۔(۱)

’’میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں، وہ مجھ سے کچھ مانگتی تھی۔ اس نے ایک کھجور کے سوا میرے پاس کچھ نہ پایا، میں نے اس کو وہی دے دی۔ اس نے وہ کھجور دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، میں نے آپ ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بیٹیوں کے ذریعے آزمایا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو یہ اس کیلئے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہیں۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب رحمة الولد، ۵: ۲۲۳۴

۵۔ متحابین و مستغفرین کے وسیلہ سے عذاب کا ٹلنا

اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت اور اس سے استغفار کرنا ایسے اعمالِ صالحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو نہایت پسند ہیں اور ان اعمال کو سرانجام دینے والوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنی دیگر مخلوق سے بھی عذاب ٹال دیتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إنّ اللہ سبحانہ یقول: إنی لأھم بأھل الأرض عذاباً، فإذا نظرت إلی عمار بیوتی والمتحابین فیّ والمستغفرین بالأسحار، صرفت عنھم۔[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں لیکن جب میں اپنے گھر آباد کرنے والوں، اپنے لئے باہم محبت کرنے والوں اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والوں کو دیکھتا ہوں تو (ان کے وسیلہ سے اپنا غضب) ان سے پھیر دیتا ہوں۔''

۶۔ صدقات و خیرات کے وسیلہ سے بلاؤں کا ٹلنا

صدقات و خیرات مصیبتوں اور بلاؤں کو ٹالنے کا بہترین وسیلہ ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مصائب و آزمائش کو ٹالنے کے لیے صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بَاکِرُوا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا یَتَخَطَّا الصَّدَقَةَ۔[2]

''صدقہ کی ادائیگی میں جلدی کیا کرو کیونکہ بلا (مصیبت) صدقہ کو نہیں پھلانگ سکتی (یعنی صدقہ کی موجودگی میں بلائیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں)۔''

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۵۰۰، رقم: ۹۰۵۱

(۲) بیہقی، السنن، ۴: ۱۸۹، رقم: ۷۶۲۰

۷۔ نسبتِ صالحین کے وسیلہ سے مغفرت

نیک نسبت کے توسل سے دعا کی تاثیر اور قبولیت کے امکان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ عملِ صالح ہو، عبدِ صالح ہو یا کوئی مقدس مقام ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کی توبہ کا واقعہ مروی ہے۔ (صحیح مسلم کے الفاظ کے مطابق) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَّ رَجُلًا قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ نَفْسًا فَجَعَلَ يَسْأَلُ هَلْ لَّهُ مِنْ تَوْبَةٍ فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ: لَيْسَتْ لَكَ تَوْبَةٌ فَقَتَلَ الرَّاهِبَ ثُمَّ جَعَلَ يَسْأَلُ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَى قَرْيَةٍ فِيْهَا قَوْمٌ صَالِحُوْنَ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ الطَّرِيْقِ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَآءَ بِصَدْرِهِ ثُمَّ مَاتَ فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَكَانَ إِلَى الْقَرْيَةِ الصَّالِحَةِ أَقْرَبَ مِنْهَا بِشِبْرٍ فَجُعِلَ مِنْ أَهْلِهَا۔(۱)

”(بنی اسرائیل کے) ایک شخص نے ننانوے (۹۹) آدمیوں کو قتل کیا، پھر وہ یہ پوچھتا پھرتا تھا کہ کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے ایک راہب کے پاس جا کر یہ سوال کیا، کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے کہا: تمہاری توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا، اس نے قبولیتِ توبہ کے بارے میں پھر سوال کرنا شروع کیا اور وہ اس بستی سے نکل کر دوسری بستی کی طرف جانے لگا جس میں کچھ نیک لوگ رہتے تھے۔ جب اس نے راستہ کا کچھ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب التوبۃ، باب قبول توبۃ القاتل و إن کثر قتلہ، ۴: ۲۱۱۹، رقم: ۲۷۶۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب ألانبیاء، باب حدیث الغار، ۳: ۱۲۸۰، رقم: ۳۲۸۳

حصہ طے کیا تو اس کو موت نے آ لیا، پس اس نے اپنا سینہ قریۃ الصالحۃ (نیک لوگوں کی بستی) کی سمت کر کے اپنے آپ کو اس طرف پھینک دیا پھر فوت ہوگیا، اس سے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوا۔ وہ ایک بالشت کے برابر نیک آدمیوں کی بستی کے قریب تھا سو اس کو اس نیک بستی والوں میں شامل کر دیا گیا۔‘‘

حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا اس واقعہ کو بیان کرنے کا مفاد یہ ہے کہ یہ طریقہ ہمارے لئے سنت بنایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صالحین کے توسُّل اور نسبت سے بخشش و مغفرت حاصل ہوتی ہے۔

۸۔ کمزور اور ضعیف لوگوں کے وسیلہ سے رِزق میں کشادگی

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رَأَى سَعْدٌ رضی اللہ عنہ أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ.(۱)

’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ انہیں اُن لوگوں پر فضیلت ہے جو مالی لحاظ سے کمزور ہیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو تمہارے کمزور اور ضعیف لوگوں کے وسیلہ سے ہی تمہیں نصرت عطا کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔‘‘

اسی طرح سنن ترمذی میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب مَنِ اسْتَعَانَ بالضُّعَفَاءِ وَالصَّالِحِين في الْحَرْبِ، ۳: ۱۰۶۱، رقم: ۲۷۳۹

ابْغُونِی فِی ضُعَفَائِکُمْ، فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ (۱)

’’مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ تمہیں اپنے کمزور لوگوں کے وسیلہ سے رزق دیا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔‘‘

۹۔ یَا عِبَادَ اللهِ! احْبِسُوْا عَلَيَّ کے اَلفاظ سے توسُّل

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِکُمْ بِأَرْضِ فُلَاةٍ فَلْيُنَادِ يَا عِبَادَ اللهِ! احْبِسُوْا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللهِ! احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ ِللهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْکُمْ۔ (۲)

’’جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل بیاباں میں چھوٹ جائے تو اس (شخص) کو (یہ) پکارنا چاہیئے: اے اللہ کے بندو! میری سواری پکڑ دو، اے اللہ کے بندو! میری سواری پکڑ دو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے (ایسے) بندے اس

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الجهاد، باب ما جاء فی الاستفتاح، ۴: ۲۰۶، رقم: ۱۷۰۲

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الانتصار برذل الخیل والضعفة، ۳: ۳۲، رقم: ۲۵۹۴

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الجهاد، باب الاستنصار بالضعیف، ۶: ۴۵، رقم: ۳۱۷۹

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۲۱۷، رقم: ۱۰۵۱۸

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۹: ۱۷۷، رقم: ۵۲۶۹

۳۔ ہیثمی نے ’’مجمع الزوائد (۱۰: ۱۳۲)‘‘ میں کہا ہے کہ طبرانی سے مروی اس روایت کے رجال ثقہ ہیں۔

زمین میں ہوتے ہیں، وہ اس کو (اس کی سواری) پکڑا دیں گے۔‘‘

حضرت عتبہ بن غزوانی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْأً أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَ هُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيْسٌ فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيْثُوْنِي يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيْثُوْنِي فَإِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ وَ قَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ ۔(۱)

’’جب تم میں سے کسی کی کوئی شے گم ہو جائے اور تم میں سے کوئی مدد چاہے اور وہ ایسی جگہ ہو کہ جہاں اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو تو اسے چاہیے کہ کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں جنہیں ہم دیکھ تو نہیں سکتے (لیکن وہ لوگوں کی مدد کرنے پر مامور ہیں) اور یہ آزمودہ بات ہے (کہ ایسا کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے ان بندوں سے مدد حاصل ہوتی ہے)۔‘‘

توسل خود قاطعِ شرک ہے

توسّل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور اس کے اطلاقات پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وسیلہ پکڑنے والا وسیلے کو خدا یا اس کا شریک نہیں بناتا بلکہ اس کا مقرب سمجھتا ہے۔ صاف ظاہر ہے تقرب اِلی اللہ کا مقام بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ متوسّل بہ کی ساری خوبیاں جب اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی تفویض کردہ ہیں تو یہ تصور بذاتِ خود قاطع شرک ہے کیونکہ صفت اپنی اصل کی شریک نہیں ہوا کرتی۔

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷: ۱۱۷، رقم: ۲۹۰
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۳۲

فصل سوُم

حضور نبی اکرم ﷺ سے توسُّل

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے توسّل کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ **التوسُّل بالنبی ﷺ قبل ولادته**

(ولادت باسعادت سے قبل حضور نبی اکرم ﷺ سے توسّل)

۲۔ **التوسُّل بالنبی ﷺ فی حیاته**

(حیاتِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ سے توسّل)

۳۔ **التوسُّل بالنبی ﷺ بعد وصاله**

(بعد اَز وصال حضور نبی اکرم ﷺ سے توسّل)

مندرجہ بالا تمام صورتیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور آج تک علماءِ کبار آپ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے ان تینوں پہلوؤں سے توسّل بیان کرتے چلے آئے ہیں۔

۱۔ ولادت باسعادت سے قبل حضور ﷺ سے توسّل

حضور نبی اکرم ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت سے قبل بھی آپ ﷺ سے توسّل کیا گیا۔ ائمہ ومحدّثین نے اپنی کتابوں میں ثقہ روایات سے آپ ﷺ کے قبل اَز ولادت فیوض و برکات کو ثابت کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اِن شاء اللہ ولادت سے قبل حضور ﷺ سے توسّل کرنا ثابت کریں گے۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے توسّل کرنا، ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ انہوں نے معافی کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بطورِ وسیلہ پیش کیا اور ربِّ رحیم نے اپنے حبیب ﷺ کے توسل سے انہیں معاف فرما دیا۔ امام حاکم (م ۴۰۵ھ) اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لما اقترَفَ آدم الخطيئَةَ قال: يا ربّ أسألُكَ بحقِ محمدٍ ﷺ لما غفرت لي. فقال الله: يا آدم وكيف عَرَفْتَ محمدًا ولم أخلُقْه؟ قال: يا ربِّ لأنك لمّا خلقتني بيدك ونفختَ فيّ من روحك رفعتُ رأسي فرأيتُ على قوائمِ العرشِ مكتوباً: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمتُ أنك لم تُضِفْ إلى اسمكَ إلا أحَبَّ الخلقِ إليك. فقال الله: صدقتَ يا آدم إنه لأحَبُّ الخلقِ إليّ. ادعني بحقّه، فقد غفرتُ لك، ولو لا محمدٌ ما خلقتُكَ ۔(۱)

’’جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطاء سرزد ہوئی تو انہوں نے (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) عرض کیا: پروردگار! میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچان لیا حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں تخلیق بھی نہیں کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: مولا! جب تو نے اپنے دستِ

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۶۱۵، رقم: ۴۲۲۸
۲۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۵: ۴۸۹

قدرت سے مجھے تخلیق کیا اور اپنی روح میرے اندر پھونکی، میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو عرش کے ہر ستون پر لا إله إلا الله محمد رسول الله لکھا ہوا دیکھا میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اسی کا نام ہوسکتا ہے جو تمام مخلوق میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، مجھے ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب وہی ہے۔ اب جبکہ تم نے اس کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کی ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا اور اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق نہ کرتا۔‘‘

امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام بُلقینی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام تقی الدین سبکیؒ نے ’’شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام (ص: ۱۲۰)‘‘ میں شیخ ابنِ تیمیہ کی تنقید اور رَدّ کو مسترد کیا ہے اور امام حاکم کے قول کی تصدیق کی ہے۔

نوٹ: اِس روایت سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ’’عقیدۂ توسُّل‘‘ کا باب پنجم ملاحظہ کریں۔

(۲) یہود کا حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کا معمول

حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے یہود اپنے حریفوں پر فتح پانے کے لیے آپ ﷺ کے وسیلہ سے بارگاہِ ربّ العزت میں دعا کرتے جس کے نتیجے میں فتح سے ہم کنار ہوتے۔ اس بات پر نصِ قرآنی شاہد عادل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْاۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝[1]

(۱) البقرة، ۲: ۸۹

’’اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) آئی جو اس کتاب (تورات) کی (اصلاً) تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس موجود تھی، حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان پر اترنے والی کتاب قرآن کے وسیلے سے) کافروں پر فتح یابی (کی دعا) مانگتے تھے، سو جب ان کے پاس وہی نبی (حضرت محمد ﷺ اپنے اوپر نازل ہونے والی کتاب قرآن کے ساتھ) تشریف لے آیا جسے وہ (پہلے ہی سے) پہچانتے تھے تو اسی کے منکر ہو گئے، پس (ایسے دانستہ) انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘

قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک مفسرین کی اکثریت نے اس آیتِ کریمہ کا جو معنی بیان کیا ہے وہ اصلاً حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ (م ۶۸ھ) سے مروی ہے۔

’’تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس‘‘ ’’جامع البیان فی تفسیر القرآن‘‘ ’’الدر المنثور فی التفسیر بالماثور‘‘ اور دیگر کتبِ تفاسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ یہود اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ کو وسیلہ بنا کر اللہ جل جلالہ سے مدد طلب کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ من قبل محمد ﷺ والقرآن ﴿يَسْتَفْتِحُوْنَ﴾ يستنصرون بمحمد والقرآن ﴿عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ من عدوهم أسد وغطفان ومزينة وجهينة ﴿فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا﴾ صفته ونعته فی كتابهم ﴿كَفَرُوْا بِهٖ﴾ جحدوا به ﴿فَلَعْنَةُ اللهِ﴾ سخطة الله وعذابه ﴿عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾ على اليهود۔[1]

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۱۳

''(یہود) حضرت محمد ﷺ اور قرآن کے نزول سے قبل اپنے دشمنوں أسد، غطفان، مزینۃ اور جهینۃ (کے قبائل) کے خلاف اللہ ﷻ سے حضور نبی اکرم ﷺ اور قرآن کے توسل سے حصولِ فتح کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ لیکن جب وہ ہستی جس کی صفات و خصوصیات کو وہ اپنی کتابوں کے ذریعے پہچانتے تھے تشریف لے آئی تو اس کا اِنکار کر دیا۔ پس (اس کفر کی وجہ سے) کافروں میں سے یہود پر اللہ کا عذاب اور لعنت ہو۔''

خود اہلِ کتاب، حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے کفار و مشرکین عرب سے جنگوں کے دوران اللہ تعالیٰ سے اپنے کامیابی و کامرانی کی دعا حضور ﷺ کے وسیلے سے مانگا کرتے تھے۔ ان کی دعا کے کلمات یہ تھے:

اللّٰهم انصرنا بالنبي المبعوث في آخر الزمان الذی نَجِدُ نعتَه وصفتَه في التوراة۔[1]

''اے اللہ! آخری زمانہ میں بھیجے جانے والے نبی اکرم ﷺ کہ جن کی تعریف اور صفات ہم تورات میں پاتے ہیں، کے وسیلے سے ہماری مدد فرما۔''

ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی اہلِ کتاب آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بطورِ وسیلہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے۔ اس روایت کے مقبول ہونے کے حوالے سے ذہن نشین رہے کہ جو روایت تفسیر کے لئے قابلِ حجت ہوتی ہے وہ درجۂ قبولیت میں ہوتی ہے۔ اس روایت کو تو گزشتہ ایک ہزار سال کے دوران جتنے بھی مفسرین گزرے ہیں سب نے نقل کیا ہے، کسی نے تفسیر القرآن بالقرآن اور کسی نے تفسیر القرآن بالحدیث کے تحت۔ مختلف ادوار میں مفسرین کرام، محدثین اور فقہاء و ائمہ کا اس پر متفق ہونا بڑا اہم اور قابلِ اعتماد امر ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ تو اسرائیلیات سے آئی ہیں تو

(۱) زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ۱: ۱۲۳

اس حوالے سے بھی یہ امر ذہن نشین رہے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل سے روایات لینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

حَدِّثوا عن بني إسرائيل و لا حرج۔ (۱)

''بنی اسرائیل سے روایات لو، اس میں کوئی حرج نہیں۔''

۲۔ حیاتِ مبارکہ میں حضور ﷺ سے توسُّل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں بوقتِ ضرورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا توسل پیش کرتے تھے۔ جب اُممِ سابقہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں دشمنوں پر فتح اور اپنے گناہوں کی مغفرت کیلئے التجائیں کرتی تھیں تو اُمتِ مصطفوی بطریقِ اولیٰ آپ ﷺ کے توسُّل کی حقدار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے توسُّل کیا، آپ ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا بلکہ خود ان کو وسیلہ کی تعلیم دی۔ قرآن و حدیث میں صراحۃً اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے اُمت پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں۔ چند دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے عذاب کا ٹل جانا

اُممِ سابقہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں تمام حدود تجاوز کر جاتیں تو اس نافرمانی کے باعث پوری اُمت کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا۔ مگر جب حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کے وجودِ مسعود کے وسیلہ سے باری تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ سے متعلق اپنا قانون و ضابطہ تبدیل کر دیا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيْهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ۳:۱۲۷۵، رقم: ۳۲۷۴

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○ [1]

''اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں○''

آپ ﷺ کے وسیلہ سے نہ صرف اُمتِ اِجابت (مؤمنین و مسلمین) بلکہ اُمتِ دعوت (کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ) سے بھی دنیاوی عذاب اٹھالئے گئے۔ یہ عذاب کا اٹھایا جانا کسی خاص وقت اور زمانے کی لیے نہ تھا، بلکہ یہ ابد الاباد تک حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے ساتھ لازم کردیا گیا ہے۔ جب تک آپ ﷺ کی نبوت و رسالت موجود رہے گی' اس وقت تک عذاب الٰہی نہیں آئے گا اور بلا شبہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک جاری وساری رہے گی کیونکہ وَأَنْتَ فِيْهِمْ کی برہانِ قطعی کی بنا پر حضور نبی اکرم ﷺ کا وجودِ اقدس رحمتِ الٰہی کا باعث بن گیا۔ لہٰذا اب قیامت تک سابقہ اُمم کی طرح نہ صرف یہ اُمت بلکہ تمام دنیائے انسانیت عالمگیر عذابوں میں گرفتار نہیں ہوگی۔ پس عذابِ الٰہی اور نوعِ بشر کے درمیان حضور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ جلیلہ ایک پردۂ رحمت بن گیا ہے۔

(۲) توسلِ رسول ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معافی

غزوہ اُحد کے موقع پر حضور ﷺ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جغرافیائی اور عسکری نقطۂ نظر سے ایک خاص درّہ پر متعین فرمایا اور تاکید فرمائی: فتح ہو یا شکست تم نے ہرگز اپنی جگہ نہیں چھوڑنی۔ اِن میں سے اکثریت نے اِبتدائی فتح کے پیشِ نظر درّہ کو چھوڑ دیا جب کفار ومشرکینِ مکہ نے پیچھے سے پلٹ کر حملہ کردیا تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے

(۱) الانفال، ۸: ۳۳

اور اکثریت زخموں سے چور۔ پھر جب جنگِ احد سے واپس پلٹے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک اور معرکے کے لیے بلایا، زخموں سے چور اور نڈھال صحابہ کرام ﷺ دوبارہ جنگ کے لئے تیار ہوگئے۔ اس جانثاری پر اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور انہیں معاف کرنے کا ارادہ فرما لیا لہٰذا اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ (۱)

''سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں۔''

اس آیتِ کریمہ میں باری تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا کہ اے محبوب: آپ اِن سے درگزر کریں اور اِن کے لیے مغفرت طلب کریں۔ گویا اِن صحابہ کرام ﷺ کو معافی کا پروانہ اس وقت تک جاری نہیں ہوسکتا جب تک اس کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے استغفار کا وسیلہ شامل نہ ہو جائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں توسُّل پر قرآن حکیم کی یہ آیتِ کریمہ بڑی قوی دلیل ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَآؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّاباً رَّحِيْماًo (۲)

''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتےo''

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اہلِ ایمان کو یہ ہدایت عطا فرمائی ہے کہ

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۲) النساء، ۴: ۶۴

جب بھی وہ کوئی گناہ کر بیٹھیں یا ان سے کوئی خطا سرزد ہوجائے تو اپنے گناہوں کو بخشوانے کے لیے درِ مصطفیٰ ﷺ پر حاضر ہوجائیں اور ان کا دامنِ رحمت پکڑ کر ان کے وسیلہ سے بارگاہِ خداوندی میں التجا کریں۔ پھر جب رسول ﷺ بھی ان کی شفاعت کریں گے تو یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دے گا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں اس آیت کا اطلاق ہوتا تھا اسی طرح بعد از وصال بھی یہ جاری و ساری رہے گا۔ (اس حوالے سے تفصیلات آگے آ رہی ہیں)۔اگر توسل شرک یا ناجائز ہوتا تو اللہ ﷻ کبھی بھی صحابہ کرام ﷡ کو جَآءُوْكَ فرما کر حضور ﷺ کی بارگاہ کی طرف نہ بھیجتا۔

(۳) توسلِ رسول ﷺ سے بینائی کا لوٹ آنا

آیاتِ بینات کے علاوہ خود نبی اکرم ﷺ کے ارشاداتِ گرامی میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ آپ ﷺ سے آپ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں توسُّل کیا گیا بلکہ آپ ﷺ نے خود تلقین فرمائی۔ جیسا کہ حضرت عثمان بن حنیف ﷛ فرماتے ہیں:

أَنّ رَجُلًا ضَرِيْرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: ادْعُ اللهَ لِيْ أَنْ يُعَافِيَنِيْ. فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ. فَقَالَ: ادْعُهْ فَأَمَرَهُ أَنْ يَّتَوَضَّاءَ فَيُحْسِنَ وَضُوءَهٗ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلٰى رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهٖ لِتُقْضَى، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔[1]

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى صلاة الحاجة، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۳۸۵
۲۔ ترمذى، السنن، كتاب الدعوات، باب فى دعاء الضعيف، ۲: ۱۹۷، رقم: ۳۵۷۸

’’ایک نابینا شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا : (یا رسول اللہ صلی اللہ علیك وسلم!) اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے صحت و عافیت عطا فرمائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں اس کو تیرے لئے موخر کر دوں اور یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کروں۔ اس نے عرض کیا: اللہ جل جلالہ سے دعا فرما دیجئے۔ پس آپ ﷺ نے اسے وضو کرنے کا حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ، پھر یہ دعا کر : اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف نبیٔ رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ ! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری یہ حاجت پوری فرما دے۔ اے اللہ! تو اپنے نبی ﷺ کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما۔‘‘

مستدرک امام حاکم میں بعض الفاظ کا اضافہ ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فو اللہ ما تفرقنا ولا طال بنا الحدیث حتی دخل الرجل وکأنہ لم یکن بہ ضر قط۔(۱)

’’اللہ کی قسم! ہم ابھی مجلس سے اٹھے ہی نہ تھے اور نہ ہی کوئی طویل گفتگو کی کہ وہ شخص (صحیح سلامت آنکھوں کے ساتھ) داخل ہوا، گویا اس کو کوئی اندھا پن تھا ہی نہیں۔‘‘

امام حاکم نے اسے امام بخاری کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، جبکہ امام ذہبی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

شیخ محمود سعید ممدوح اپنی کتاب ’’رفع المنارۃ (ص: ۱۲۳)‘‘ میں اس حدیث

(۱) حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱:۵۲۶

کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا إسناد صحيح، وقد صحّحه غير واحد من الحفاظ ...... فيهم الترمذي، والطبراني وابن خزيمة، والحاكم و الذهبي۔

''اس حدیث کی تمام اسناد صحیح ہیں، اور اسے بہت سے حفاظِ حدیث نے بھی صحیح قرار دیا ہے ...... جن میں امام ترمذی، امام طبرانی، ابنِ خزیمہ، حاکم اور ذہبی شامل ہیں۔''

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہی اپنا حاجت روا سمجھ رہا ہے اور دستِ سوال بھی اسی کے آگے دراز کیا جا رہا ہے' کہ وہی ناممکن کو ممکن کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دعا کو اَقرب اِلی الاجابت بنانے کے لیے حضور ﷺ کے تلقین کردہ طریقہ کے مطابق آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کیا لہٰذا یہ شرک اور منافیٔ توحید نہیں بلکہ سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت شدہ مشروع، مباح اور جائز طریقہ ہے۔

(۴) حضور ﷺ کے وسیلہ سے نزولِ باراں

حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں جب بھی بارش نہ ہوتی اور قحط کے آثار پیدا ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر آپ ﷺ سے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی التجا کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کا وسیلہ شرک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ہم سے زیادہ دین کا فہم رکھنے والے تھے، کبھی بھی آپ ﷺ کے پاس نہ آتے بلکہ براہِ راست اللہ جل جلالہ سے دعا کرتے، مگر وہ جانتے تھے کہ جو بندہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا مقرب و محبوب ہو جائے تو وہ ایسے بندے کی دعا کو فوری شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

اِمام بخاری رحمہ اللہ آپ ﷺ کے توسل سے نزولِ باراں کے ایک واقعہ کو **الصحیح** میں **کتاب الاستسقاء** کے **باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا** کے ذیل میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن عبد اللهِ بن دينارٍ، عن أبيه قال: سمعتُ ابنَ عمرَ يَتمثَّلُ بشعر أبي طالب:

وأبيضُ يُسْتَسقَى الغمامُ بوجهِه
ثِمالُ اليَتَامٰى عِصمةٌ لِلأراملِ

وقال عُمَرُ بن حمزةَ: حدثنا سالِمٌ عن أبيه: وربما ذَكرتُ قول الشاعِرِ، وأنا أنظُر إلى وجهِ النبيِّ ﷺ يُستَسقى، فما ينزِلُ حتى يَجِيشَ كلُّ ميزابٍ۔(۱)

’’حضرت عبداللہ بن دینار نے اپنے والد سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ ابوطالب کا شعر پڑھتے تھے۔

(وہ روشن چہرے والے کہ جن کے چہرۂ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے، جو یتیموں کے فریاد رَس اور بیواؤں کے غم خوار ہیں۔)

’’عمر بن حمزہ نے کہا: ہمیں سالم نے اپنے والد (عبداللہ بن عمر) سے خبر دی کہ میں شاعر کا یہ شعر کبھی یاد کرتا اور میں حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتا جبکہ آپ ﷺ بارش کیلئے دعا فرماتے‘ آپ ﷺ ابھی منبر سے نہ اترتے کہ پرنالے زور سے بہنے لگتے۔‘‘

(۱) ۱۔بخاری، الصحيح، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ۱: ۳۴۲، رقم: ۹۶۳
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء فی الدعاء في الاستسقاء، ۱: ۴۰۵، رقم: ۱۲۷۲
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۳، رقم: ۵۶۷۳

خلاصۂ کلام

اَحادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ظاہری حیاتِ مبارکہ میں توسُّل کیا گیا۔ نہ صرف کسی ایک خاص معاملے میں بلکہ جملہ دینی اور دنیوی امور مثلاً بیماری، دکھ، تکلیف، ایمان واسلام، گناہوں کی بخشش، اجتماعی طور پر لوگوں کی معاشی بدحالی و ابتری سے نجات، الغرض تمام دینی و دنیوی حاجات میں آپ ﷺ سے توسُّل کیا گیا اور آپ ﷺ نے بھی لوگوں کے لئے بارگاہِ خداوند کریم میں دعائیں کیں۔ کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ہماری بارگاہ میں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس لئے اپنے گھروں میں رہ کر اس سے مانگا کرو بلکہ آپ ﷺ نے آنے والوں کو کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح جگہ پہنچنے کی ہدایت و رہنمائی فرمائی ہے، آپ کی مراد پوری ہوجائے گی۔ معلوم ہوا کہ انبیاء و رسل علیھم السلام سے توسُّل جائز اور پسندیدہ عمل ہے جسے شرک کہہ کر توحید کے منافی قرار دینا تعلیماتِ اسلام کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔

۳۔ بعد اَز وصال حضور نبی اکرم ﷺ سے توسُّل

حضور ﷺ کے اس دنیا سے وصال فرمانے کے بعد بھی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت جاری ہے اور قیامت تک جملہ احکام کے ساتھ باقی رہے گی۔ قابلِ غور بات یہ ہے جب آپ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ سے توسُّل بالاتفاق جائز تھا تو کیا وجہ ہے کہ نبوت و رسالت کے جمیع احکام، اطاعت، اتباع اور ادب کے ہوتے ہوئے بعد از وصال سلسلۂ توسُّل منقطع ہو جائے جبکہ قرآن حکیم اور حدیثِ رسول ﷺ میں کوئی نص بعد از وصال توسُّل کے انقطاع پر موجود نہیں۔ لہٰذا جن نصوصِ قرآنی سے آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں توسُّل ثابت ہے ان ہی نصوص سے بعد از وصال بھی توسُّل ثابت ہوتا ہے۔ ذیل میں بعد از وصال توسل کے جواز پر چند نظائر و واقعات درج ذیل ہیں:

(۱) مغفرت بوسیلۂ مصطفیٰ ﷺ

اللہ ﷻ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بلند مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا جائز تھا اسی طرح بعد از وصال بھی مشروع ہے۔ کوئی شرعی و عقلی دلیل ایسی نہیں جو بعد از وصال توسل کو شرک یا ممنوع قرار دے۔ سورۂ نساء میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوٓاْ أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّاباً رَّحِيْماًo[1]

''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتےo''

حافظ عماد الدین ابنِ کثیر (م ۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں بعد اَز وصال توسل کو جائز اور مشروع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

يُرشِد تعالی العصاة والمذنبين إذا وقع منهم الخطاء والعصيان أن يأتوا إلى الرسول ﷺ، فيستغفروا الله عنده ويسألوه أن يغفر لهم فإنّهم إذا فعلوا ذالك تاب الله عليهم ورحمهم وغفر لهم، ولهذا قال: ﴿لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾۔

وقد ذكر جماعة منهم الشيخ أبو منصور الصباغ فی کتابه

(۱) النسآء، ۴: ۶۴

الشامل الحكاية المشهورة عن العتبى، قال: كنتُ جالسًا عند قبر النبى ﷺ فجاء أعرابى، فقال: السلام عليك يا رسول الله! سمعتُ الله يقول: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ وقد جئتك مستغفراً لذنبى مستشفعًا بك إلى ربى. ثم أنشأ يقولُ:

يا خير من دفنت بالقاع أعظمه
فطاب من طيبهن القاع والأكم

نفسى الفداء لقبر أنت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ثم انصرف الأعرابى فغلبتنى عينى، فرأيت النبى ﷺ فى النوم، فقال: يا عتبى! الحق الأعرابى، فبشّره أن الله قد غفر له۔(۱)

''(اِس آیتِ کریمہ میں) اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جب ان سے خطا و گناہ سرزد ہوجائے تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۲۰

اعرابی کا مذکورہ بالا مشہور واقعہ درج ذیل کتب میں بھی بیان کیا گیا ہے:

۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۴۹۵، ۴۹۶، رقم: ۴۱۷۸

۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۳: ۵۵۷

۳۔ نووی، کتاب الأذکار، ۳: ۹۲

۴۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام: ۴۶، ۴۷

خدا تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ ہمارے لئے دعا کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا، انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اس لیے لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کہا۔

''یہ روایت کثیر لوگوں نے بیان کی ہے جن میں سے ابومنصور صباغ نے اپنی کتاب ''الحکایات المشهورة'' میں لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور اس نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پرظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔'' میں آپ کی خدمت میں اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہوا اور آپ کو اپنے رب کے سامنے اپنا سفارشی بناتا ہوا حاضر ہوا ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

(اے مدفون لوگوں میں سب سے بہتر، جن کی وجہ سے میدان اور ٹیلے اچھے ہو گئے، میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ رونق افروز ہیں، جس میں عفاف و جود وکرم ہے۔)

.... ۵۔ ہیتمی، الجوہر المنظم: ۵۱

اس کے علاوہ تمام مذاہب کے اجل ائمہ و علماء کا عتبی کی روایت کے مطابق دیہاتی کا روضۂ رسول ﷺ پر آکر مغفرت طلب کرنا ان کی کتابوں میں زیارۃ روضۂ رسول ﷺ یا مناسکِ حج کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔

''پھر اعرابی واپس چلا گیا تو مجھے نیند آ گئی، میں نے خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عتبی! جا، اس اعرابی کو خوش خبری سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے۔''

علاوہ ازیں عمدۃ المفسرین امام قرطبی نے اپنی معروف تفسیر ''الجامع لأحکام القرآن (۵: ۲۶۵، ۲۶۶)'' میں عتبی کی روایت سے ملتا جلتا دوسرا واقعہ یوں بیان کیا ہے:

''ابو صادق نے علی سے روایت کیا ہے کہ ہمارے سامنے ایک دیہاتی حضور ﷺ کی تدفین کے تین دن بعد آیا اور اس نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کی قبر مبارک کے قریب زمیں بوس کیا، اس کی مٹی اپنے اوپر ڈالی اور پھر کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا اور ہم نے آپ کا قول مبارک سنا، آپ نے اللہ سے احکامات لیے اور ہم نے آپ سے احکام لیے اور انہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔) پس میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت طلب فرمائیں۔ اس اعرابی کی التجاء پر اسے قبر سے ندا دی گئی:

أنه قد غفر لك ۔

''بے شک تمہاری مغفرت ہوگئی ہے۔''

منکرینِ توسل غور کریں! کیا ان اکابر محدّثین و مفسرین نے گمراہی اور کفر کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے؟ یا انہوں نے وہ بات نقل کی ہے جو بت پرستی یا قبر پرستی کی دعوت دیتی ہے؟ (معاذ اللہ!) اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو پھر کس اِمام کو اور کس کتاب کو ثقہ و معتبر کہا جائے گا؟ حقیقت یہی ہے کہ انکارِ توسل معترضین کا خود ساختہ نظریہ ہے جسے

قرآن و حدیث سے ذرا بھر بھی تائید حاصل نہیں۔

(۲) بعد اَز وصال حضور ﷺ کے اِستغفار کا وسیلہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات و وصال کو اُمت کے لیے رحمت قرار دیتے ہوے ارشاد فرمایا:

حياتي خير لكم تُحدِّثُون وتحدث لكم، و وفاتي خير لكم تعرض علي أعمالكم، فما رأيت من خير حمدت الله عليه، وما رأيت من شر اِستغفرت الله لكم۔[1]

''میری زندگی تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ تم حدیثیں سنتے سناتے ہو اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ (میری قبر میں) تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے۔ چنانچہ نیکیاں دیکھنے پر اللہ کا شکر بجا لاؤں گا، اور برائیاں دیکھنے پر تمہارے لئے اللہ سے استغفار کروں گا۔''

اگر آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے توسل سے حصولِ برکت ممنوع ہوتا تو آپ ﷺ کبھی بھی **وفاتي خير لكم** اور **استغفرت الله لكم** فرما کر اُمت کو اپنی بارگاہ کی طرف متوجہ نہ فرماتے۔

(۳) وسیلۂ مصطفیٰ ﷺ سے بارش کا نزول

امام دارمی اپنی ''السنن'' میں ابو الجوزاء اَوس بن عبد اللہ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قحط أهل المدينة قحطًا شديدًا فشكوا إلى عائشة، فقالت:

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۵:۳۰۸، رقم: ۱۹۲۵

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۹:۲۴

انظروا قبر النبي ﷺ فاجعلوا منه كوًّا إلى السّماء حتى لا يكون بينه وبين السماء سقف، قال: ففعلوا فمطروا مطراً حتى نبت العشب، وسمنت الإبل حتى تفتقت من الشحم، فسمى عام الفتق۔ (1)

''ایک مرتبہ مدینہ کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضي الله عنها سے (اپنی دگرگوں حالت کی) شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک کے پاس جاؤ اور اس سے ایک کھڑکی آسمان کی طرف اس طرح کھولو کہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس بہت زیادہ بارش ہوئی حتی کہ خوب سبزہ اُگ آیا اور اونٹ اتنے موٹے ہوگئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے۔ لہٰذا اُس سال کا نام ہی ''**عام الفتق**'' (سبزہ و کشادگی کا سال) رکھ دیا گیا۔''

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها سے زیادہ توحید کی معرفت کسے حاصل ہو گی۔ اگر توسل بعد از وصال شرک ہوتا تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها صحابہ کرام ﷺ کو کبھی بھی مصائب و آلام سے چھٹکارے کے لیے آپ ﷺ کی قبرِ انور سے توسل کرنے کو نہ فرماتیں۔

(۴) خلافتِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں قبرِ انور سے توسُّل

امام ابنِ ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) **المصنف** میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی لوگ آپ ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوتے اور آپ ﷺ کے

(۱) ۱۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۳، رقم: ۹۳

۲۔ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفی، ۲: ۸۰۱

وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں اِلتجائیں کرتے۔ حضرت مالک دار رضی اللہ عنہ - جو کہ عہدِ فاروقی میں ناظمِ خوراک تھے- روایت کرتے ہیں:

أصاب الناس قحط فی زمن عمر، فجاء رجل إلی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! استسق لأمتك فإنّهم قد هلكوا، فأتی الرجل فی المنام فقیل له: ائت عمر فأقرئه السلام و أخبره أنكم مسقیون و قل له: علیك الكیس! علیك الكیس! فأتی عمر فأخبره فبكی عمر، ثم قال: یا رب لا آلو إلا ما عجزت عنه۔[۱]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوگئے۔ پھر ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے) اپنی اُمت کے لئے سیرابی مانگئے کیونکہ وہ ہلاک ہوگئی۔ پھر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر کے پاس جاکر اسے میرا سلام کہو اور اسے بتاؤ کہ تم سیراب کیے جاؤ گے، اور عمر سے کہہ دو کہ عقل مندی اختیار کرے، عقل مندی اختیار کرے۔ اس صحابی نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ عرض کیا: اے اللہ! میں (خدمتِ خلق میں کچھ) کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ جس چیز سے عاجز پڑ جاؤں۔''

علامہ ابنِ تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) نے ''اقتضاء الصراط المستقیم (ص: ۳۷۳)'' میں اس روایت کی تائید کی ہے۔ حافظ ابنِ کثیر نے ''البدایة و النهایة (۵: ۱۶۷)'' میں اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اسی سند کے ساتھ

(۱) ۱۔ابن أبی شیبة، المصنف، ۶: ۳۵۶، رقم: ۳۲۰۰۲
۲۔ بیهقی، دلائل النبوة، ۷:۴۷
۳۔ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۲: ۴۶۴

ابن ابی خیثمہ نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی ’’فتح الباری (۲: ۴۹۵، ۴۹۶)‘‘ میں لکھتے ہیں: ’’یہ روایت ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ بیان کی ہے اور سیف بن عمر تمیمی نے ’’الفتوح الکبیر‘‘ میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خواب دیکھنے والے ایک صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔‘‘ امام قسطلانی نے ’’المواهب اللدنية (۴: ۲۷۶)‘‘ میں کہا ہے کہ اسے ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے؛ جب کہ علامہ زرقانی نے بھی ’’شرح المواهب اللدنية (۱۱: ۱۵۰، ۱۵۱)‘‘ میں امام قسطلانی کی تائید کی ہے۔

(۵) توسلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاجت بر آری

توسُّل کا یہ طریقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ خاص نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم توسُّل کے اس طریق کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی استعمال کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بوقتِ ضرورت اس کی تلقین کرتے تھے جیسا کہ امام طبرانیؒ نے **المعجم الکبیر** میں نقل کیا ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی غرض و حاجت سے بار بار امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات کرتے اور نہ اس کی حاجت میں غور فرماتے۔ وہ آدمی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ملا اور ان سے اس کا شکوہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وضو کرو۔ پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ کہو:

اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَامُحَمَّدُ! إِنِّی أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّی فَتُقْضَى لِی حَاجَتِی.

’’اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیٔ رحمت کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔‘‘

اِس کے بعد اپنی حاجت بیان کرو۔

وہ آدمی چلا گیا اور جیسا اس کو کہا گیا تھا اس نے ویسا ہی کیا۔ اس کے بعد جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان آیا اور اس کو ہاتھ سے پکڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور فرمایا: تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی تو امیر المومنین نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا اور فرمایا: تم نے اب تک اپنی حاجت کا کیوں ذکر نہ کیا؟ آپ نے اسے یہ بھی فرمایا کہ آئندہ جو بھی ضرورت ہو، ہمارے پاس آنا۔ وہ آدمی جب ان کے ہاں سے رخصت ہوا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، وہ میری حاجت کے بارے میں غور کرتے نہ میری طرف التفات فرماتے تھے حتی کہ آپ نے ان سے میری سفارش کر دی۔ تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

والله ما کلمته، ولکنی شهدت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وأتاه ضرير، فشکی إليه ذهاب بصره، فقال له النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: فتصبر؟ فقال: يارسول الله! ليس لی قائد وقد شقّ عليّ، فقال له النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ائت الميضأة فتوضأ ثم صل رکعتين ثم ادع بهذه الدعوات. قال ابن حنيف: فوالله ما تفرقنا، وطال بنا الحديث حتی دخل علينا الرجل کأنه لم يکن به ضر قط۔(۱)

''بخدا! میں نے ان سے کوئی سفارش نہیں کی۔ بلکہ (واقعہ یوں ہے کہ) ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۹: ۳۱، رقم: ۸۳۱۱
۲۔ طبرانی، المعجم الصغير، ۱: ۱۸۳، ۱۸۴

اندھا آدمی آیا اور آپ ﷺ سے اپنی بینائی کے ختم ہونے کا شکوہ کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تو صبر کر۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا کوئی خادم نہیں ہے اور مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوٹا لے کر آؤ اور وضو کرو۔ پھر دو رکعت پڑھ کر ان دعائیہ کلمات سے دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ ابھی نہ تو مجلس سے دور ہوئے اور نہ ہی ہمارے درمیان لمبی گفتگو ہوئی حتی کہ وہ آدمی ہمارے پاس (اس حالت میں) آیا کہ گویا اسے اندھا پن تھا ہی نہیں۔''

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو وہ دعا سکھائی جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے ذریعہ استغاثہ و ندا اور وسیلہ بنانے کا ذکر ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس آدمی نے یہ گمان کیا کہ شاید عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں امیر المؤمنین سے سفارش کی ہے جس کی وجہ سے اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے اس لئے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اس کے گمان کی نفی کر دی اور اس کو وہ حدیث سنائی جو نبی ﷺ سے سنی تھی اور اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا تاکہ ثابت ہو جائے کہ اس کی حاجت نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے اور آپ ﷺ کو نداء اور آپ ﷺ سے استغاثہ کی وجہ سے پوری ہوئی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قسم کھا کر اسے یقین دہانی کروائی کہ انہوں نے امیر المؤمنین سے اس بارے میں کوئی سفارش نہیں کی بلکہ یہ سب کچھ وسیلۂ رسول ﷺ کی برکت سے ہوا ہے۔

شیخ ابنِ تیمیہ کی تائید

شیخ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے ابن ابی الدنیا کی کتاب ''**مجابو الدعوة**'' سے اس حدیثِ مبارکہ کے بارے میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک شخص عبد الملک بن سعید بن ابجر کے پاس آیا۔ عبد الملک نے اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تمہیں ایک لا علاج بیماری ہے۔ اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ عبد الملک نے کہا: **دبیلہ** (بڑا پھوڑا) ہے جو

پیٹ کے اندر نکلتا ہے اور اکثر مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص واپس ہوا اور پھر اس نے کہا:

اللّٰہ! اللّٰہ ربّی، لا أشرك به شیئًا، اللّٰھم! إنی أتوجّه إلیك بنبیّك محمد نبیّ الرحمة ﷺ تسلیمًا، یا محمد إنی أتوجّه بك إلی ربّك وربّی یرحمنی مما بي.

''اللہ! اللہ! اللہ میرا رب ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد نبیِٔ رحمت ﷺ کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ (وہ) میری بیماری میں مجھ پر رحم فرمائیں۔''

کہتے ہیں کہ عبد الملک نے اس کے بعد اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تم ٹھیک ہوگئے ہو، تمہیں کوئی بیماری نہیں۔ شیخ ابن تیمیہ اپنی کتاب میں اس پورے واقعے کا ذکر کرنے کے بعد سلف صالحین کے معمول کے بارے میں لکھتے ہیں:

قلت: فھذا الدعاء ونحوہ قد روی أنه دعا به السلف۔[1]

''میں کہتا ہوں کہ یہ اور اس جیسی دیگر دعائیں سلف سے منقول ہیں۔''

(٦) روزِ قیامت حضور نبی اکرم ﷺ سے توسُّل

روزِ قیامت جملہ ذریتِ آدم اس دن کی گرمی و تپش سے تنگ آ کر سارے انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوگی۔ ہر کوئی یہی کہے گا: **إذھبوا إلی غیری** ''(آج کے روز) میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔'' بالآخر ساری انسانیت شافعِ روزِ محشر حضور نبی

(۱) ابن تیمیة، قاعدة جلیلة فی التوسل والوسلیة: ۹۱

اکرم ﷺ کے درِ اقدس پر آ جائے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متفق علیہ روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ. فَيَأْتُوْنَ آدَمَ، فَيَقُوْلُوْنَ: إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيْمَ فَإِنَّهُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ. فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسَى فَإِنَّهُ كَلِيْمُ اللهِ. فَيَأْتُوْنَ مُوْسَى، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسَى فَإِنَّهُ رُوْحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ. فَيَأْتُوْنَ عِيْسَى، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ ﷺ.

فَيَأْتُوْنَنِيْ فَأَقُوْلُ: أَنَا لَهَا، فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّيْ، فَيُؤْذَنُ لِيْ، وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، وَ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! إِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَ سَلْ تُعْطَ، وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ، أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ، فَيُقَالُ: إِنْطَلِقْ، فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! إِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَ سَلْ تُعْطَ، وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ، فَيُقَالُ: إِنْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ، فَأَنْطَلِقُ، فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! إِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَ سَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِى أُمَّتِى، فَيَقُوْلُ:

إِنْطَلِقْ، فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ، فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ......

قَالَ: ثُمَّ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! إِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ، وَ سَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! إِئْذَنْ لِي فِيْمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَيَقُوْلُ: وَ عِزَّتِي وَجَلَالِي، وَ كِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي: لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ:لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. (۱)

’’جب قیامت کا دن ہوگا لوگ گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس جائیں گے۔ سب سے پہلے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے: آپ (ہمارے لیے) اپنے رب کی بارگاہ میں سفارش کریں۔ وہ فرمائیں گے کہ آج یہ منصب میرا نہیں، البتہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ پس لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے، وہ بھی فرمائیں گے: یہ میرا منصب نہیں، البتہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ اس لیے کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور وہ بھی فرمائیں گے: یہ میرا منصب نہیں، البتہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، وہ روح اللہ ہیں اور اس کا کلمہ ہیں۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ بھی یہی فرمائیں گے: آج یہ میرا منصب نہیں، البتہ تم حبیبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔ ساری انسانیت میرے پاس آجائے گی۔ میں کہوں گا: ہاں اس منصبِ شفاعت کا اہل (آج) میں ہی ہوں۔ میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب کلام الرب عزوجل یوم القیامۃ مع الأنبیاء وغیرھم، ۶: ۲۷۲۷، رقم: ۷۰۷۲

گی۔ مجھے اس وقت محامد (حمدوں) کا الہام کیا جائے گا جس کے ذریعے میں اللہ کی حمد و ثنا کروں گا جنہیں میں اس وقت بیان نہیں کرسکتا۔ (غرضیکہ) میں ان محامد کے ساتھ رب کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں گا۔ پس مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سرِ انور اٹھایئے، بولیے آپ کی بات سنی جائے گی، اور مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، اور شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے رب! میری امت، میری امت۔ پس حکم ہوگا کہ جایئے اور جہنم سے اسے نکال لیجیے جس کے دل میں جَو کے برابر بھی ایمان ہے۔ پس میں جا کر ایسا ہی کروں گا (اور ایسے تمام افراد کو جہنم سے نکال لاؤں گا)۔ پھر واپس آ کر ان محامد کے ساتھ اس کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں گا۔ پس فرمایا جائے گا: محمد! اپنا سر اٹھایئے اور فرمایئے سنا جائے گا، سوال کیجئے عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے رب! میری امت، میری امت۔ پس فرمایا جائے گا کہ جایئے اور جہنم سے اسے بھی نکال لیجیے جس کے دل میں ذرہ برابر یا رائی کے برابر بھی ایمان ہے پس میں جا کر ایسا ہی کروں گا۔ پھر واپس آ کر ان ہی محامد کے ساتھ اس کی حمد وثنا کروں گا اور پھر اس کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں گا۔ پس فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور بیان کیجئے سنا جائے گا، اور سوال کیجئے عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: یا رب! میری اُمت، میری اُمت۔ پس فرمایا جائے گا کہ جایئے اسے بھی جہنم سے نکال لیجیے جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم، بہت کم اور بہت ہی کم ایمان ہے، پس ایسے شخص کو بھی جہنم کی آگ سے نکال لیجیے۔ چنانچہ میں جا کر ایسا ہی کروں گا۔ ......

''پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں چوتھی مرتبہ پھر واپس لوٹوں گا اور اسی طرح حمد کروں گا، پھر اس کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سرِ انور اٹھایئے اور بیان کیجیے سنا جائے گا، سوال کیجیے عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں عرض کروں گا: اے رب! مجھے اس شخص کو جہنم سے نکالنے کی اجازت دیجیے جس نے (ایک مرتبہ بھی صدق دل سے) کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے۔ باری تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت کی! اپنے جلال کی! اپنی کبریائی وعظمت کی! میں ضرور دوزخ سے اسے بھی آزاد کروں گا جس نے لا إله إلا الله کہا ہے۔''

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ میدانِ حشر میں حساب وکتاب کا سلسلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ کی بارگاہ میں خصوصی حمد وثناء اور التجاء و دعا کے وسیلہ سے ہی شروع ہوگا اور سب سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے امتِ مصطفوی کا حساب وکتاب شروع ہوگا تاکہ یہ حشر کی گرمی میں زیادہ دیر مبتلا نہ رہے۔

(۷) حضور ﷺ کی نسبت سے آپ ﷺ کے چچا کا توسّل

صحیح بخاری کی کتاب فضائل الصحابة میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه: كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستسقاء، باب سُؤَالِ النَّاسِ الإمام الاستسقاء إِذا قَحَطُوا، ۱: ۳۴۲، رقم: ۹۶۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر العَبَّاسِ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ رضی الله عنهما، ۳: ۱۳۶۰، رقم: ۳۵۰۷

''جب قحط پڑ جاتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بارش کی دعا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے کرتے ہوئے کہتے: اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تو، تُو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا جان کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہم پر بارش برسا۔ راوی نے کہا: پھر ان پر (اس دعا کی بدولت) بارش برسائی جاتی۔''

مستدرک امام حاکم میں یہی روایت بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

اِسْتَسْقَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَامَ الرَّمَادَةِ بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ هَذَا عَمُّ نَبِيِّكَ الْعَبَّاسُ نَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِهِ فَاسْقِنَا فَمَا بَرِحُوا حَتَّى سَقَاهُمُ اللهُ. قَالَ: فَخَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يَرَى لِلْعَبَّاسِ مَا يَرَى الْوَلَدُ لِوَالِدِهِ يُعَظِّمُهُ وَيُفْخِمُهُ وَيَبِرُّ قَسَمَهُ، فَاقْتَدُوا أَيُّهَا النَّاسُ بِرَسُولِ اللهِ فِي عَمِّهِ الْعَبَّاسِ وَاتَّخَذُوهُ وَسِيْلَةً إِلَى اللهِ عزوجل فِيمَا نَزَلَ بِكُمْ۔(۱)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادۃ (قحط و ہلاکت کے سال) میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی پھر لوگوں سے خطبہ ارشاد فرمایا: لوگو! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ویسا ہی مقام و حیثیت دیتے تھے جیسے بیٹا اپنے باپ کو مقام و حیثیت دیتا ہے (یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بمنزلہ والد سمجھتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تعظیم و توقیر کرتے اور ان کی قسموں کو پورا کرتے تھے۔

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۳:۳۷۷، رقم: ۵۴۳۸
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۲:۴۹۷

لوگو! تم بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرو اور انہیں اﷲ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ تاکہ وہ تم پر (بارش) برسائے۔‘‘

مذکورہ دونوں احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ غیر نبی کا توسل بھی جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے بارش کی دعا کا جواز تو لوگوں کو معلوم ہی تھا، جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ إِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا‘‘ شاہد ہیں۔ یاد رکھیں کہ ’’کُنَّا‘‘ فعل مضارع ’’نَتَوَسَّلُ‘‘ پر داخل ہوکر ماضی استمراری کا فائدہ دے رہا ہے۔ جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی حیاتِ ظاہری یا بعد از وصال حیاتِ مبارکہ سے مقید نہیں کیا جو اس عقیدہ کی غماز ہے کہ سب لوگ (صحابہ اور تابعین) زمانہ رسالت سے لے کر عہدِ فاروقی تک اپنی دعاؤں اور التجاؤں میں حضور علیہ السلام کو وسیلہ بناتے رہے۔ حضور علیہ السلام کو وسیلہ بنانے کے بعد اس بات کا امکان تھا کہ شاید بعض لوگ یہ سوچیں کہ غیر نبی سے توسل جائز نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا کر کے اس کا جواز ثابت کر دیا کیونکہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے وسیلے سے دعا کرتے تو لوگ یہ سمجھتے کہ غیر نبی سے اس کا جواز ثابت نہیں۔ اس موقف کی توثیق و تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت سے ہورہی ہے جس میں انہوں نے پہلے حضور علیہ السلام کی نگاہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا عالی مقام و مرتبہ بیان کیا، پھر بعد میں لوگوں کو انہیں اﷲ تعالیٰ کے حضور وسیلہ بنانے کی تلقین فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ عملِ توسل کی حجیت اور شرعی حیثیت کا اندازہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں درج ذیل فرامین سے آسانی سے ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ۔[(۱)]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پرحق جاری فرما دیا ہے۔''

۲۔ عمر معی و أنا معہ و الحق بعدی مع عمر حیث کان۔[(۲)]

''عمر میرے ساتھ اور میں عمر کے ساتھ ہوں اور حق میرے بعد عمر کے ساتھ ہوگا جہاں وہ ہوں گے۔''

۳۔ لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔[(۳)]

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا۔''

۴۔ اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر وعمر فإنّھما حبل اللہ الممدود من تمسک بھما فقد تمسک بالعروۃ الوثقٰی لا انفصام لھا۔[(۴)]

''میرے بعد ابوبکر وعمر دونوں کی اقتداء کرو۔ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی ہیں۔ جس نے ان دونوں کو پکڑا اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جو کبھی کھل نہیں سکتی۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ اِرشادات سے یہ اَمر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے

(۱) ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فی مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ۵: ۶۱۷، رقم: ۳۶۸۲

(۲) طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۸۰، رقم: ۷۱۸

(۳) ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فی مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ۵: ۶۱۹، رقم: ۳۶۸۶

(۴) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۹: ۵۳

کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ عملِ توسل نہ صرف جائز اور مشروع ہے بلکہ اُمت کے لیے حجت بھی ہے۔ معترضین ومنکرین کو اسے شرک و بدعت کہنے سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قائلینِ توسل کا یہ عقیدہ ہے کہ تاثیر، تخلیق، ایجاد، اعدام اور نفع وضرر کا مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے علاوہ کسی اور زندہ یا وفات یافتہ کو بالذات مفید یا مضر ماننا ہمارے نزدیک شرک ہے۔ مقصودِ توسل صرف یہ ہے کہ چونکہ وہ محبوبانِ خدا ہیں اس لیے اپنی دعاؤں کو **اَقرب اِلی الإجابت** بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور ان کا وسیلہ پیش کیا جائے تاکہ دعاؤں کی قبولیت کی اُمید بڑھ جائے۔

(۸) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اَلفاظ جِئْتُ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سے اِستدلال

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے درج ذیل الفاظ سے بھی اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بوقتِ ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِلتجائیں کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حاکمِ مدینہ مروان بن حکم نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر اپنا منہ رکھے ہوئے دیکھا تو کہا: تو یہ کیا کر رہا ہے؟ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے ایمان افروز جواب دیا۔ ''مسندِ احمد'' کے الفاظ ملاحظہ کریں:

عن دأود بن أبی صالح قال: أقبل مروان یوماً فوجد رجلًا واضعاً وجهه علی القبر، فقال: أتدری ما تصنع؟ فأقبل علیه فإذا هو أبو أیوب رضی اللہ عنہ، فقال: نعم، جئت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و لم آت الحجر، سمعتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: لا تبکوا علی الدّین إذا ولیه أهله،

ولکن ابکوا علیه إذا ولیه غیر أهله(۱)

’’حضرت داؤد بن صالح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز مروان نے آ کر دیکھا کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہے تو اس (مروان) نے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ تو یہ کیا کر رہا ہے؟ جب مروان اس کی طرف بڑھا، دیکھا تو وہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ (جواب میں) انہوں نے فرمایا: ہاں (میں جانتا ہوں)، **میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں اور کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔** میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: دین پر اس وقت مت روؤ جب اس کا ولی اس کا اہل ہو، ہاں دین پر اس وقت روؤ جب اس کا ولی نا اہل ہو۔‘‘

اہلِ سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ مردہ سنتا ہے، احساس وشعور بھی رکھتا ہے، زندہ کی نیکی اور بھلائی سے اسے فائدہ بھی پہنچتا ہے اور ان کی برائی پر وہ پریشان ہوتا ہے۔ توجہ طلب امر یہ ہے کہ یہ عقیدہ ایک عام انسان کے حوالے سے ثابت شدہ ہے۔ جبکہ عامۃ المؤمنین اور پھر سید البشر اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوق میں سے افضل ترین مخلوق ہمارے آقا و مولا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برزخی حیات کی کیا شان ہوگی؟ متعدد ثقہ روایات سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت شدہ امر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے ہیں، سلام کا جواب دیتے ہیں،

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۲۲، رقم: ۲۳۶۳۳

۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۵۱۵

۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۴: ۱۵۸، رقم: ۳۹۹۹

امام احمد بن حنبل کی بیان کردہ روایت کی اسناد صحیح ہے۔ امام حاکم نے اسے شیخین (بخاری و مسلم) کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اُمت کے اعمال و احوال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپ ﷺ اُمت کی برائیوں پر استغفار فرماتے ہیں جبکہ ان کے نیک اعمال پر اللہ جل مجدہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔

فصل چہارُم

عقیدۂ توسُّل

﴿ائمہ ومحدّثین کی نظر میں﴾

عقیدۂ توسُّل کے حوالے سے یہ اَمر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ جمہور اہلِ اسلام کا قرونِ اُولیٰ سے ہی اس بات پر اِجماع رہا ہے کہ اعمالِ صالحہ یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات اور تلاوتِ قرآن وغیرہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ توسُّل بالنبی ﷺ، توسُّل بالصالحین، توسُّل بالاولیاء اور توسُّل بالآثار کا بعض لوگ اِنکار کرتے ہیں جبکہ جمہور اہلِ اسلام اعمالِ خیر کی طرح ذوات و اشخاص سے بھی توسُّل کے جواز کے قائل رہے ہیں۔ عنوانِ بالا کے حوالے سے راقم کی الگ کتاب شائع ہو چکی ہے تاہم موضوع کی مناسبت سے ذیل میں چنداَ کابر اَئمہ و محدّثین اور مستند علماء کے حوالہ جات دیئے جا رہے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور اولیاء و صالحین کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدسیہ میں وسیلہ بنانا جمہور امت کا عقیدہ رہا ہے اور اِن شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت رہے گا۔

۱۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ)

خیر القرون کے اس عظیم اِمام، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا نہ صرف درست ہے بلکہ آپ ﷺ سے اِستمداد کرنا بھی جائز اور مشروع ہے انہوں نے اپنے شہرہ آفاق نعتیہ منظوم کلام ’’**قصیدۃ النعمان** (ص: ۲۰۰)‘‘ میں صراحت کے ساتھ حضور تاجدارِ کائنات ﷺ سے توسل و اِستمداد کیا ہے جس کا ایک مصرع یوں ہے:

لَم يَكُن لِأَبِي حَنِيفَةَ فِی الأَنامِ سِوَاكَ

(یا رسول اللہ! (میں آپ کے جود و عطا کا امیدوار ہوں اور) مخلوق میں ابوحنیفہ

کے لیے آپ کے سوا کوئی نہیں۔)

۲۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)

امام مالکؒ فقہاءِ اَربعہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کے حوالے سے صحیح سند کے ساتھ ایک واقعہ قاضی عیاضؒ (م ۵۴۴ھ) نے الشفا میں، علامہ سبکیؒ نے ''**شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام**'' میں، علامہ سمہودی نے ''**خلاصة الوفاء**'' میں، امام قسطلانی نے **المواهب اللدنية** میں، ابنِ جماع نے **هداية السالك** میں اور ابنِ حجر ہیتمی مکی نے **الجوهر المنظم** میں روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور (م ۱۵۸ھ) مدینہ منورہ آیا اور امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ میں زیارتِ قبرِ نبوی کے وقت دعا کرتے ہوئے اپنا رخ کعبہ کی طرف کروں یا حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف؟ امام مالکؒ نے جواب دیا:

ولِمَ تصرفُ وجهك عنه، وهو وسيلتك ووسيلة أبيك آدم عليه السلام إلى الله تعالى يوم القيامة؟ بل استبقله واستشفع به، فيشفّعك الله، قال الله تعالى: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِيْماًo﴾(1)

''(اے امیر!) تو حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے منہ کیوں پھیرتا ہے حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جدِّ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روزِ قیامت وسیلہ ہیں؟ بلکہ تو آپ ﷺ کی جانب متوجہ ہو، اور آپ ﷺ کی شفاعت کا طالب ہو کہ آپ ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے تیری شفاعت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر

(۱) قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی، ۲: ۵۹۶

ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتےo‘‘

۳۔ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ)

علامہ ابنِ حجر ہیتمی نے اپنی تصنیف لطیف ’’**الصواعق المحرقة علی أهل الرفض والضلال والزندقة** (ص: ۱۸۰)‘‘ میں امام شافعیؒ کا وہ شعر بھی نقل کیا ہے جس میں آپ نے اہلِ بیتِ نبوی کو وسیلہ بنایا ہے۔

شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) ’’**أشعة اللمعات شرح مشکاة المصابیح** (۲: ۹۲۳)‘‘ میں حضرت موسیٰ کاظمؒ کی قبرِ انور کے حوالے سے امام شافعیؒ کا درج ذیل قول نقل کرتے ہیں:

’’حضرت موسیٰ کاظمؒ کی قبرِ انور قبولیتِ دعا کے لیے تریاقِ مجرّب ہے۔‘‘

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ (م ۱۳۵۰ھ) نے ’’**شواهد الحق فی الاستغاثة بسید الخلق** (ص: ۱۶۶)‘‘ میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل، امام شافعی کو وسیلہ بناتے تھے۔

اِمام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’شام میں چالیس مرد اَبدال ہمیشہ موجود رہیں گے جن کے وسیلہ و برکت سے بارشیں برستی ہیں، دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور شام والوں سے عذاب دور ہوتا ہے۔‘‘[1]

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۲

۵۔ علامہ ابنِ جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ)

علامہ ابنِ جریر طبری نے آیتِ مبارکہ ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (۱) کی تفسیر میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ''یہودی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے تھے۔'' (۲)

۶۔ امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدیؒ (م ۳۳۳ھ)

امام ابو منصور ماتریدیؒ فقہ حنفی کے علاوہ علم الکلام اور علم الأصول کے بھی امام تھے۔ آپ نے آیت ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ (۳) کی تفسیر میں بیان کیا ہے: ''بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل یہود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے اللہ عزوجل سے مدد طلب کرتے۔'' (۴)

۷۔ امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)

امام طبرانیؒ نے ''**المعجم الأوسط** (۶: ۳۱۳، ۳۱۴، رقم: ۶۵۰۲)'' میں یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے مغفرت طلب کرنا بیان کیا ہے۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۸۹

(۲) طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱: ۳۲۵

(۳) البقرة، ۲: ۸۹

(۴) ماتریدی، تأویلات أهل السنة، ۱: ۷۰

۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)

امام بیہقیؒ نے ’’دلائل النبوۃ (۵: ۴۸۹)‘‘ میں حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے مغفرت طلب کرنا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی نقل کی ہے۔(۱) علاوہ ازیں اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۷ پر اور السنن الکبریٰ میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔(۲)

۹۔ علامہ عبد الرحمٰن ابنِ جوزیؒ (م ۵۹۷ھ)

علامہ عبد الرحمٰن ابنِ جوزیؒ نے الوفاء بأحوال المصطفی ﷺ کے پہلے باب میں حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ سے توسّل کرنا بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ ابنِ جوزیؒ نے یہود کا آپ ﷺ کے توسل سے فتح طلب کرنے والی روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔(۳)

۱۰۔ امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ)

اِمام فخر الدین رازیؒ آیۂ کریمہ ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾(۴) کی تفسیر میں یہود کا آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ عزوجل سے مدد و نصرت طلب کرنا بیان کیا ہے۔(۵)

---

(۱) بیہقی، دلائل النبوۃ، ۶: ۱۶۶، ۱۶۷

(۲) بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۳۵۲

(۳) ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ، ۱: ۴۴

(۴) البقرۃ، ۲: ۸۹

(۵) رازی، التفسیر الکبیر، ۳: ۱۸۰

۱۱۔ امام قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ)

امام قرطبیؒ نے الجامع لأحکام القرآن میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۴ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ کی تفسیر میں توسُّل کا ذکر کرتے ہوئے ایک اعرابی کا واقعہ بیان کیا ہے جس میں اس نے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کیا:

قد ظلمت نفسي و جئتك تستغفر لي ۔

''میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں کہ آپ اللہ سے میرے لیے مغفرت طلب کریں۔''

اِس پر اُسے قبرِ مبارک سے ندا دی گئی:

انه قد غفر لك ۔(۱)

''بے شک تجھے بخش دیا گیا ہے۔''

۱۲۔ اِمام ابو زکریا محی الدین بن شرف النوویؒ (م ۶۷۶ھ)

اِمام نوویؒ نے ''المجموع (۸: ۲۰۲)'' میں توسل بالنبی ﷺ اور آپ ﷺ کی قبرِ مبارک کے پاس کھڑے ہوکر اِستشفاع کے جواز پر عتبیؒ کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اِمام نوویؒ ''کتاب الأذکار'' کے باب الأذکار فی الاستسقاء میں ذات کے توسل کے جواز پر اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے ایسا آدمی ہو جس کا زہد و تقویٰ مشہور ہے تو اس کی ذات کے وسیلہ سے بارش طلب کیا کرو اور

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۲۶۵

یوں دعا مانگا کرو:

''اے اللہ! ہم تیرے فلاں مقبول بندہ کے وسیلہ سے بارش اور شفاعت طلب کرتے ہیں جس طرح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب فرمائی اور امام بخاری نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت معاویہ اور دیگر اہلِ خیر وتقویٰ کے وسیلہ سے بارش کرنا ثابت ہے۔''(۱)

۱۳۔ امام عبد اللہ بن محمود النسفیؒ (م ۷۱۰ھ)

امام ابو البرکات عبد اللہ بن محمود النسفیؒ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں احناف کے معروف فقیہ اور مفسر گزرے ہیں۔ آپ تفسیر ''مدارك التنزيل وحقائق التأويل'' کے علاوہ ''منار الأنوار'' اور ''كنز الدقائق'' جیسی علمی وفنی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ آپ اپنی تفسیر میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۸۹ ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ کے تحت یہود کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''یہود جب اپنے دشمنوں سے لڑتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور فتح یابی کی دعا کرتے تھے۔''(۲)

۱۴۔ شیخ ابنِ تیمیہ (م ۷۲۸ھ)

شیخ ابنِ تیمیہ نے مسئلہ توسل پر اپنی کتاب ''قاعدة جليلة فى التوسُّل والوسيلة'' میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اِرشاد يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ(۳) کے تحت کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور

(۱) نووی، کتاب الأذکار: ۱۴۰

(۲) نسفی، مدارك التنزيل وحقائق التأويل، ۱: ۱۰

(۳) المائدة، ۵: ۳۵

آپ ﷺ کی اتباع کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ پر ایمان کی وجہ سے یہ وسیلہ ہر اُمتی پر ہر حال میں ظاہراً و باطناً، آپ ﷺ کی حیات میں اور وفات کے بعد، موجودگی و غیبوبت میں فرض ہے۔ حجت قائم ہونے کے بعد کسی بھی حال میں کسی بھی اُمتی سے آپ ﷺ پر ایمان و اطاعت کی وجہ اور کسی بھی عذر کی وجہ سے توسل ساقط نہیں ہوتا۔ اللہ ﷻ کی رحمت تک پہنچنے کے لئے اور اس کے عذاب سے بچنے کے لئے صرف اور صرف آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اطاعت کو وسیلہ بنانے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔‘‘(۱)

ایک مرتبہ شیخ ابنِ تیمیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

الحمد لله! أما التوسّل بالإيمان به ﷺ و محبته و طاعته و الصّلاة و السّلام عليه و بدعائه و شفاعته ونحو ذلك مما هو من أفعاله وأفعال العباد المأمور بها في حقه فهو مشروع باتّفاق المسلمين۔(۲)

’’الحمد للہ! حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی اطاعت، آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام، آپ ﷺ کی دعا و شفاعت اور اسی طرح آپ ﷺ کے افعال اور حضور نبی اکرم ﷺ کے حق میں بندوں کے وہ احکام جو ان پر واجب قرار دیے گئے ہیں، کو وسیلہ بنانا تمام مسلمانوں کے اتفاق سے مشروع ہے (جس پر کسی کا بھی اختلاف نہیں)۔‘‘

(۱) ابن تيمية، قاعدة جليلة فى التوسُّل والوسيلة: ۵، ۶

(۲) ابن تيمية، الفتاوى الكبرىٰ، ۱: ۱۴۰

شیخ ابنِ تیمیہ مزید لکھتے ہیں:

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسّل کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ مبارک کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی توسّل کیا جس طرح وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسّل کیا کرتے تھے۔‘‘(۱)

۱۵۔ علامہ تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ)

علامہ تقی الدین سبکیؒ نے ’’شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام‘‘ میں بالتفصیل توسّل کے جواز پر بحث کی ہے۔(۲)

۱۶۔ حافظ عماد الدین ابنِ کثیرؒ (م ۷۷۴ھ)

۱۔ اِمام ابنِ کثیرؒ نے ’’تفسیر القرآن العظیم‘‘ میں سورۃ النساء کی آیت: ۶۴ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِيْماً﴾ کی تفسیر میں مسئلہ توسّل کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے عتبی کی اُس روایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جس میں ایک اعرابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک پر شفاعت کی درخواست لے کر آیا تھا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے اور خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی عرض کرنا چاہیے کہ آپ ہمارے لئے دعا کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً

(۱) ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱: ۱۴۰

(۲) سبکی، شفاء السقام في زيارة خير الأنام: ۱۶۱

اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع فرمائے گا، انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔(۱)

۲۔ امام ابنِ کثیرؒ نے ''البدایة و النہایة'' میں حضرت آدم علیہ السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور اس روایت پر موضوع ہونے کا کوئی حکم نہیں لگایا۔(۲)

۳۔ انہوں نے ''البدایة والنہایة'' میں اس آدمی کا واقعہ بھی بیان کیا ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک پر آ کر بارش کے لیے آپ ﷺ کو وسیلہ بناتا ہے۔ اور اس روایت کو صحیح کہا ہے۔(۳)

۴۔ اس کے علاوہ اسی کتاب میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جنگِ یمامہ میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ ''**یا محمداہ** (اے محمد! مدد فرمایئے)'' تھا۔(۴)

۱۷۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ)

امام ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ''الإصابة فی تمییز الصحابة (۳: ۴۸۴)'' اور ''فتح الباری بشرح صحیح البخاری'' میں اس شخص کا واقعہ ذکر کیا ہے جو حضور ﷺ کی قبرِ انور پر توسُّل کے لیے حاضر ہوا۔ حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ - **اللّٰھمَّ إِنَّا کنّا نَتوسَّلُ إلیکَ بنبیّنا فتسقِینا، وَإِنَّا نتوسَّلُ إلیکَ بعَمِّ نبیِّنا فاسقِنا. قال: فیُسقَونَ**(۵) - کے ذیل

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۶۹۱
(۲) ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۱: ۱۳۱
(۳) ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۵: ۱۶۷
(۴) ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۵: ۳۰
(۵) بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر عباس بن عبدالمطلب، ۳: ۱۳۶۰، رقم: ۳۵۰۷

میں امام بیہقی کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جاء رجل أعرابي إلى النّبي ﷺ فقال: يا رسول الله! أتيناك وما لنا بعير يئط، ولا صبي يغط. ثم أنشده شعرًا يقول فيه:

وليس لنا إلا إليك فرارنا
وأين فرار الناس إلا إلى الرسل[1]

''ایک اعرابی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے درآنحالیکہ نہ ہمارے پاس کوئی اُونٹ تھا جو دوڑتا ہوا آتا اور نہ کوئی بچہ تھا جو بلبلاتا ہوا آتا۔ پھر اُس نے یہ شعر پڑھا:

(ہماری آپ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں اور (ہدایت کے طالب) لوگ انبیاء کے علاوہ بھاگ کر کہاں جاسکتے ہیں۔)

۱۸۔ علامہ بدر الدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ)

علامہ بدر الدین عینیؒ نے ''عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (۷: ۳۰)'' میں حضرت ابو طالب کے قصیدہ لامیہ کے اس شعر

وأبيضُ يُسْتَسقَى الغمامُ بوجهِهِ
ثِمالُ اليَتَامىٰ عِصمةٌ لِلأرامِلِ

(وہ روشن چہرے والے کہ جن کے چہرہ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے، جو یتیموں کے ملجا اور بیواؤں کے فریادرس ہیں۔)

کی تشریح کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل کا جواز ثابت کیا ہے۔

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ۲: ۴۹۵، ۴۹۶

۱۹۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)

علامہ سیوطیؒ نے حضرت آدم علیہ السلام کی حضور نبی اکرم ﷺ سے توسُّل والی روایت ''الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور (۱: ۵۸)'' اور ''الخصائص الکبریٰ (۱: ۶)'' کے علاوہ ''الریاض الانیقۃ فی شرح أسماء خیر الخلیقۃ'' میں بھی بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۹ ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں یہود کا آپ ﷺ کے وسیلہ سے اپنے دشمنوں پر فتح یابی کی دعا کرنا بھی بیان کیا ہے۔(۱)

۲۰۔ اِمام اَحمد بن محمد شہاب الدین القَسطلانیؒ (م ۹۱۱ھ)

علامہ قسطلانیؒ نے ''المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ (۲: ۲۶۷)'' میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ''انبیاء کرام، اَولیاء اللہ اور مقربین کی برکت سے بارانِ رحمت ہوتی ہے اور مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔''

۲۱۔ ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ)

ملا علی قاریؒ نے ''الحرز الثّمین (ص: ۱۷۶)'' میں توسُّل کے جواز پر تفصیلا لکھا ہے۔ وہ ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح'' میں مسند احمد بن حنبل کی روایت - الأبدال یکونون بالشّام(۲) - کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أی ببرکتھم أو بسبب وجودھم فیما بھم یدفع البلاء عَنْ

(۱) سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۱: ۲۱۷

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۲

هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔[1]

''ابدال کی برکت یا ان کے وجودِ مسعود کے سبب - جس علاقہ میں وہ ہوتے ہیں - اُمتِ محمدیہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔''

۲۲۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (م ۱۱۷۴ھ)

محدّثِ ہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان اکابر اولیاء اور اسلاف میں سے ہیں جو اپنی خداداد بصیرت و معرفت کے باعث بہت سے باطنی حقائق کو نہ صرف بچشمِ سر دیکھتے تھے بلکہ انہیں اِعلانیہ بیان بھی کر دیتے تھے۔ آپ نے اپنے مشاہدات پر مشتمل ''فیوض الحرمین'' کے نام سے جو بے مثال کتاب تصنیف کی ہے، اس میں توسّل و استمداد پر مشتمل کئی مکاشفات اور روایات کے ذریعہ اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔[2]

۲۳۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ)

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ اُن اَجل علماء میں سے ہیں جنہیں تمام مکاتبِ فکر اپنے اکابرین میں تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے آیت کریمہ ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾[3] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ''یہود حضور ﷺ کی آمد سے قبل اپنے دشمنوں پر فتح پانے کے لیے آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں اِلتجاء کرتے تھے۔''[4]

(۱) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ۱: ۴۶۰
(۲) شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین: ۸۲
(۳) البقرہ، ۲: ۸۹
(۴) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، تفسیر عزیزی: ۳۲۹

۲۴۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی (م ۱۲۴۶ھ)

شاہ اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب ''صراط مستقیم'' میں شیخ اور مرشد کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا ہے۔ وہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾[1] کے تحت وسیلہ سے مراد مرشد کی رہنمائی لیتے ہیں۔[2]

۲۵۔ علامہ محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ)

قاضی شوکانی نے اپنی کتاب تحفة الذاکرین میں حدیثِ عثمان بن حنیفؓ اور حدیثِ اِستسقاء سے حضور ﷺ اور صالحین کو وسیلہ بنائے جانے پر اِستدلال کیا ہے۔[3] علامہ شوکانی حضور نبی اکرم ﷺ سے آپ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد دونوں حالتوں میں توسّل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ [4]

۲۶۔ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ (م ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابنِ عابدین شامیؒ ان اکابر علماء اور فقہاء میں سے ہیں جن کی ذہانت و فطانت اور فقہی مہارت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ''رد المحتار علی الدر المختار'' ان کا عظیم علمی و تحقیقی کارنامہ ہے جس میں غوّاصی، تبحر علمی اور تحقیقی بصیرت کی متقاضی ہے۔ جب علامہ شامی نے اتنے بڑے علمی و فقہی کام کی تکمیل کا ارادہ کیا تو اپنی دماغی قابلیت اور صلاحیت پر بھروسہ کرنے کی بجائے بارگاہِ ایزدی میں حضور تاجدار کائنات ﷺ، مقربینِ اِلٰہی اور حضرت امام اعظمؒ کا وسیلہ پیش کیا۔[5]

(۱) المائدة، ۵: ۳۵

(۲) اسمعیل دہلوی، صراطِ مستقیم: ۵۸

(۳) شوکانی، تحفة الذاکرین: ۳۷

(۴) شوکانی، الدر النضید في إخلاص کلمة التوحید: ٦

(۵) ابن عابدین شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ۱: ۴

۲۷۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ)

نواب وحید الزمان توسل بالنبی ﷺ کے شرک نہ ہونے کی دلیل دیتے ہوئے نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علامہ بھوپالی یا سیدی یا عروتی و وسیلتي کے الفاظ سے حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل کرتے تھے۔(۱)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی حدیثِ ربیعہ بن کعب - فقال لي: سل، فقلت: أسئلك مرافقتك فی الجنة ...... الخ (۲) - کی شرح کرتے ہوئے ''مسك الختام شرح بلوغ المرام'' میں لکھتے ہیں:

> ''(اس حدیث میں) مطلقاً فرمایا کہ مانگو اور کسی خاص مقصد کی تعیین نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کام حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس اور آپ ﷺ کی ہمتِ کرم سے وابستہ ہیں، جو کچھ چاہیں اور جسے چاہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔''(۳)

۲۸۔ علامہ وحید الزمان (م ۱۳۲۷ھ)

معروف غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان نے ''هدية المهدى من فقه المحمدى'' میں توسل بعد اَز وصال جائز قرار دیا ہے۔(۴)

---

(۱) وحيد الزمان، حاشية هدية المهدى: ۲۰

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الصّلاة، باب فضل السجود والحث عليها، ۱: ۳۵۳، رقم: ۴۸۹

(۳) بهوپالی، مسك الختام شرح بلوغ المرام، ۱: ۲۸٦

(۴) وحيد الزمان، هدية المهدى من فقه المحمدى: ۴۷-۴۹

۲۹۔ مولانا خلیل احمد سہارن پوری (م ۱۳۴۶ھ)

مولوی خلیل احمد سہار نپوری ''حسّام الحرمین'' کے ردّ میں لکھے گئے اپنے رسالہ ''المهند علی المفند'' میں عقائد علمائے دیو بند بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء، صلحاء، اَولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل ان کی حیات میں یا بعد اَز وفات جائز ہے۔''(۱)

۳۰۔ مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ)

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے ''تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی'' میں توسل کے جواز پر مختلف علماء کے اِقتباسات نقل کیے ہیں۔(۲)

۳۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ)

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب ''نشر الطیب'' میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نورِ سرمدی کی برکات و اعجازات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں سب کی پیشانیوں میں اس نور کی جلوہ پاشی صاف طور پر محسوس کی جا سکتی تھی۔ آپ ﷺ ہی کا نورِ لم یزل حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کا سبب بنا، حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات دلانے کا سبب یہی نور تھا اور اسی نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کو گل و گلزار میں بدل دیا۔ اس کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب کی اڑتیسویں (۳۸) فصل کا نام ہی ''دعا کے وقت آپ ﷺ سے توسُّل حاصل کرنا'' رکھا ہے۔ اس فصل میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

(۱) خلیل أحمد سهارن پوری، المهند علی المفند: ۳۱

(۲) مبارک پوری، تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی، ۱۰: ۲۵

''اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسُّل کسی کی دعا کا جائز ہے، اسی طرح توسُّل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔''(۱)

۳۲۔ علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ)

علامہ شبیر احمد عثمانی ''تفسیر عثمانی'' میں إياك نستعين کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ کے مقبول و مقرب بندوں کو غیر مستقل اور محض واسطۂ رحمتِ الٰہی سمجھ کر اُن سے اِستعانتِ ظاہری کی جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ استعانت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ **ہاں اگر مقبول بندے کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے۔ تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔**''(۲)

حرفِ آخر

گزشتہ صفحات میں 'توحید اور توسل'' پر مختلف عناوین سے ہم نے قرآن و حدیث اور اکابر آئمہ اُمت کے معمولات و اقوال کی روشنی میں ٹھوس دلائل سے واضح کر دیا کہ توسُّل ایک درست، جائز اور شرعی طریقہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو وسیلہ بنانا اور ان سے توسُّل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین، تبع تابعین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں اور ائمہ کا معمول رہا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص توسُّل و وسیلہ کا انکار کرے اور اسے شرک و بدعت قرار دے تو اسے حضور نبی اکرم ﷺ کا وہ فرمان مدنظر رکھنا چاہیے جس میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمیع اُمت میں بہترین

(۱) تھانوی، نشر الطیب، فصل نمبر: ۳۸

(۲) شبیر احمد، تفسیر عثمانی، ۱: ۵۲

قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم۔(۱)

’’سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے مستفاد یہ اَمر قابل غور ہے کہ کیا منکرینِ توسُّل کے مقابلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں اور ائمہ کا عمل ترجیح نہیں پائے گا؟ بدقسمتی سے آج ہم نے قرآن و حدیث پر مبنی صریح دینی احکام و تعلیمات کو بھی اپنی طبیعت اور مسلک کے تابع کر دیا ہے۔ جو بات ہماری طبیعت اور خاص مسلکی ذوق کی تسکین کا باعث ہو، وہ دین ہے جبکہ اس کے علاوہ اگر کوئی امرِ دینی صحیح اور ثقہ روایات سے ثابت ہو لیکن ہماری طبیعتوں اور مسلک سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو ہم اسے دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جملہ عقائد و اعمال کو افراط و تفریط سے ہٹ کر دین کی حقیقی روح کے ساتھ سمجھا جائے، تاکہ اللہ رب العزت کے حضور ہمیں دنیا و آخرت میں سرخروئی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

(۱) ا۔ بخاری، الصحيح، كتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد، ۲: ۹۳۸، رقم: ۲۵۰۹

بابِ دوم

توحید اور شفاعت

فصل اَوّل

تصورِ شفاعت

شفاعت اَمرِحق اور نورِتوحید ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور نبی اکرم ﷺ کی امت پر عظیم انعام ہے۔ شفاعتِ رسول ﷺ کے طفیل عذابِ جہنم کے مستحق خطا کار و گنہگار بخشش و مغفرت کا پروانہ حاصل کر کے جنت کے حق دار ٹھہریں گے۔ قرآن و حدیث کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ روزِ قیامت انبیاء علیھم السلام اور صالحین شفاعت فرمائیں گے جبکہ شفاعتِ کبریٰ کے منصبِ جلیلہ پر رسولِ اکرم ﷺ فائز ہوں گے، جسے قرآن حکیم نے مقامِ محمود سے تعبیر کیا ہے۔ یہ منصب آپ ﷺ کے مہتم بالشان اعزازات و کرامات، بلند مرتبہ فضائل و خصائص اور نمایاں امتیازات میں سے ایک ہے۔

شفاعت کا لغوی معنی

امام راغب اصفہانیؒ نے شفاعت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

الشَّفَاعَةُ الانْضِمَامُ إِلى آخَرَ نَاصِرًا لَـهُ وَسَائِـلًا عَنْهُ (۱)

''کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح ملا لینا کہ دوسری چیز اس کی مدد کرے اور پہلی اس سے سوال کرے یہی شفاعت ہے۔''

شفاعت میں مطلقاً ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کا مفہوم پایا جاتا ہے، لفظِ شفاعت میں ہی شفیع کا سائل کی مدد و نصرت کرنے اور سائل کا شفیع سے سوال و التجا کا مفہوم بھی موجود ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ اس کی تصریح ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

---

(۱) راغب، المفردات فی غریب القرآن: ۲۶۳

وَأَكْثَرُ مَا يُسْتَعْمَلُ فِي انْضِمَامِ مَنْ هُوَ أَعْلَى حُرْمَةً وَمَرْتَبَةً إِلَى مَنْ هُوَ أَدنَى۔[1]

’’لفظِ شفاعت کو عام طور پر مرتبہ و مقام میں بلند درجہ شخص کو اس سے کم درجہ شخص کے ساتھ ملانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔‘‘

پس لفظِ شفاعت دونوں کو آپس میں اس طرح ملا دیتا ہے کہ کم حیثیت والا زیادہ حیثیت والے سے التجا و سوال کرنے والا اور زیادہ حیثیت والا کم حیثیت والے کی مدد کرنے والا بن جاتا ہے۔

تصورِ شُفعہ

یہاں یہ چیز قابلِ ذکر ہے کہ لفظِ ’’شُفْعه‘‘ بھی ’’شَفْعٌ‘‘ سے نکلا ہے۔ اس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

الشُّفْعَةُ: هُوَ طَلَبُ مَبِيعٍ فِي شَرْكَتِهِ بِمَا بِيعَ بِهِ لِيَضُمَّهُ إِلَى مِلْكِهِ وَهُوَ مِنَ الشَّفْعِ۔[2]

’’شفعہ سے مراد فروخت شدہ چیز کو اپنی شرکت کی بنا پر طلب کرنا ہے تاکہ وہ اس کی مِلک میں شامل ہو جائے اور یہ لفظ شَفْعٌ سے نکلا ہے۔‘‘

پس معلوم ہوا کہ شفعہ میں بھی شفاعت اور شفع کی طرح باہمی شراکت اور ملانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۱) راغب، المفردات فی غریب القران: ۲۶۳

(۲) راغب، المفردات فی غریب القرآن: ۲۶۳

شفاعت کا حقیقی تصور

شفاعت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یہ اعزاز اور مقام عطا فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے خطا کار بندوں کی شفاعت کریں گے، اور وہ ذاتِ کریم اپنے بے پایاں فضل سے گنہگار بندوں کے حق میں اپنے خاص بندوں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ شفاعتِ کبریٰ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ روزِ محشر حساب و کتاب جلدی شروع فرمائے گا اور اسے آسان کر دے گا اور اس طرح شفاعت کے باعث ہی گنہگار بندوں کی بخشش و مغفرت فرما کر ان کو اپنی رضا اور جنت عطا فرمائے گا۔

شرائطِ شفاعت

قیامت کے روز شفاعت کے نفع بخش ہونے کے لئے مندرجہ ذیل چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ قدرة الشافع علی الشفاعة: آخرت میں شفاعت کی قبولیت اور اس کی نفع بخشی کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا شفاعت پر قدرت رکھتا ہو یعنی اگر کسی کو شفاعت کرنے کا اختیار ہی نہیں تو صاف ظاہر ہے وہ شفاعت نہیں کر سکے گا۔

۲۔ اسلام المشفوع له: شفاعت کی قبولیت کی ایک شرط یہ ہے کہ جس کے حق میں شفاعت کی جا رہی ہے وہ مسلمان ہو۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں بھی شفاعت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد یہی ہے کہ کفار و مشرکین کے لئے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے، کسی ایک جگہ بھی اہلِ ایمان کے لئے شفاعت کی نفی نہیں ہوئی۔

۳۔ الإذن للشافع: شفاعت کی قبولیت کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ شفاعت

کرنے والے کو شفاعت کرنے کا اذن مل چکا ہو یعنی وہ ماذون ہو تبھی اس کی شفاعت بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو گی اس پر قرآن حکیم کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔

۴۔ الرضا عن المشفوع له: قبولیتِ شفاعت کی چوتھی شرط یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا جس شخص کی شفاعت کرنا چاہتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کے بارے میں راضی ہی نہیں کہ اس کی شفاعت کی جائے تو یہ ظاہر و باہر ہے کہ اس سے متعلق شفاعت کی قبولیت ناممکن ہوگی کیونکہ شفاعت کرنے والے کو شفاعت کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ اس پر بھی قرآن حکیم کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں کہ شفاعت اسی کے حق میں مقبول ہوگی جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

شفاعت کا شرعی ثبوت

اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت قرآن کی متعدد نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ شفاعت کے باب میں اذن پر تو بحث ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔[1]

”کون ایسا شخص ہے جو اس کے حضور اس کے اِذن کے بغیر سفارش کر سکے۔“

امام خازن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمعنى لا يشفع عنده أحد إلا بأمره وإرادته، و ذالك لأن المشركين زعموا أن الأصنام تشفع لهم فأخبر أنه لا شفاعة

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۵

لأحد عنده إلا ما استثناه بقوله إلا بإذنه، يريد بذالك شفاعة النبی ﷺ وشفاعة بعض الأنبياء والملائكة وشفاعة المؤمنين بعضهم لبعضٍ۔(۱)

’’آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بغیر اُس کے امر اور ارادہ کے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ یہ اس لئے کہ مشرکین کا گمان تھا کہ بت ان کی شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی شفاعت نہیں سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے (اِلَّا بِاِذْنِہٖ) کے ساتھ مستثنیٰ کر دیا ہے، اس سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ، بعض انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ اور مقرب مومنین (اولیاء اللہ) کی دوسرے مومنین کی شفاعت ہے۔‘‘

لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو روزِ قیامت شفاعتِ عظمیٰ کے منصبِ جلیلہ پر فائز فرمائے گا۔ یہ انعامِ عظیم امتِ مرحومہ پر ضرور ہوگا جبکہ کفار و مشرکین اس سے محروم رہیں گے۔

سفارش کو شفاعت پر قیاس کرنا درست نہیں

بعض لوگ دنیاوی معاشرے میں سفارش کا تصور ذہن میں رکھ کر شفاعت کی نفی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کی سفارش نہیں چلتی۔ جہالت کی بنیاد پر یہ لوگ دراصل دین کو بدنام کر رہے ہیں۔ عام سادہ لوح مسلمان جس کو دین کا فہم نہیں اس کے ذہن میں صرف یہ بات بٹھائی جاتی ہے کہ سفارش ایک ایسا ناپسندیدہ عمل ہے جو کرپشن کی بنیاد پر استحقاق اور میرٹ کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ یاد رہے کہ سوچنے کا یہ پیمانہ دنیا میں تو رائج ہے لیکن اخروی زندگی میں کام نہیں آتا۔ سفارش کا یہ غلط تصور دراصل ہمارے ماحول کی پیداوار ہے۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ دنیا میں اپنے اثر و رسوخ

(۱) خازن، لباب التأويل فی معانی التنزيل، ۱: ۲۰۱

کی وجہ سے نااہل لوگ اعلیٰ منصب پر فائز ہو جاتے ہیں جبکہ اصل مستحقین سفارش نہ ہونے کی وجہ سے رہ جاتے ہیں۔ نالائق اور کم نمبر حاصل کرنے والے طلباء سفارش کی وجہ سے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے کے مستحق قرار پاتے ہیں جبکہ میرٹ پر پورا اترنے والے طلبا سفارش نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کے حصول سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ شعور اور علم و آگہی کے فقدان کی وجہ سے یہ نادان اور بے شعور لوگ قرآن میں مذکور شفاعت کو اسی دنیوی زاویے سے دیکھتے ہیں۔

سفارش کے ماحول میں پلنے بڑھنے والے جب یہ دیکھتے ہیں کہ سارا نظام ناجائز سفارش کے گرد چل رہا ہے تو 'سفارش' کا لفظ انہیں 'گالی' لگتا ہے۔ ان کی نظر میں سفارش کرنا اور کروانا تو کرپٹ لوگوں کا کام ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو نظام ہے اس میں سفارش کا کوئی عمل دخل نہیں۔ جب بعض لوگوں نے یہ بات کہہ دی کہ ''اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی سفارش نہیں اور یہ صرف ہمارے ہاں چلتی ہے۔'' سننے والے کو یہ بات پسند آ گئی اور قرآن کا حوالہ دے کر اس بات کی تائید بھی کر دی گئی اس طرح جہالت کی بنا پر انکارِ شفاعت کا ایک غلط عقیدہ بن گیا، جہالت کی بنیاد پر ایسے لوگ دراصل دین کو بدنام کر رہے ہیں، وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ جن آیات کا سفارش اور شفاعت کے باب میں حوالہ دیا جاتا ہے وہ کفار و مشرکین کے لئے ہیں۔ اہلِ ایمان کے لئے ہیں ہی نہیں۔ قرآن میں شفاعت کا وہ تصور نہیں جو بعض سادہ لوح مسلمان اپنے دل میں بٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر اس بات کو علماء دلائل کے ساتھ سمجھا دیں تو پھر اس طرح کا مغالطہ پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رہے گا۔

شفاعت کا تین نکاتی ضابطہ

عالم آخرت میں سفارش و شفاعت کے حوالے سے تین نکاتی قرآنی ضابطہ اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیتا ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں سفارش اور شفاعت کی نفی آئی ہے وہ کفار و مشرکین اور مجرم لوگوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ ؕ(۱)

''اور آپ ان کو قریب آنے والی آفت کے دن سے ڈرائیں جب ضبطِ غم سے کلیجے منہ کو آئیں گے۔ ظالموں کے لئے نہ کوئی مہربان دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائےo''

فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ ؕ(۲)

''سو (اب) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں (یعنی مجرموں کو) کوئی نفع نہیں پہنچائے گیo''

۲۔ کفار و مشرکین جن بتوں اور معبودانِ باطلہ کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کریں گے وہ تو خود دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ قرآن حکیم میں ان بتوں کی سفارش کی نفی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَ لَا يَنۡفَعُهُمۡ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ؕ(۳)

''اور (مشرکین) اللہ کے سوا ان (بتوں) کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا

(۱) المؤمن، ۴۰: ۱۸
(۲) المدثر، ۷۴: ۴۸
(۳) یونس، ۱۰: ۱۸

سکتے ہیں اور نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور (اپنی باطل پوجا کے جواز میں) کہتے ہیں کہ یہ (بت) اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں، فرما دیجئے: کیا تم اللہ کو اس (شفاعتِ اصنام کے من گھڑت) مفروضہ سے آگاہ کر رہے ہو جس (کے وجود) کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں (یعنی اس کی بارگاہ میں کسی بت کا سفارش کرنا اس کے علم میں نہیں ہے) اس کی ذات پاک ہے اور وہ ان سب چیزوں سے بلند و بالا ہے جنہیں یہ (اس کا) شریک گردانتے ہیںo‘‘

مشرکینِ مکہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام میں شفاعت حق ہے لہٰذا اپنے اس مشرکانہ فعل کے جواز کے لئے یہ دلیل پیش کرتے کہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآئُنَا عِنْدَاللهِ (یہ بت اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں)۔ اللہ رب العزت نے کفار و مشرکین کے اس باطل عقیدے کی نفی فرمائی اور شرک کے جواز کے لئے شفاعت جیسے جائز امر شرعی کو بطور دلیل رد فرما دیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت کا کوئی تصور نہیں، اُس کے اذن کے بغیر نہ شفاعت کسی کو فائدہ دے گی اور نہ ہی کسی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر سفارش کی جرأت ہوگی۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اذنِ الٰہی کے بغیر نہ کوئی شفاعت کر سکے گا اور نہ ہی کسی کو شفاعت کا حق حاصل ہو گا۔ اذنِ شفاعت سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو کافر، مشرک اور ظالم ہیں۔ اس استثناء سے ثابت ہے کہ انبیاء، اولیاء اور صالحین کو شفاعت کا حق دیا جائے گا اور انہیں شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی۔ یہی احباب ماذون الشفاعۃ ہیں جن کو شفاعت کا اذن دیا گیا ہے اور جن کی شفاعت بارگاہِ الٰہی میں قبول بھی ہوگی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًاo[1]

---

(۱) طٰهٰ، ۲۰: ۱۰۹

’’اس دن سفارش سود مند نہ ہوگی سوائے اس شخص (کی سفارش) کے جسے (خدائے) رحمٰن نے اذن (و اجازت) دے دی ہے اور جس کی بات سے وہ راضی ہوگیا ہے (جیسا کہ انبیاء و مرسلین، اولیاء، متقین، معصوم بچوں اور دیگر کئی بندوں کا شفاعت کرنا ثابت ہے)o‘‘

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہو کوئی شخص بھی سفارش اور شفاعت نہیں کر سکتا۔ اس کی سادہ سی مثال یوں ہے جیسے کہا جائے ’’کوئی کرکٹ میچ نہیں دیکھ سکتا سوائے ٹکٹ ہولڈرز کے‘‘ یہ استثناء کی ایک واضح مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے استثناء کی شق کلمۂ توحید میں بھی اپنی ذات کے لئے رکھی ہے باقی چیزوں کا تو ذکر ہی درکنار۔ اس نے تو اپنی توحید، الوہیت اور معبودیت کو بھی استثناء (exemption) کے پردے میں رکھا ہے۔ جب ہم کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں تو آغاز ہی میں معبود کی نفی کرتے ہیں: لَا اِلٰـهَ بظاہر اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں، اب اگر کوئی بدبخت معاذ اللہ انہی الفاظ کو بار بار دہرا کر گمراہ ہو جائے کہ دیکھو کلمہ طیبہ کے الفاظ ہیں کہ کوئی معبود نہیں تو کوئی بھی صاحبِ ایمان شخص ہرگز اس کی بات کو تسلیم نہیں کرے گا کیونکہ اس کلمہ طیبہ کا تقاضا یہ ہے کہ پورے کلمہ کو دہرائے اور اس کے مکمل سیاق وسباق پر اپنے ایمان کی بنیاد رکھے اور اس پر عقیدہ کو پختہ کرے لہٰذا جب کلمہ استثناء اِلَّا لگ جائے تو پھر عقیدہ صحیحہ کی خود بخود وضاحت ہو جاتی ہے کہ لَا اِلٰـهَ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کوئی معبودِ برحق نہیں اِلَّا الله سوائے اللہ تعالیٰ کے، یوں التباس رفع ہوجاتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں شفاعت کی مطلقاً نفی نہیں بلکہ شفاعت کا اثبات و وجوب اس کے استثناء کی شق کے ساتھ موجود ہے۔

بدقسمتی سے دین کا پرچار کرنے والے بعض لوگوں کے فہم دین کا یہ عالم ہے کہ ایک سادہ سی بات کو بھی الجھا دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان آیات تک محدود کر لیتے ہیں جن میں شفاعت کی نفی ہے۔ وہ یہ جاننے کی زحمت ہی نہیں کرتے کہ یہ نفئ شفاعت

دراصل اصنام، طواغیت، معبودانِ باطلہ اور کفار و مشرکین کے لئے ہے۔ وہ ایسا کرتے ہوئے ان درجنوں آیات کو بھول جاتے ہیں جو شفاعت کی تصدیق کرتی ہیں اور جن میں شفاعت کا جواز و اثبات بھی ہے۔

عقیدۂ شفاعت ایسا مسلمہ عقیدہ ہے جس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے انبیاء، اولیاء، ماہِ رمضان، قرآن، نیک اعمال اور چھوٹے بچے سب ماذون الشفاعۃ ہیں۔ اس طرح نمازِ جنازہ میں بھی شفاعت کی دعا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سوائے فوت شدہ معصوم بچوں کے، ہر ایک کے لئے مغفرت کی دعا کی جاتی ہے، کیونکہ ان معصوم بچوں کو دعا میں شفاعت کا وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ دعا کے الفاظ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا

''اے اللہ! اس بچے کو ہمارے حق میں شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا جانے والا بنا دے۔''

جو شفاعت کا انکار کرتے ہیں وہ بھی جنازوں میں بچوں کے لئے یہی دعا پڑھتے ہیں جو اِلَّا بِاِذْنِهٖ کی استثنائی شق (exceptional clause) میں سکھلائی گئی ہے۔

اِذنِ شفاعت اور اِذنِ کلام کی ایک تمثیل سے وضاحت

بعض لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ یومِ قیامت عین موقع پر اذنِ شفاعت دیا جائے گا، اس سے قبل یہ حق کسی کو نہیں دیا گیا اور اگر اس سے پہلے حقِ شفاعت مانا جائے تو یہ شرک ہے۔ یہ اعتراض بالکل لغو، باطل اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرک جزوی ہو یا کلی، ایک لمحے کے لئے ہو یا عمر بھر کے لئے، اس دنیا میں ہو یا قیامت کے دن، تمام صورتوں میں کبھی بھی جائز نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی امر اس دنیا میں تا قیامت شرک رہے اور اخروی زندگی میں جب اس پر جزا و سزا کا وقت آئے تو

جائز ہو جائے۔ امرِ شفاعت کفار و مشرکین کے لئے ممنوع ہے، ان کے حق میں کسی کی شفاعت بارگاہِ خداوندی میں قبول نہیں کی جائے گی جبکہ اہلِ ایمان وہ چاہے کتنے گناہگار ہوں ان کے حق میں شفاعت مقبول ہوگی۔ اس عقیدے کو کوئی شرک پر محمول نہیں کرسکتا۔ روزِ قیامت اذنِ کلام بارگاہِ الٰہی اور آدابِ شفاعت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندوں کو حاصل ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ۔ (۱)

’’(جس دن) کوئی لب کشائی نہ کر سکے گا، سوائے اس شخص کے جسے (خدائے) رحمان نے اذن (شفاعت) دے رکھا تھا۔‘‘

اِذنِ کلام کی یہ مثال کمرۂ عدالت کے وکلاء کی سی ہے کہ صرف انہیں جج کے سامنے پیش ہوکر بولنے کی اجازت ہوتی ہے۔ باری آنے پر جج اُن وکلاء سے کہتا ہے کہ اب بولیں۔ جج کی اجازت کے بغیر کوئی وکیل عدالت میں اپنے موکل کا موقف بیان نہیں کرسکتا لیکن اختیار و اجازت تفویض ہو چکا ہوتا ہے۔

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا سے غلط اِستدلال کی تردید

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کے لئے جائز نہیں بطورِ دلیل معترضین اس ارشادِ باری تعالیٰ کا حوالہ دیتے ہیں:

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَo (۲)

’’فرما دیجئے: سب شفاعت (کا اِذن) اللہ ہی کے اختیار میں ہے (جو اس نے

(۱) النباء، ۷۸: ۳۸

(۲) الزمر، ۳۹: ۴۴

اپنے مقرّبین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے)، آسمانوں اور زمین کی سلطنت بھی اسی کی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے o''

معترضین آیت کا مفہوم سمجھنے میں ٹھوکر کھا گئے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے۔ آیتِ مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ کفار و مشرکین جسے چاہیں شفیع نہیں بنا سکتے بلکہ شفاعت کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اذنِ شفاعت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اذنِ شفاعت سے محروم کر دیتا ہے کوئی اپنی مرضی سے کسی کو شفیع نہیں بنا سکتا۔

طلبِ شفاعت پر علامہ ابنِ تیمیہ کا موقف

عصرِ حاضر میں مسئلہ شفاعت کو متنازعہ فیہ بنانے والوں اور شفاعت کے منکرین کی اکثریت علامہ ابنِ تیمیہ کو فقہ و عقائد میں اپنا امام مانتی ہے۔ حالاں کہ ابنِ تیمیہ شفاعت کے باب میں جمہور علماء کے مؤقف پر قائم ہیں اور شفاعت بالاذن کے قائل ہیں۔

انہوں نے اپنی تصنیف ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں طلبِ شفاعت کے حوالے سے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک انتہا پسند گروہ، دوسرا منکرِ شفاعت اور تیسرا معتدل۔ ان کے نزدیک پہلا گروہ مشرکین، اہلِ کتاب اور اس امت کے اہلِ بدعت کا ہے جو ایسی شفاعت کے بھی قائل ہیں جس کی قرآن میں ممانعت ہے۔ دوسرا انتہا پسند گروہ جنہوں نے جائز شفاعت کا بھی انکار کیا جیسے خوارج اور معتزلہ وغیرہ، وہ لکھتے ہیں:

و الخوارج و المعتزلة أنكروا شفاعة نبيناﷺ فى أهل الكبائر من أمته بل أنكر طائفة من أهل البدع انتفاع الإنسان بشفاعة غيره و دعائه كما أنكروا انتفاعه بصدقة غيره و صيامه عنه

''خوارج اور معتزلہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے نبی ﷺ کی شفاعت کا انکار آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے بارے میں بھی کیا ہے جو کبائر کے مرتکب ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ بدعتیوں کے ایک گروہ نے ایک انسان کا

دوسرے انسان کی شفاعت اور اس کی دعا سے فائدہ اٹھانے کا بھی انکار کر دیا جیسا کہ انہوں نے کسی غیر کے صدقہ و خیرات اور دوسرے کی طرف سے اس کے لئے روزہ رکھنے کے ثواب کا بھی انکار کیا ہے۔‘‘

شیخ ابنِ تیمیہ مزید لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا استدلال یہ آیات ہیں:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○[۱]

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور (کافروں کے لئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہو گی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیں ○‘‘

۲۔ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ○[۲]

’’ظالموں کے لئے نہ کوئی مہربان دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے ○‘‘

معتدلین کے گروہ کے حوالے سے وہ اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

أما سلف الأمة و أئمتها و من تبعهم من أهل السنة و الجماعة: فأثبتوا ما جاءت به السنة عن النبي ﷺ من شفاعته لأهل الكبائر من أمته وغير ذلك من أنواع شفاعاته و شفاعة غيره من الأنبياء و الملائكة۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) المؤمن، ۴۰: ۱۸

''اسلافِ امت، ائمہ کرام اور ان کی پیروی کرنے والے اہل سنت و جماعت کے احباب نے آپ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ، آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت امت کے کبیرہ گناہ کرنے والے اور دوسرے لوگوں کے لئے حق ہے۔''

مزید برآں عقیدۂ شفاعت کی وضاحت میں وہ لکھتے ہیں کہ ائمہ اسلاف نے تو کہا اہلِ توحید میں سے کوئی بھی ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا اور انہوں نے سنت سے ثابت شدہ اس امر کی تصدیق کی ہے کہ کسی غیر کی دعا، شفاعت، صدقہ حتیٰ کہ علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق کسی غیر کی طرف سے روزے کا فائدہ بھی دوسرے انسان کو پہنچتا ہے۔ (۱)

(۱) ابن تیمیة، اقتضاء الصراط المستقیم، ۱: ۴۴۳، ۴۴۴

فصل دُوُم

قرآن کی روشنی میں شفاعتِ رسول ﷺ

روزِ قیامت شفاعتِ کبریٰ کے منصبِ جلیلہ پر حضور نبی اکرم ﷺ فائز ہوں گے اور یہ شرف صرف آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا بیان اس آیتِ کریمہ میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○[1]

''یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا○''

مقامِ محمود وہ بلند و بالا مقام ہے جہاں آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوق آپ ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان ہوگی اور آپ ﷺ کی طرف رجوع کرے گی، یہی وہ رفیع الشان مقام ہوگا جہاں شانِ مصطفیٰ ﷺ کا پورا پورا ظہور ہوگا اور خود خالقِ کائنات بھی آپ ﷺ کی تعریف بیان فرمائے گا۔ (**اللهم! ارزقنا شفاعة النبي ﷺ يوم القيامة**)۔ آمین۔

مقامِ محمود، مقامِ شفاعت ہے

قرآن حکیم میں بیان کردہ مقامِ محمود سے مراد مقامِ شفاعت ہی ہے۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اور مفسرین کرام کی بہت ساری تصریحات شاہد عادل ہیں۔ ذیل میں ہم ائمہ حدیث اور تفسیر کی بیان کردہ احادیث و تفاسیر میں سے کچھ نصوص درج کر رہے ہیں:

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۹

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

إِنَّ النَّاسَ يَصِيْرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثًا، كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا يَقُوْلُوْنَ: يَافُلَانُ! اشْفَعْ، يَا فُلَانُ! اشْفَعْ، حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَالِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ۔ (۱)

''قیامت کے روز لوگ گروہ در گروہ اپنے اپنے نبی کے پیچھے چلیں گے اور عرض کریں گے: اے فلاں! ہماری شفاعت فرمایئے، اے فلاں! ہماری شفاعت فرمایئے حتی کہ طلبِ شفاعت کا سلسلہ حضور نبی اکرم ﷺ پر آ کر ختم ہو جائے گا۔ یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی ایک اور روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ. وَقَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ، فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسَى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ. وَ زَادَ عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي جَعْفَرٍ: فَيَشْفَعُ لِيُقْضَى بَيْنَ الْخَلْقِ، فَيَمْشِي حَتَّى يَأْخُذَ بِحَلَقَةِ الْبَابِ فَيَوْمَئِذٍ يَبْعَثُهُ اللهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا، يَحْمَدُهُ أَهْلُ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التفسير، باب قوله: عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا، ۴: ۱۷۴۸، رقم: ۴۴۴۱
۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۳۸۱، رقم: ۱۱۲۹۵
۳۔ ابن منده، الإيمان، ۲: ۸۷۱، رقم: ۹۲۷

الْجَمْعِ كُلُّهُمْ.(۱)

''کوئی شخص لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا کوئی ٹکڑا تک نہ ہوگا، فرمایا: بے شک سورج قیامت کے دن قریب ہوگا حتی کہ پسینہ نصف کان تک پہنچ جائے گا۔ پس وہ (لوگ) اس حال میں حضرت آدم علیہ السلام سے مدد طلب کریں گے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، پھر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں گے۔ عبد اللہ بن جعفر نے اتنا حصہ زیادہ بیان کیا کہ مجھ سے لیث نے بیان کیا ان سے ابنِ ابی جعفر نے بیان کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جائیں گے حتی کہ جنت کے دروازے کا کنڈا پکڑ لیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

۳۔ معروف تابعی حضرت یزید بن صہیب جو 'یزید الفقیر' کے نام سے معروف ہیں، نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مقامِ محمود والی حدیث کو روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ قَدْ شَغَفَنِي رَأْيٌ مِنْ رَأْيِ الْخَوَارِجِ، فَخَرَجْنَا فِي عِصَابَةٍ ذَوِي عَدَدٍ نُرِيْدُ أَنْ نَحُجَّ، ثُمَّ نَخْرُجَ عَلَى النَّاسِ. قَالَ: فَمَرَرْنَا عَلَى

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرًا، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵
۲۔ بیہقی، شعب الإيمان، ۳: ۲۶۹، رقم: ۳۵۰۹
۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۳۷۷، رقم: ۳۶۷۷
۴۔ طبری، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱۵: ۱۴۶
۵۔ ابن کثیر، تفسير القرآن العظيم، ۳: ۵۶

الْمَدِيْنَةِ، فَإِذَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ، جَالِسٌ إِلَى سَارِيَةٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ. قَالَ: فَإِذَا هُوَ قَدْ ذَكَرَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ، قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ! مَا هَذَا الَّذِي تُحَدِّثُوْنَ؟ وَاللهُ يَقُوْلُ: ﴿إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ﴾ (١) وَ ﴿كُلَّمَآ أَرَادُوْا أَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَآ أُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ (٢) فَمَا هَذَا الَّذِي تَقُوْلُوْنَ؟ قَالَ: أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ! قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ ﷺ (يَعْنِي الَّذِي يَبْعَثُهُ اللهُ فِيْهِ)؟ قُلْتُ: نَعَمْ! قَالَ: فَإِنَّهُ مَقَامُ مُحَمَّدٍ ﷺ الْمَحْمُوْدُ الَّذِي يُخْرِجُ اللهُ بِهِ مَنْ يُخْرِجُ، قَالَ: ثُمَّ نَعَتَ وَضْعَ الصِّرَاطِ وَ مَرَّ النَّاسِ عَلَيْهِ، قَالَ: وَ أَخَافُ أَنْ لَا أَكُوْنَ أَحْفَظُ ذَاكَ، قَالَ: غَيْرَ أَنَّهُ قَدْ زَعَمَ أَنَّ قَوْمًا يَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ أَنْ يَكُوْنُوْا فِيْهَا. قَالَ: يَعْنِي فَيَخْرُجُوْنَ كَأَنَّهُم عِيْدَانُ السَّمَاسِمِ. قَالَ: فَيَدْخُلُوْنَ نَهْرًا مِنَ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ فَيَغْتَسِلُوْنَ فِيْهِ، فَيَخْرُجُوْنَ كَأَنَّهُمُ الْقَرَاطِيْسُ، فَرَجَعْنَا، قُلْنَا: وَيْحَكُمْ أَتَرَوْنَ الشَّيْخَ يَكْذِبُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ فَرَجَعْنَا فَلَا وَاللهِ! مَا خَرَجَ مِنَّا غَيْرُ رَجُلٍ وَاحِدٍ أَوْ كَمَا قَالَ أَبُوْنُعَيْمٍ. (٣)

---

(١) آل عمران، ٣: ١٩٢

(٢) السجدة، ٣٢: ٢٠

(٣) ١۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، ١: ١٧٩، رقم: ١٩١

٢۔ أبو عوانة، المسند، ١: ١٥٤، رقم: ٤٤٨

٣۔ بيهقى، شعب الإيمان، ١: ٢٨٩، رقم: ٣١٥

’’مجھے خوارج کی رائے نے مشغولِ خاطر رکھا (کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے)۔ پس ہم لوگوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ حج کرنے کے لئے نکلے (اور سوچا کہ بعد میں) ہم لوگوں کے پاس (اپنے اس عقیدہ کو بیان کرنے کے لئے) جائیں گے۔ فرماتے ہیں: ہمارا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ایک ستون کے پاس بیٹھے لوگوں کو احادیث بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: اچانک انہوں نے جہنمیوں کا ذکر فرمایا تو میں نے ان سے عرض کیا: اے صحابیٔ رسول! آپ یہ کیا بیان کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ﴿بے شک تو جسے دوزخ میں ڈال دے تو تُو نے اسے واقعۃً رسوا کر دیا﴾ ور ایک مقام پر ہے ﴿جب بھی اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے﴾ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! فرمایا: کیا تم نے حضور نبی اکرم ﷺ کا وہ مقام پڑھا ہے جس پر اللہ تعالیٰ انہیں فائز فرمائے گا؟ میں نے کہا: ہاں! فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کا وہ مقام، مقامِ محمود ہے جس پر فائز ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا جہنم سے نکالے گا۔ فرماتے ہیں: پھر انہوں نے پلِ صراط اور لوگوں کا اس پر سے گزرنے کو بیان فرمایا۔ راوی کہتے ہیں: مجھے ڈر ہے کہ شاید میں اسے یاد نہیں رکھ سکا۔ تاہم انہوں نے یہ فرمایا کہ لوگ جہنم میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکلیں گے۔ ابو نعیم کہتے ہیں: وہ ایسے نکلیں گے جیسا کہ آبنوس کی جلی ہوئی لکڑیاں، پھر جنت کی نہر میں غسل کر کے کاغذ کی طرح سفید ہو کر نکلیں گے۔ پس ہم وہاں سے لوٹے اور ہم نے آپس میں کہا: تم پر افسوس ہو کیا یہ شیخ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) حضور نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں؟ پس ہم میں سے ایک شخص کے سوا سبھی خوارج کے عقیدہ سے تائب ہوگئے جیسا کہ ابو نعیم نے بیان کیا ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: فِيْ قَوْلِهِ ﴿عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (۱) سُئِلَ عَنْهَا، فَقَالَ: هِيَ الشَّفَاعَةُ۔ (۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ سے جب اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا﴾ کے بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔''

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعتِ عظمیٰ کے حوالے سے مسند احمد بن حنبل میں ایک طویل حدیث بطریقِ حضرت قتادہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں آپ ﷺ کے مقامِ محمود کا بیان ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے:

تَـلَا قَتَادَةُ: ﴿عَسٰى أَن يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (۳) قَالَ: هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الَّذِي وَعَدَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ نَبِيَّهُ ﷺ۔ (۴)

''پھر حضرت قتادہ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کی: ﴿یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا﴾ فرمایا: یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔''

---

(۱) بني إسرائيل، ۱۷: ۷۹

(۲) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب تفسير القرآن، باب من سورة بني إسرائيل، ۵:۳۰۳، رقم: ۳۱۳۷
۲۔ طبری، جامع البيان فی تفسير القرآن، ۱۵: ۱۴۵
۳۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۳: ۵۹

(۳) بني إسرائيل، ۱۷: ۷۹

(۴) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۴۴، رقم: ۱۳۵۶۲
۲۔ ابن أبي عاصم، السنة، ۲: ۳۷۴، رقم: ۸۰۴

۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ﴿عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (۱) قَالَ: الشَّفَاعَةُ۔ (۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا﴾ کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔''

۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ، الشَّفَاعَةُ (۳)

''مقامِ محمود سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔''

۸۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يُبْعَثُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَنَا وَ أُمَّتِي عَلَى تَلٍّ، وَيَكْسُوْنِي رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى حُلَّةً خَضْرَاءَ ثُمَّ يُؤْذَنُ لِي، فَأَقُوْلُ: مَا شَاءَ اللهُ أَنْ أَقُوْلَ: فَذٰلِكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ۔ (۴)

(۱) بني إسرائيل، ۱۷: ۷۹

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۴، رقم: ۹۷۳۳
۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۳۱۹، رقم: ۳۱۷۴۵
۳۔ ابن أبي عاصم، السنة، ۲: ۳۶۴، رقم: ۷۸۴

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۷۸، رقم: ۱۰۲۰۰
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۱: ۲۸۱، رقم: ۲۹۹
۳۔ أبونعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۸: ۳۷۲

(۴) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۵۶
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۳۹۹، رقم: ۶۴۷۹
۳۔ حاكم، المستدرك، ۲: ۳۹۵، رقم: ۳۳۸۳

’’روزِ قیامت جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو میں اور میری امت ایک ٹیلے پر جمع ہوں گے، پس میرا پروردگار مجھے سبز رنگ کا لباسِ فاخرہ پہنائے گا پھر مجھے اذن دیا جائے گا تو میں اللہ رب العزت کی منشاء کے مطابق حمد و ثنا کروں گا پس یہی مقامِ محمود ہے۔‘‘

۹۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تُعْطَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَرَّ عَشَرَ سِنِيْنَ، ثُمَّ تُدْنَى مِنْ جَمَاجِمِ النَّاسِ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ، قَالَ: فَيَأْتُوْنَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم فَيَقُوْلُوْنَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! أَنْتَ الَّذِی فَتَحَ اللهُ بِكَ، وَ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. وَقَدْ تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّنَا فَيَقُوْلُ: أَنَا صَاحِبُكُمْ! فَيَخْرُجُ يَحُوْشُ النَّاسَ حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَيَأْخُذَ بِحَلَقَةٍ فِي الْبَابِ مِنْ ذَهَبٍ، فَيَقْرَعَ الْبَابَ، فَيُقَالُ: مَنْ هَذَا؟ فَيُقَالُ: مُحَمَّدٌ! فَيُفْتَحُ لَهُ، فَيَجِيءُ حَتَّى يَقُوْمَ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ فَيَسْجُدَ. فَيُنَادِي: اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهُ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَذٰلِكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ.(۱)

’’قیامت کے دن سورج دس سال کی مسافت سے گرم ہوگا، پھر (آہستہ آہستہ) وہ لوگوں کے ہجوم سے قریب ہو جائے گا، (انہوں نے پوری حدیث ذکر کی پھر) فرماتے ہیں: لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے اللہ کے نبی! آپ ہی وہ ذات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فتح

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۶: ۲۴۷، رقم: ۶۱۱۷
۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۳۰۸، رقم: ۳۱۶۷۵
۳۔ ابن أبي عاصم، السنة، ۲: ۳۸۳، رقم: ۸۱۳

عطا کی اور آپ کی خاطر آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ کو بخش دیا ہے۔ آپ ہماری (یہ تکلیف دہ) حالت مشاہدہ فرما رہے ہیں لہٰذا آپ ہی اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں، آپ فرمائیں گے: میں تمہارا ہمدرد اور خیرخواہ ہوں پس آپ ﷺ لوگوں کو جمع کرتے ہوئے جنت کے دروازے تک پہنچ جائیں گے، آپ ﷺ سونے کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھٹائیں گے تو پوچھا جائے گا: کون ہے؟ فرمایا جائے گا: محمد ﷺ! پس اسے کھول دیا جائے گا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنا سر اٹھایئے، سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس یہی مقامِ محمود ہے۔‘‘

۱۰۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ يَأْذَنُ اللّٰهُ ﷻ فِي الشَّفَاعَةِ، فَيَقُوْمُ رُوْحُ الْقُدُسِ جِبْرِيْلُ، ثُمَّ يَقُوْمُ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللهِ، ثُمَّ يَقُوْمُ عِيْسٰى أَوْ مُوْسٰى. قَالَ أَبُو الزَّعْرَاءِ: لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا؟ قَالَ: ثُمَّ يَقُوْمُ نَبِيُّكُمْ ﷺ رَابِعًا، فَيَشْفَعُ لَا يَشْفَعُ لِأَحدٍ بَعْدَهُ أَكْثَرَ مِمَّا يَشْفَعُ، وَهُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الَّذِي قَالَ اللّٰهُ: ﴿عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا﴾ (۱)۔(۲)

’’پھر اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن عطا فرمائے گا تو روح القدس جبرئیل علیہ السلام شفاعت فرمائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام شفاعت فرمائیں

(۱) بني إسرائيل، ۱۷: ۷۹

(۲) ۱۔ طيالسي، المسند، ۱: ۵۱، رقم: ۳۸۹

۲۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۳: ۵۸

۳۔ طبري، جامع البيان فی تفسير القرآن، ۳۰: ۱۱۳

گے، پھر عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام میں سے کوئی شفاعت فرمائیں گے۔ ابو زعراء فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کون ہوگا؟ فرماتے ہیں: پھر حضور نبی اکرم ﷺ چوتھی مرتبہ شفاعت فرمائیں گے، آپ ﷺ اتنی کثرت سے شفاعت کریں گے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی بھی التجا نہ کرے گا۔ یہی مقامِ محمود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا﴾ [القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷:۷۹]۔''

مفسرین کرام نے مقامِ محمود کے بارے میں چار اَقوال کا ذکر کیا ہے:

(۱) شفاعت

(۲) روزِ قیامت لواء حمد کا عطا کیا جانا

(۳) روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنی قربت میں ارفع و اعلیٰ مقام پر بٹھانا

(۴) مطلقاً وہ مقام اور درجہ جہاں تعریف کی جائے

راجح قول یہی ہے کہ مقامِ محمود مقامِ شفاعت ہے اور جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ چند حوالہ جات درج ذیل ہیں:

۱۔ معروف مفسر امام ابنِ جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وکان أهل العلم یرون أنه المقام المحمود الذی قال اللہ تبارک وتعالی: عسی أن یبعثك ربك مقامًا محمودًا، شفاعة یوم القیامة۔(۱)

''اور اہلِ علم یہ بات جانتے ہیں کہ وہ مقامِ محمود جس کے بارے میں ارشاد

(۱) طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۵: ۱۴۵

باری تعالیٰ ہے کہ 'یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا'، روزِ قیامت حقِ شفاعت عطا کیا جانا ہے۔''

۲۔ امام بغوی (م ۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:

والمقام المحمود هو مقام الشفاعة لأمته لأنه يحمده فيه الأوّلون والآخرون۔[1]

''مقامِ محمود سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے لئے مقامِ شفاعت پر فائز ہونا ہی ہے اسی مقام پر اولین و آخرین آپ ﷺ کی شان میں محو ثناء ہوں گے۔''

۳۔ امام رازی (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

فی تفسير المقام المحمود أقوال، الأوّل: أنه الشفاعة. قال الواحدی: أجمع المفسرون على أنه مقام الشفاعة كما قال النبي ﷺ فی هذه الآية: هو المقام الذي أشفع فيه لأمتي۔[2]

''مقامِ محمود کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں، پہلا یہ کہ اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔ علامہ واحدی نے کہا: مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: یہ وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہوکر میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔''

۴۔ امام نسفی (م ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں:

يبعثك معنى يقيمك وهو مقام الشفاعة عند الجمهور ويدلّ

(۱) بغوی، معالم التنزیل، ۳: ۱۳۰

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۲: ۲۶

عليه الأخبار۔(۱)

’’یبعثك کا معنی ہے آپ ﷺ کو فائز فرمائے گا اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مقامِ شفاعت ہے جس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔‘‘

۵۔ امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

و قد اختلف فی تعیین هذا المقام علی أقوال: الأوّل أنه المقام الذی یقومه النبی ﷺ للشفاعة یوم القیامة للناس لیریحهم ربهم سبحانه مما هو فیه، وهذا القول هو الذی دلت علیه الأدلة الصحیحة فی تفسیر الآیة، وحکاه ابن جریر عن أکثر أهل التأویل، قال الواحدی و إجماع المفسرین علی أن المقام المحمود هو مقام الشفاعة۔(۲)

’’مقامِ محمود کے تعین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ یہ وہ مقامِ رفیع ہے جہاں حضور نبی اکرم ﷺ لوگوں کی شفاعت کے لئے فائز ہوں گے تاکہ رب ﷻ ان کی تکلیف میں ان پر رحم فرمائے۔ یہی وہ قول ہے جس کی تفسیر میں صحیح دلائل موجود ہیں۔ امام ابنِ جریر طبری نے اسے اکثر ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے، علامہ واحدی نے کہا: مفسرین کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ مقامِ شفاعت ہی مقامِ محمود ہے۔‘‘

دیگر مفسرین نے بھی مقامِ محمود سے مقامِ شفاعت مراد لیا ہے مثلاً: تفسیر بیضاوی، قرطبی، الدر المنثور، مجاہد، سمعانی وغیرہ۔

---

(۱) نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ۲:۲۹۷

(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۳:۲۵۱۔۲۵۲

شفاعتِ کبریٰ پر ایک اور نصِ قرآنی

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ۝[۱]

''اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۝''

مذکورہ آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شفاعت کی تمام حدوں کو اٹھا دیا، فقط ایک حد باقی رکھی اور وہ ہے رضائے رسول ﷺ کہ جب حبیب راضی ہو گا اس وقت تک شفاعت کو قبول کرتا رہوں گا اور آپ ﷺ کے امتیوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرتا رہوں گا۔

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو
جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

حضور نبی اکرم ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں:

۱۔ ایک دفعہ حضور ﷺ اپنی امت کے حق میں دعا کر کے گریہ زاری کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریلِ امین علیہ السلام کو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں بھیجا کہ جا کر میرے محبوب سے پوچھ کہ ان کو کون سی چیز مائل بہ گریہ کر رہی ہے۔ جبریلِ امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور پوچھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں بتایا کہ وہ اپنی امت کے لئے آنسو بہا رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جبریلِ امین علیہ السلام سے فرمایا: اے جبریل! میرے محبوب کے پاس جا اور ان سے کہہ دے:

إِنَّا سَنُرۡضِيۡكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوۡءُكَ ۔[۲]

---

(۱) الضحیٰ، ۹۳: ۵

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب دعاء النبی ﷺ لأمته، ۱: ۱۹۱، رقم: ۲۰۲

''بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے حق میں عنقریب راضی کر دیں گے اور آپ کو اس بارے رسوا نہیں کریں گے۔''

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ روزِ قیامت شفاعت فرماتے جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ندا فرمائے گا: اے محمد! کیا آپ راضی ہوگئے؟ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ جواب دیں گے:

نَعَمْ، رَضِيْتُ۔[۱]

''ہاں میں راضی ہوگیا۔''

۞ مفسرین نے بھی اس سے شفاعت مراد لیا ہے:

۱۔ امام بغوی (م ۵۱۶ھ) نے لکھا ہے:

قال عطاء من ابن عباس: هو الشفاعة فی أمته حتی یرضی۔[۲]

''حضرت عطا نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد امت کی شفاعت ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔''

''تفسیر سمرقندی (۳: ۵۶۸)'' میں بھی اسی آیت سے مراد حوض اور شفاعت لیا گیا ہے۔

۲۔ امام رازی (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

عن علی ابن أبی طالب ص و ابن عباس أن هذا هو الشفاعة فی الأمة۔[۳]

(۱) طبرانی، المعجم الأوسط، ۳: ۴۴، رقم: ۲۰۹۴

(۲) بغوی، معالم التنزیل، ۴: ۴۹۸

(۳) رازی، تفسیر الکبیر، ۳۱: ۱۹۲

’’حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فَتَرْضٰی سے مراد امت کے لئے آپ ﷺ کا شفاعت فرمانا ہے۔‘‘

امام رازی نے اسی مقام پر حضرت امام محمد باقر سے روایت کیا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں شفاعت کا بیان ہے۔ جبکہ امام رازی نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۲۳ کے تحت بھی لکھا ہے کہ آخرت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے حقِ شفاعت پر امت کا اجماع ہے جس پر دلیل سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۹ اور سورہ ضحیٰ کی آیت نمبر ۵ ہے۔

۳۔ امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا واللہ لا أرضی و واحد من أمتي في النار۔[۱]

’’خدا کی قسم میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی آگ میں ہو۔‘‘

اس سے بڑھ کر شفاعت کا تصور کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ یہی شفاعتِ کبریٰ ہے کیونکہ اس شفاعت کی انتہاء کی واحد صورت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی رضا رکھی ہے۔

۴۔ امام خازن (م ۷۴۱ھ) اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال ابن عباس: هي الشفاعة في أمته حتی یرضی۔[۲]

’’حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد آپ ﷺ کا امت کے حق میں شفاعت کرنا ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔‘‘

(۱) قرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۲۰: ۹۶

(۲) خازن، لباب التاویل في معاني التنزیل، ۴: ۳۸۶

۵۔ امام ابنِ کثیر (م ۷۷۴ھ) اور امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

و أخرج ابن أبی حاتم عن الحسن أنه سئل عن قوله ﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى﴾ (۱) قال: هی الشفاعة۔ (۲)

''ابنِ ابی حاتم نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حقِ شفاعت ہے۔''

سورہ کوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال میں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مراد مقامِ محمود ہے، امام رازی لکھتے ہیں:

القول الثالث عشر: الکوثر هو المقام المحمود الذی هو الشفاعة۔ (۳)

''تیرھواں قول یہ ہے کہ کوثر وہ مقامِ محمود ہے جس سے مراد حقِ شفاعت ہے۔''

قرآن حکیم میں اس کے علاوہ اور بھی کئی مقامات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ محبوبیت کے اس بلند مقام پر فائز ہیں کہ آپ ﷺ کے دل میں جو بھی خواہش پیدا ہو گی اللہ تعالیٰ فوراً اس کو پورا فرما دے گا۔

---

(۱) الضحی، ۹۳: ۵

(۲) ۱۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۸: ۵۴۳
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۲۴

(۳) رازی، تفسیر الکبیر، ۳۲: ۱۱۹

فصل سوم

اَحادیث کی روشنی میں شفاعتِ رسول ﷺ

۱۔ روزِ قیامت حضور نبی اکرم ﷺ کے خاصۂ شفاعت کا بیان

قرآن و حدیث سے یہ امر ثابت ہے کہ روزِ قیامت اِذنِ الٰہی پانے والوں کو شفاعت کا حق دیا جائے گا اور جو لوگ اذنِ الٰہی سے منصب شفاعت پر فائز نہیں، انہیں شفاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء و اولیاء اور صالحین ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جو اس کے حق دار ہوں گے تاہم قیامت کے روز شفاعتِ عظمیٰ کے بلند مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ کو متمکن کیا جائے گا۔ ذیل میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کریں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَ أُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَآصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَآمَّةً۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب التيمم، باب قول اللہ: فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا، ۱:۱۲۸، رقم:۳۲۸
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، ۱:۳۷۰، رقم: ۵۲۱
۳۔ نسائي، السنن، کتاب الغسل و التيمم، باب التيمم بالصعيد، ۱:۲۱۱، رقم: ۴۳۲

’’مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: ایک ماہ کی مسافت تک رعب سے میری مدد فرمائی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنے والی (جائے تیمّم) بنا دی گئی۔ لہٰذا میری امت میں سے جو شخص بھی (جہاں) نماز کا وقت پائے تو وہ وہیں پڑھ لے، میرے لئے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ تھے، مجھے شفاعت عطا کی گئی، اور پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔‘‘

اس مضمون سے متعلق متعدد احادیث مستند کتب احادیث میں موجود ہیں جیسے ’’مسند احمد بن حنبل (۵: ۱۶۱، رقم: ۲۱۴۷۲)‘‘، ’’مسند بزار (۹: ۴۶۱، رقم: ۴۰۷۷)‘‘ اور ’’مسند طیالسی (۱: ۶۴، رقم: ۴۷۲)‘‘ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جب کہ ’’المعجم الکبیر (۷: ۱۵۴، رقم: ۶۶۷۴)‘‘ میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔

۲۔ روزِ قیامت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعتِ عظمیٰ کا بیان

بطورِ مسلمان ہر شخص کی تمنا اور آرزو ہوتی ہے کہ اسے میدانِ حشر کی تلخیوں سے محفوظ رکھا جائے اور اُس نفسا نفسی کے عالم میں حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اس کا مقدر بنے۔ کوئی بڑے سے بڑا عابد، زاہد، متقی، ولی اور غوث بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کی بخشش و مغفرت اس کے اپنے اعمال پر ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک ہر مسلمان مرد و عورت اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ضرور مانگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتیازِ شفاعت دراصل پوری انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔

ذیل میں کتبِ احادیث میں مذکور طویل ترین حدیث شفاعت پیش کی جارہی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ اقدس سے اہلِ ایمان کو یہ عظیم خوشخبری مرحمت

فرمائی۔ پہلے راوی کا اشتیاق ملاحظہ کریں:

’’ہم اہلِ بصرہ اکٹھے ہو کر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے اور ہم (ان کے شاگرد) ثابت بُنانی کو اپنے ساتھ لے گئے کہ وہ ان سے ہمارے لیے حدیثِ شفاعت کے متعلق سوال کریں؟ وہ اپنے گھر میں تھے۔ ہم نے انہیں نمازِ چاشت پڑھتے ہوئے دیکھ کر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دے دی۔ وہ اپنے بچھونے پر بیٹھے تھے۔ ہم نے ثابت سے کہا: حدیثِ شفاعت سے متعلق سوال سے قبل آپ ان سے کوئی اور سوال نہ کریں۔ انہوں نے عرض کیا: ابوحمزہ! یہ آپ کے بھائی بصرہ سے آئے ہیں اور آپ سے حدیثِ شفاعت کے بارے پوچھنا چاہتے ہیں؟‘‘ انہوں نے فرمایا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ صلی الله عليه وآله وسلم قَالَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ. فَيَأْتُوْنَ آدَمَ، فَيَقُوْلُوْنَ: إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيْمَ فَإِنَّهُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ. فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسَى فَإِنَّهُ كَلِيْمُ اللهِ. فَيَأْتُوْنَ مُوْسَى، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسَى فَإِنَّهُ رُوْحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ. فَيَأْتُوْنَ عِيْسَى، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ صلی الله عليه وآله وسلم.

فَيَأْتُوْنَنِي فَأَقُوْلُ: أَنَا لَهَا، فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي، فَيُؤْذَنُ لِي، وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، وَ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! إِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَ سَلْ تُعْطَ، وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ، أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ، فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ

لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَ سَلْ تُعْطَ، وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ، فَأَنْطَلِقُ، فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَ سَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيَقُوْلُ: اِنْطَلِقْ، فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ، فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ.

فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ أَنَسٍ قُلْتُ لِبَعْضِ أَصْحَابِنَا: لَوْ مَرَرْنَا بِالْحَسَنِ، وَ هُوَ مُتَوَارٍ فِي مَنْزِلِ أَبِي خَلِيْفَةَ، فَحَدَّثْنَاهُ بِمَا حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، فَأَتَيْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ، فَأَذِنَ لَنَا. فَقُلْنَا لَهُ: يَا أَبَاسَعِيْدٍ! جِئْنَاكَ مِنْ عِنْدِ أَخِيْكَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَلَمْ نَرَ مِثْلَ مَا حَدَّثَنَا فِي الشَّفَاعَةِ. فَقَالَ: هِيْهِ، فَحَدَّثْنَاهُ بِالْحَدِيْثِ، فَانْتَهَى إِلَى هَذَا الْمَوْضِعِ. فَقَالَ: هِيْهِ، فَقُلْنَا لَهُ: لَمْ يَزِدْ لَنَا عَلَى هَذَا، فَقَالَ: لَقَدْ حَدَّثَنِي وَ هُوَ جَمِيْعٌ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً، فَلَا أَدْرِي: أَنَسِيَ، أَمْ كَرِهَ أَنْ تَتَّكِلُوْا. فَقُلْنَا: يَا أَبَا سَعِيْدٍ! فَحَدِّثْنَا، فَضَحِكَ، وَ قَالَ: خُلِقَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا، مَا ذَكَرْتُهُ إِلَّا وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ، حَدَّثَنِي كَمَا حَدَّثَكُمْ بِهِ.

قَالَ: ثُمَّ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَ قُلْ يُسْمَعْ، وَ سَلْ

تُعْطَهُ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! إِئْذَنْ لِي فِيْمَنْ قَالَ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ، فَيَقُوْلُ: وَ عِزَّتِي وَجَلَالِي، وَ كِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي: لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ۔ (۱)

’’ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز لوگ دریا کی موجوں کی مانند بے قرار ہوں گے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کریں گے: آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے، وہ فرمائیں گے: یہ میرا مقام نہیں، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ پس لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوجائیں گے جس پر وہ فرمائیں گے: میرا منصب یہ نہیں ہے تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جائیں گے وہ فرمائیں گے: میرا منصب یہ نہیں ہے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ روح اللہ اور اس کا کلمہ ہیں۔ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ بھی فرمائیں گے: میرا یہ مقام نہیں ہے تم محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جاؤ۔

’’پس لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا: ہاں! آج شفاعت کا منصب تو میرے پاس ہی ہے۔ پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی اور مجھے ایسے حمد یہ کلمات الہام کئے جائیں گے جن کے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب کلام الرب عزوجل یوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم، ۶: ۲۷۲۷، رقم: ۷۰۷۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة، ۱: ۱۸۲-۱۸۴، رقم: ۱۹۳

۳۔ نسائي، السنن الكبرىٰ، ۶: ۳۳۰، رقم: ۱۱۱۳۱

ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا جو اب مجھے مستحضر نہیں ہیں۔ پس میں ان محامد سے اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں گا۔ سو مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہو! تمہیں سنا جائے گا، مانگو تمہیں دیا جائے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس فرمایا جائے گا: جاؤ اور جہنم سے اسے نکال لو جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں جا کر یہی کروں گا۔ پھر واپس آ کر ان محامد کے ساتھ اس کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پس کہا جائے گا: محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائے گی، مانگو تمہیں دیا جائے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت! پس فرمایا جائے گا: جاؤ اور جہنم سے اسے بھی نکال لو جس کے دل میں ذرے کے برابر یا رائی کے برابر بھی ایمان ہو۔ پس میں جا کر ایسے ہی کروں گا۔ پھر واپس آ کر انہی محامد کے ساتھ اس کی حمد و ثنا بیان کروں گا اور پھر اس کے حضور سجدے میں چلا جاؤں گا۔ پس فرمایا جائے گا: محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائے گی، مانگو تمہیں دیا جائے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے رب! میری امت، میری امت، پس وہ فرمائے گا: جاؤ اور اسے بھی جہنم سے نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی بہت ہی کم، بہت ہی کم، بہت ہی کم ایمان ہو۔ پس میں خود جاؤں گا اور جا کر ایسا ہی کروں گا۔

''راوی کہتے ہیں: جب ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا: ہمیں حسن بصری کے پاس چلنا چاہیے جو کہ ابوخلیفہ کے مکان میں روپوش ہیں اور انہیں وہ حدیث بیان کرنی چاہیے جو انس بن مالک

نے ہم سے بیان کی ہے۔ چنانچہ ہم ان کے پاس آئے اور انہیں سلام کیا پھر انہوں نے ہمیں اجازت دی تو ہم نے ان سے کہا: ابوسعید! ہم آپ کے پاس آپ کے بھائی انس بن مالک کے ہاں سے ہوکر آئے ہیں اور انہوں نے ہم سے جو شفاعت کے متعلق حدیث بیان کی اس جیسی حدیث ہم نے آج تک نہیں سنی۔ انہوں نے فرمایا مجھے بھی سناؤ: ہم نے ان سے حدیث بیان کی جب اس مقام تک پہنچے تو انہوں نے کہا: آگے بیان کرو، ہم نے کہا: اس سے زیادہ انہوں نے بیان نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ آج سے بیس سال قبل جب صحت مند تھے تو انہوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی تھی، مجھے معلوم نہیں کہ وہ باقی بھول گئے یا اس لئے بیان کرنا ناپسند کیا کہ کہیں لوگ صرف اسی پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ ہم نے کہا: ابوسعید! پھر آپ ہم سے وہ حدیث مکمل بیان کیجئے اس پر آپ ہنسے اور فرمایا: انسان عجلت پسند پیدا کیا گیا ہے۔ میں نے اس کا ذکر ہی اس لئے کیا ہے کہ تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ انس نے مجھ سے اس طرح حدیث بیان کی جس طرح تم سے بیان کیا۔

''(اس میں یہ اضافہ کیا کہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں چوتھی دفعہ واپس لوٹوں گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا پھر اس کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں گا۔ پس فرمایا جائے گا: محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہیں سنا جائے گا، مانگو تمہیں دیا جائے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: یا رب! مجھے ان کی (شفاعت کی) اجازت بھی دیجئے جنہوں نے صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا ہے، پس وہ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت و جلال اور اپنی کبریائی وعظمت کی قسم! میں انہیں ضرور دوزخ سے نکال دوں گا جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا ہے۔''

اسی مفہوم کی دیگر احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''صحیح بخاری (۴: ۱۷۴۵،

رقم: ۴۴۳۵)،'' ''صحیح مسلم، (۱: ۱۸۴، رقم: ۱۹۴)'' ''جامع ترمذی (۴: ۲۲۹، رقم: ۲۴۳۴)،'' اور ''مسند احمد بن حنبل (۲: ۴۳۵، رقم: ۹۶۲۳)'' میں مروی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ''مسند احمد بن حنبل (۱: ۴، رقم: ۱۵)،'' ''صحیح ابن حبان (۱۴: ۳۹۳، رقم: ۶۴۷۶)،'' ''مسند ابی یعلی (۱: ۵۶، رقم: ۵۶)'' اور ''مسند بزار (۱: ۱۴۹، رقم: ۷۶)'' میں مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ''مسند احمد بن حنبل (۱: ۲۸۱،۲۹۵ رقم: ۲۵۴۶، ۲۶۹۲)،'' ''مسند ابی یعلی (۴: ۲۱۵، رقم: ۲۳۲۸)'' میں مروی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے ''سنن دارمی (۲: ۴۲۱، رقم: ۲۸۰۴)،'' ''المعجم الکبیر للطبرانی (۱۷: ۳۲۰)؛'' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ''ابن ابی شیبہ (۶: ۳۰۸، رقم: ۳۱۶۷۵)؛'' ''السنۃ لابن ابی عاصم (۲: ۳۸۴، رقم: ۸۱۳)'' میں مروی ہے۔

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالت کے اِمتیاز و اختصاص کا خصوصی اظہار ہو رہا ہوگا لیکن اس دِن اللہ تعالیٰ اپنی شانِ کریمی سے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرسی کو اپنے عرشِ جلالت کے ساتھ رکھے گا اور جملہ اوّلین و آخرین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کریں گے۔ بجا ہے کہ مغفرت وبخشش اور جنت عطا کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر توحید کی نسبت کے تحت براہِ راست اللہ تعالیٰ سے مغفرت وبخشش قیامت کے دن بھی حاصل نہ ہو سکے گی بلکہ اس دن بھی درِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہ صرف عامۃ المسلمین بلکہ جملہ انبیاء و رُسل عظام علیہم السلام بھی سوالی بن کر حاضر ہوں گے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو اپنے فیضانِ کرم سے مغفرت و جنت عطا فرمائے گا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رغبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر سوالی بن کر حاضر ہونا شرک نہیں تو آج دنیا میں بھی یہ عقیدہ شرک نہیں ہوسکتا، لہٰذا بقول اعلیٰ حضرت احمد رضاؒ محدّث بریلوی:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

پس یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ استمداد و اِستعانت اور توسل کا جو عقیدہ قیامت کے دن درست ہو گا اور جس پر اوّلین و آخرین بشمول انبیاء کا اجماع ہوگا، ایسا عظیم اجماعی عقیدہ یقیناً آج بھی برحق ہے۔ اِس کو شرک قرار دینا اور اہلِ ایمان کو مشرک کہنا خود گمراہی ہے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اِختیارِ شفاعت کا بیان

امت کے حق میں حضور ﷺ کی رحمت اور راحت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گناہگاروں کو جہنم سے لا لا کر جنت میں داخل فرمائیں گے لیکن اس سے بھی زیادہ دریائے رحمت یہاں موجزن دکھائی دیتا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل احادیث:

۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَ بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِي الْجَنَّةَ؟ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِأَنَّهَا أَعَمُّ وَ أَكْفَى. أَتَرَوْنَهَا لِلْمُتَّقِيْنَ؟ لَا، وَلَكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِيْنَ الْخَطَّائِيْنَ الْمُتَلَوِّثِيْنَ(۱)

’’مجھے اختیار دیا گیا کہ چاہے میں (قیامت کے روز) شفاعت کا حق اختیار کروں یا میری آدھی امت بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائے؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا کیونکہ وہ عام تر اور زیادہ کفایت کرنے والی ہے۔ تمہارے خیال میں وہ پرہیزگاروں کے لئے ہوگی؟ نہیں، بلکہ وہ گناہ گاروں، خطاکاروں اور گناہوں سے آلودہ لوگوں کے لیے ہے۔‘‘

۲۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۴۴۱، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، رقم: ۴۳۱۱
۲۔ كناني، مصباح الزجاجة، ۴: ۲۶۰، رقم: ۱۵۴۹

نے فرمایا:

أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْد رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ؟ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ، وَ هِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا۔ (۱)

''میرے پاس اللہ کی طرف سے پیغام لے کر آنے والا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری آدھی امت کو جنت میں داخل کرنے یا شفاعت کرنے کا اختیار دیا۔ پس میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا اور یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہوا نہیں مرے گا۔''

۴۔ حضور ﷺ کا دعائے اِختیاری کو شفاعت کیلئے مختص فرمانا

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ، فَأُرِيْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أَخْتَبِيءَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، ۴:۶۲۷، كتاب صفة القيامة، باب ما جاء في الشفاعة، رقم: ۲۴۴۱
۲۔ كناني، مصباح الزجاجة، ۴:۲۶۰، رقم: ۱۴۵۱
۳۔ آجري، الشريعة: ۳۴۲

(۲) ۱۔ بخارى، الصحيح، كتاب التوحيد، باب فى المشيئة والإرادة، ۶:۲۷۱۸، رقم: ۷۰۳۶
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب اختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لأمته، ۱:۱۸۸، رقم: ۱۹۸
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۸۱، رقم: ۸۹۴۶

''ہر نبی کو ایک مقبول دعا کا حق ہے، پس میں چاہتا ہوں اگر اللہ چاہے کہ اپنی اس دعا کو قیامت کے دن امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر کے رکھوں۔''

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَاهَا لِأُمَّتِهِ. وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۱)

''ہر نبی کے لیے کوئی ایک مقبول دعا تھی جسے اس نے اپنی امت کے لئے کیا، اور بے شک میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔''

اسی مفہوم کی مزید احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''صحیح بخاری (۵: ۲۳۲۳، رقم: ۵۹۴۵، ۵۹۴۶)،'' ''صحیح مسلم (۱: ۱۸۹، ۱۹۰، رقم: ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۱)،'' ''جامع ترمذی (۵: ۵۸۰، رقم: ۳۶۰۲)،'' ''سنن ابن ماجہ (۲: ۱۴۴۰، رقم: ۴۳۰۷)،'' ''موطا امام مالک (۱: ۲۱۲، رقم: ۴۹۴)؛'' ''مسند احمد بن حنبل (۲: ۳۱۳، ۴۲۶، ۴۸۶، رقم: ۸۱۳۲، ۹۵۰۰، ۳۱۶ اور ۳: ۳۸۴، رقم: ۱۵۱۵۶)،'' ''صحیح ابن حبان (۱۴: ۳۷۴، رقم: ۶۴۶۱)'' میں، ''مسند ابن راہویہ (۱: ۲۳۳، رقم: ۱۹۱)؛'' سنن بیہقی (۱۰: ۱۹۰)؛'' ''شعب الایمان (۱: ۲۸۸، رقم: ۳۱۳)؛'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ''مسند ابی یعلی (۲: ۳۹۳، رقم: ۱۰۰۴)؛'' ''مصنف (۶: ۳۱۰، رقم: ۳۱۶۸۳)؛'' ''مسند عبد بن حمید (۱: ۲۸۳، رقم: ۹۰۳)'' اور دیگر کئی کتبِ احادیث میں مروی ہیں۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب اختباء النبي صلى الله عليه وآله وسلم دعوة الشفاعة لأمته، ۱: ۱۹۰، رقم: ۲۰۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲۵۸، ۳: ۲۱۸، رقم: ۱۳۳۰۵، ۱۳۷۳۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۷۶، رقم: ۶۱۹۶

۵۔ روزِ قیامت حضور ﷺ کا سب سے پہلے شفیع ہونے کا بیان

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔(۱)

''میں قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی۔''

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَنْتَظِرُوْنَهُ، قَالَ: فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ، فَسَمِعَ حَدِيْثَهُمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَجَباً إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اتَّخَذَ مِنْ خَلْقِهِ خَلِيْلًا، اِتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا. وَ قَالَ آخَرُ: مَاذَا بِأَعْجَبَ مِنْ كَلَامِ مُوْسٰى كَلَّمَهُ تَكْلِيْماً، وَ قَالَ آخَرُ: فَعِيْسٰى كَلِمَةُ اللهِ وَ رُوْحُهُ، و قَالَ آخَرُ: آدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ و قَالَ: قَد سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ و عَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللهِ وهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللهِ وَ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا على جميع الخلائق، ۴: ۱۷۸۲، رقم: ۲۲۷۸
۲۔ أبوداود فى السنن، كتاب السنة، باب فى التخيير بين الأنبياء عليهم السلام، ۴: ۲۱۸، رقم: ۴۶۷۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۴۰، رقم: ۱۰۹۸۵

هُوَ كَذٰلِكَ، وَعِيْسٰی رُوْحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَ هُوَ كَذٰلِكَ، أَ لَا! وَ أَنَا حَبِيْبُ اللهِ وَلَا فَخْرَ، و أَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَ أَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِي فَيُدْخِلُنِيْهَا وَ مَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ، وَ أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ۔(۱)

’’چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب پہنچے تو انہیں گفتگو کرتے ہوئے سنا، (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا) ان میں سے بعض نے کہا: تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اپنا خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے ہمکلام (کلیم اللہ) ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہیں۔ ایک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا اظہارِ تعجب سن لیا ہے۔ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، اور واقعی وہ اسی طرح ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں، بے شک وہ اسی طرح ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی فضل النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۵۸۷، رقم: ۳۶۱۶
۲۔ دارمی، السنن، ۱: ۳۹، رقم: ۴۷
۳۔ ابن کثیر، نهاية بداية النهاية، ۱۰: ۴۳۹،
۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۶۱

ہیں، واقعی وہ اسی طرح ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا، وہ بھی یقیناً اسی طرح ہیں۔ مگر سنو! اچھی طرح آ گاہ ہو جاؤ کہ (میری شان یہ ہے) میں اللہ کا حبیب ہوں اور (اس پر) کوئی فخر نہیں، میں قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کی) حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے کوئی فخر نہیں، سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا بھی میں ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے میری لئے کھول دے گا پس مجھے اس میں داخل کر دے گا اور میرے ساتھ فقیر و غریب مؤمن ہوں گے اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں، میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں لیکن میں کوئی فخر نہیں کرتا۔‘‘

۶۔ ہر کلمہ گو کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيْثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، مَنْ قَالَ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ خَالِصاً مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، ۱: ۴۹، رقم: ۹۹

۲۔ أیضاً، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ۵: ۲۴۰۲، رقم: ۶۲۰۱

''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! قیامت کے روز آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میرا گمان یہی تھا کہ اس بارے میں سب سے پہلے تم مجھ سے پوچھو گے کیونکہ میں نے حدیث کے ساتھ تمہاری بے پناہ رغبت دیکھی ہے۔ قیامت کے روز میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ شخص ہوگا جس نے خلوص دل و جان سے (کلمہ) لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھا۔''

۷۔ اہلِ کبائر کے لیے حضور ﷺ کی شفاعت کا بیان

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي۔(۱)

''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔''

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، فَقَالَ لِي

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب صفة القيامة، باب في الشفاعة، ۴: ۶۲۵، رقم: ۲۴۳۵

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب السنة، باب في الشفاعة، ۴: ۲۳۶، رقم: ۴۷۳۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۱۳، رقم: ۱۳۲۲۲

۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۷۵، رقم: ۴۷۱۳ (یہ روایت حضرت ابنِ عباس ص سے مروی ہے۔)

جَابِرٌ: يَا مُحَمَّدُ! مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْكَبَائِرِ فَمَا لَهُ وَلِلشَّفَاعَةِ۔(۱)

''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ امام محمد بن علی (الباقر) کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے محمد! جو کبیرہ گناہوں والے نہیں ہوں گے ان کی شفاعت کا کیا حال ہوگا؟''

۸۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعتِ عامہ کا بیان

۱۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرُ فَخْرٍ۔(۲)

''میں قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام کا امام ہوں گا اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرنے والا اور ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا حق دلانے والا ہوں گا اور میں یہ بات بطورِ فخر نہیں کہہ رہا۔''

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، کتاب صفة القيامة، باب في الشفاعة، ۴:۶۲۵، رقم: ۲۴۳۶
۲۔ حاکم، المستدرك، ۱:۱۴۰، رقم: ۲۳۲
۳۔ طيالسی، المسند، ۱:۲۳۳، رقم: ۱۶۶۹

(۲) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، کتاب المناقب، باب في فضل النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵:۵۸۶، رقم: ۳۶۱۳
۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الزهد، باب ذکر الشفاعة، ۲:۱۴۴۳، رقم: ۴۳۱۴
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۱۳۷، رقم: ۲۱۲۴۵

سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنْ يَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ: أَنَا فَاعِلٌ! قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! فَأَيْنَ أَطْلُبُكَ؟ قَالَ: اُطْلُبْنِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِي عَلَى الصِّرَاطِ، قَالَ: قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْمِيْزَانِ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَانِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْحَوْضِ، فَإِنِّي لَا أُخْطِيءُ هَذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ.(۱)

’’میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہی ایسا کرنے والا ہوں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں (میدانِ حشر میں) آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر آپ وہاں نہ ملیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میزان کے پاس ڈھونڈنا، میں نے عرض کیا: اگر وہاں بھی نہ ملیں تو کہاں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم مجھ کو حوض کوثر پر تلاش کرنا کیونکہ ان تین جگہوں میں سے ہی کسی جگہ پر میں ہوں گا۔‘‘

۳۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنِّي لَأَرْجُوْ أَنْ أَشْفَعَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدَدَ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ وَمَدَرَةٍ۔(۲)

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، کتاب صفة القيامة والرقائق، باب ما جاء في شأن الصراط، ۴: ۶۲۱، رقم: ۲۴۳۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۸، رقم: ۱۲۸۲۵ (اس حدیث کے رجال صحیح ہیں۔)

۳۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۷: ۲۴۶، رقم: ۲۶۹۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۴۷، رقم: ۲۲۹۴۳ ←

''مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن روئے زمین کے جملہ درختوں اور مٹی کے ڈھیلوں کی مقدار کے برابر اپنی امت کے افراد کی شفاعت کروں گا۔''

۹۔ روزِ قیامت حضور ﷺ کی شفاعت کے درجہ بہ درجہ حقدار

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لِلْأَنْبِيَاءِ مَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: فَيَجْلِسُوْنَ عَلَيْهَا وَيَبْقٰی مِنْبَرِي لَا أَجْلِسُ عَلَيْهِ أَوْ لَا أَقْعُدُ عَلَيْهِ، قَائِمًا بَيْنَ يَدَيَّ رَبِّي مَخَافَةً أَنْ يَبْعَثَ بِيْ إِلَی الْجَنَّةِ وَ يَبْقٰی أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا مُحَمَّدُ! مَا تُرِيْدُ أَنْ أَصْنَعَ بِأُمَّتِكَ؟ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ عَجِّلْ حِسَابَهُمْ، فَيُدْعٰی بِهِمْ فَيُحَاسَبُوْنَ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِي فَمَا أَزَالُ أَشْفَعُ حَتّٰی أُعْطٰی صِكَاكًا بِرِجَالٍ قَدْ بُعِثَ بِهِمْ إِلَی النَّارِ، وَآتِي مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ فَيَقُوْلُ: يَا مُحَمَّدُ! مَا تَرَكْتَ لِلنَّارِ لِغَضَبِ رَبِّكَ فِي أُمَّتِكَ مِنْ بَقِيَّةٍ ۔(۱)

.... ۲۔ روياني، المسند، ۱: ۴۳، رقم: ۳۰

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۳۷۸

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۱۳۵، رقم: ۲۲۰ (امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔)

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۲۰۸، رقم: ۲۹۳۷

۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۰: ۳۱۷، رقم: ۱۰۷۷۱

’’(قیامت کے دن) تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے وہ ان پر بیٹھیں گے، اور میرا منبر خالی رہے گا میں اس پر نہ بیٹھوں گا بلکہ اپنے رب کریم کے حضور کھڑا رہوں گا اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد (کہیں بے یار و مددگار) رہ جائے۔ پس میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: محمد (ﷺ)! آپ کی کیا مرضی ہے، آپ کی امت کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میں عرض کروں گا: اے میرے رب! ان کا حساب جلدی فرما دے۔ پس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب ہو گا، کچھ ان میں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں گے، اور کچھ میری شفاعت سے۔ میں شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے ان کی رہائی کا پروانہ بھی عطا کر دیا جائے گا جنہیں دوزخ میں بھیجا جا چکا ہو گا، جب میں داروغۂ جہنم کے پاس آؤں گا تو وہ عرض کرے گا: اے محمد! آپ نے اپنی امت میں سے کوئی بھی دوزخ میں باقی نہیں چھوڑا جس پر اللہ رب العزت ناراض ہو۔‘‘

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ أَشْفَعُ لَهُ مِنْ أُمَّتِي أَهْلُ بَيْتِي، ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ مِنْ قُرَيْشٍ، ثُمَّ الْأَنْصَارُ، ثُمَّ مَنْ آمَنَ بِي وَاتَّبَعَنِي مِنَ الْيَمَنِ، ثُمَّ مِنْ سَائِرِ الْعَرَبِ، ثُمَّ الْأَعَاجِمُ، وَأَوَّلُ مَنْ أَشْفَعُ لَهُ أُولُو الْفَضْلِ۔[1]

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۴۲۱، رقم: ۱۳۵۵۰
۲۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۲۳، رقم: ۲۹
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۳۸۰

''میں قیامت کے روز سب سے پہلے اپنی امت میں سے اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا، پھر مرتبہ بہ مرتبہ قریب ترین قریشی کی، پھر انصار کی، پھر اس کی جو یمن میں سے مجھ پر ایمان لایا اور میری اتباع کی، پھر باقی عرب کی، پھر تمام عجم کے مؤمنین کی اور میں جس کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ اہلِ فضل ہوں گے۔''

۱۰۔ شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ کے طفیل بلاحساب جنت میں داخل ہونے کا بیان

۱۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ وَالنَّبِيَّانِ يَمُرُّوْنَ مَعَهُمُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، حَتَّى رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيْمٌ، قُلْتُ: مَا هَذَا؟ أُمَّتِي هَذِهِ؟ قِيْلَ: بَلْ هَذَا مُوْسَى وَقَوْمُهُ، قِيْلَ: أَنْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ، فَإِذَا سَوَادٌ يَمْلَأُ الْأُفُقَ، ثُمَّ قِيْلَ لِي: أُنْظُرْ هَاهُنَا! وَ هَاهُنَا فِي آفَاقِ السَّمَاءِ، فَإِذَا سَوَادٌ قَدْ مَلَأَ الْأُفُقَ، قِيْلَ: هَذِهِ أُمَّتُكَ! وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، ثُمَّ دَخَلَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَهُمْ، فَأَفَاضَ الْقَوْمُ وَقَالُوْا: نَحْنُ الَّذِيْنَ آمَنَّا بِاللهِ وَاتَّبَعْنَا رَسُوْلَهُ، فَنَحْنُ هُمْ أَوْ أَوْلَادُنَا الَّذِيْنَ وُلِدُوْا فِي الْإِسْلَامِ فَإِنَّا وُلِدْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَخَرَجَ فَقَالَ: هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ، فَقَالَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ: أَ مِنْهُمْ أَنَا يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ: أَ مِنْهُمْ أَنَا؟ قَالَ: سَبَقَكَ

بِهَا عُكَّاشَةُ۔(۱)

’’مجھ پر سابقہ امتیں پیش کیں گئیں تو ایک اور دو نبی گزرنے لگے جن کے ساتھ ایک جماعت تھی، اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا یہاں تک کہ ایک جمِ غفیر میرے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ یہ میری امت ہے؟ کہا گیا: نہیں بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ کہا گیا: آپ آسمان کے کنارے کی طرف دیکھیں تو میں نے اچانک دیکھا کہ ایک جمِ غفیر نے افق کو گھیرا ہوا ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: ادھر دیکھئے اور ادھر آسمان کے (دیگر) کناروں کی طرف بھی دیکھئے تو دیکھا کہ اس جمِ غفیر نے ہر طرف سے آسمان کو گھیرا ہوا ہے۔ مجھے کہا گیا: یہ آپ کی امت ہے! اور ان میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور مزید وضاحت نہ فرمائی تو لوگ باہم بات چیت کرتے ہوئے کہنے لگے: ہم وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی، پس وہ ہم ہی ہیں یا ہماری اولاد ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے کیونکہ ہم تو دورِ جاہلیت میں پیدا ہوئے۔ پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کرائیں گے، نہ بدفالی لیں گے، نہ نشان لگوا کر علاج

() ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره، ۵: ۲۱۵۷، رقم: ۵۳۷۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب، ۱: ۱۹۹، رقم: ۲۲۰

۳۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب صفة القيامة والرقائق، باب ما جاء فی صفة أواني الحوض، ۴: ۶۳۱، رقم: ۲۴۴۶

کرائیں گے بلکہ سارے معاملات میں صرف اپنے رب پر توکل کریں گے۔ پس عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا: کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عکاشہ اس بارے میں تجھ پر سبقت لے گیا ہے۔‘‘

۲۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُوْنَ أَلْفًا أَوْ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ، شَكَّ فِي أَحَدِهِمَا، مُتَمَاسِكِيْنَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ، حَتَّى يَدْخُلَ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمُ الْجَنَّةَ، وَوُجُوْهُهُمْ عَلَى ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔(۱)

’’میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل ہوں گے، (راوی کو دونوں میں سے ایک کا شک ہے) یہ ایک دوسرے کو تھامے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ ان کا پہلا اور آخری شخص جنت میں داخل ہوجائے گا۔ اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون ألفا بغیر حساب، ۵: ۲۳۹۶، رقم: ۶۱۷۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب، ۱: ۱۹۸، رقم: ۲۱۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۵، رقم: ۲۲۸۳۹

فرماتے ہوئے سنا:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا، تُضِيءُ وُجُوْهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْأَسَدِيُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْهُ مِنْهُمْ، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ؟ فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔(۱)

’’میری امت کے ستر ہزار افراد کا گروہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو گا جن کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عکاشہ بن محصن نے اپنی اون کی چادر کو بلند کرتے ہوئے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان میں شامل فرما لے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اس کو ان میں شامل فرما لے، پھر ایک انصاری شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل کر لے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفًا بغير حساب، ۵: ۲۳۹۶، رقم: ۶۱۷۶
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب، ۱: ۱۹۷، رقم: ۲۱۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۰۰، رقم: ۹۲۰۲

فرماتے ہوئے سنا:

وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِيْنَ أَلْفًا، لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُوْنَ أَلْفًا وَثَلَاثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِهِ.(۱)

’’میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ مزید ۷۰ ہزار کو داخل کرے گا نیز اللہ تعالیٰ اپنے چلوؤں میں سے تین چلو (اپنے حسبِ حال جہنمیوں سے بھر کر) بھی جنت میں ڈالے گا۔‘‘

۵۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيْتُ سَبْعِيْنَ أَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، وُجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَقُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ، فَاسْتَزَدْتُ رَبِّي عزوجل، فَزَادَنِي مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِيْنَ أَلْفًا. قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: فَرَأَيْتُ أَنَّ ذَالِكَ آتٍ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى وَمُصِيْبٌ مِنْ حَافَّاتِ الْبَوَادِي ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب في الشفاعة، ۴: ۶۲۶، رقم: ۲۴۳۷
۲۔ ابن ماجة في السنن، كتاب الزهد، باب صفة محمد ﷺ، ۲: ۱۴۳۳، رقم: ۴۲۸۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۸، رقم: ۲۲۳۰۳ (اس کی اسناد حسن ہے۔)

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۶، رقم: ۲۲
۲۔ أبويعلى، المسند، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۱۲

''مجھے ستر ہزار افراد ایسے عطا کیے گئے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کے دل (صفاء و جلاء میں) ایک شخص کے دل کے مطابق ہوں گے۔ پس میں نے اپنے رب عزوجل سے زیادہ چاہا تو اس نے ہر ہزار کے ساتھ مزید ۷۰ ہزار کا میرے لئے اضافہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ بے شک یہ (مقام) دیہات کے رہنے والوں کو حاصل ہوگا اور ننگے پاؤں چلنے والے صحرائی باشندوں کو پہنچے گا۔''

۶۔ حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَشْفَعُ لِأُمَّتِي حَتَّى يُنَادِيَنِي رَبِّي عزوجل فَيَقُوْلُ: أَرَضِيْتَ يَا مُحَمَّدُ؟ فَأَقُوْلُ: نَعَمْ رَضِيْتُ۔(۱)

''میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا حتی کہ میرا رب مجھے ندا دے کر پوچھے گا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ راضی ہوگئے؟ چنانچہ میں عرض کروں گا: ہاں! میں راضی ہوگیا۔''

خلاصۂ بحث

امت کا اس پر اجماع ہے اور اس کا انکار کوئی مومن نہیں کرسکتا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت عقیدہ ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ متفق علیہ احادیث مبارکہ سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعتِ کبریٰ کے مقام پر فائز کیا جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے جملہ اہلِ محشر مستفید ہوں گے اور یہ شفاعت بطورِ خاص ان

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۳: ۴۴، رقم: ۲۰۸۴
۲۔ بزار، المسند، ۲: ۲۴۰، رقم: ۶۳۸
۳۔ ابن کثیر، نهاية بداية النهاية، ۱۰: ۴۵۷

گناہگاروں کے لئے بھی ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونے کے باعث جہنم کے حقدار ٹھہرائے جاچکے ہوں گے۔ حضور ﷺ کی شفاعتِ عظمیٰ کی وجہ سے ہر امتی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

صالحین و نیکوکار اپنے محبین اور تعلق داروں کے ہاتھ تھامے ہوئے انہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ وہ اپنے احباب کو ایک زنجیر کی طرح اپنے ہاتھوں کے قلاوے میں لئے ہوں گے اور گنہگاران کے ساتھ بغیر حساب کے داخلِ جنت ہوں گے۔

فصل چہارُم

اَولیاءِ اللہ اور اَعمالِ صالحہ کی شفاعت

جملہ انبیاء علیھم السلام، اولیاء و صالحین، قرآن مجید، ماہ رمضان اور دیگر نیک اعمال کی شفاعت قرآن و حدیث سے ثابت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں درجہ بہ درجہ شفاعت کا حق پانے والوں میں سے وہ چھوٹے بچے بھی شامل ہیں جو شیر خوارگی میں انتقال کر گئے وہ اپنے والدین کی شفاعت کریں گے۔ شہید اپنے احباب کی شفاعت کریں گے، مظلوم جن کی مدد کی گئی اپنے مدد گاروں کی شفاعت کریں گے، پیاسے اپنے سیراب کرنے والوں کی شفاعت کریں گے یہاں تک کہ وہ پیاسا کتا بھی سفارش کرے گا جس کی کسی نے تشنگی دور کی۔ ذیل میں چند احادیثِ مبارکہ درج کی جا رہی ہیں:

۱۔ اَولیاء و صالحین کی شفاعت کا بیان

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیثِ مبارکہ مروی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مؤمنین کا اپنے مؤمن بھائیوں کی شفاعت کرنے کے باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

فَمَا أَنْتُمْ بِأَشَدَّ لِي مُنَاشَدَةً فِي الْحَقِّ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِ يَوْمَئِذٍ لِلْجَبَّارِ، وَإِذَا رَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ نَجَوْا فِي إِخْوَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا إِخْوَانُنَا، كَانُوْا يُصَلُّوْنَ مَعَنَا، وَ يَصُوْمُوْنَ مَعَنَا، وَ يَعْمَلُوْنَ مَعَنَا، فَيَقُوْلُ اللهُ تَعَالَى: اِذْهَبُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِيْنَارٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ، وَ يُحَرِّمُ اللهُ صُوَرَهُمْ عَلَى النَّارِ، فَيَأْتُوْنَهُمْ وَ بَعْضُهُمْ قَدْ غَابَ فِي النَّارِ إِلَى قَدَمِهِ وَ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، فَيُخْرِجُوْنَ مَنْ

عَرَفُوْا، ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ، فَيَقُوْلُ: اِذْهَبُوْا، فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِيْنَارٍ فَأَخْرِجُوْهُ، فَيُخْرِجُوْنَ مَنْ عَرَفُوْا، ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ، فَيَقُوْلُ: اِذْهَبُوْا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ، فَيُخْرِجُوْنَ مَنْ عَرَفُوْا. قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: فَإِنْ لَمْ تُصَدِّقُوْنِي فَاقْرَءُوا ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ إِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا﴾ (۱) فَيَشْفَعُ النَّبِيُّوْنَ وَالْمَلَائِكَةُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ. فَيَقُوْلُ الْجَبَّارُ: بَقِيَتْ شَفَاعَتِي، فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ، فَيُخْرِجُ أَقْوَامًا قَدِ امْتُحِشُوْا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرٍ بِأَفْوَاهِ الْجَنَّةِ، يُقَالُ لَهُ: مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُوْنَ فِي حَافَتَيْهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ، قَدْ رَأَيْتُمُوْهَا إِلَى جَانِبِ الصَّخْرَةِ وَ إِلَى جَانِبِ الشَّجَرَةِ، فَمَا كَانَ إِلَى الشَّمْسِ مِنْهَا كَانَ أَخْضَرَ، وَمَا كَانَ مِنْهَا إِلَى الظِّلِّ كَانَ أَبْيَضَ، فَيَخْرُجُوْنَ كَأَنَّهُمُ اللُّؤْلُؤُ، فَيُجْعَلُ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِيْمُ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، فَيَقُوْلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ: هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ، أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ، فَيُقَالُ لَهُمْ: لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلَهُ مَعَهُ. (۲)

---

(۱) النساء، ۴: ۴۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة، ٦: ٢٧٠٧، رقم: ٧٠٠١

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، ۱: ۱۶۹، رقم: ۱۸۳

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الإيمان وشرائعه، باب زيادة الإيمان، ۸: ۱۱۲، رقم: ۵۰۱۰

’’تم مجھ سے حق کا مطالبہ کرنے میں جو تمہارے لئے واضح ہوچکا ہے آج اس قدر سخت نہیں ہو جس قدر شدت کے ساتھ مومن اس روز اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کریں گے۔ جس وقت وہ دیکھیں گے کہ وہ نجات پاگئے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے حق میں مطالبہ کرتے ہوئے وہ عرض کریں گے: اے رب! (یہ) ہمارے بھائی (ہیں جن کو تو نے دوزخ میں ڈال دیا یہ) ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ (نیک) عمل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں دینار کے وزن کے برابر ایمان پاؤ اسے (دوزخ سے) نکال لو اور اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو آگ پر حرام کردیگا، پس وہ ان کے پاس آئیں گے جبکہ بعض قدموں تک اور بعض پنڈلیوں تک آگ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے چنانچہ جن کو وہ پہچانیں گے انہیں نکال لیں گے۔ پھر واپس لوٹیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لو، پس وہ جسے پہچانیں گے نکال لیں گے۔ پھر وہ واپس لوٹیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں ذرے کے برابر بھی ایمان پاؤ اسے بھی نکال لو چنانچہ وہ جسے پہچانیں گے نکال لیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جسے یقین نہ آتا ہو وہ یہ آیت پڑھ لے: ﴿بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اوراگر کوئی نیکی ہوتو اسے دوگنا کردیتا ہے﴾۔ پس انبیاء، فرشتے اور مؤمنین شفاعت کریں گے تو خالق ومالک جبارفرمائے گا: میری شفاعت باقی ہےتو وہ دوزخ سے (جہنمیوں کو) مٹھی بھرکر نکالے گا جو جل کر کوئلے کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ پھر انہیں نہرِ آبِ حیات میں ڈال دیا جائے گا جو جنت کے کناروں پر ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح تروتازہ ہوکرنکلیں گے جیسے سیلابی جگہ سے دانہ اگتا ہے جن کو تم نے کسی پتھر یا درخت کے پاس دیکھا ہوگا۔ پس ان میں سے جس کا رخ سورج کی طرف ہوتا ہے وہ سبز اور جو سایہ میں ہوتا ہے سفید رہتا ہے گویا وہ موتیوں

کی مانند نکلیں گے اور ان کی گردنوں میں مہریں لگا دی جائیں گی پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ سو اہلِ جنت کہیں گے: یہ رحمان کے آزاد کردہ ہیں کہ اس نے ان کو بغیر عمل کیے اور بغیر کسی بھلائی کے جسے وہ آگے بھیج چکے ہوں جنت میں داخل کر دیا۔ پس ان (جہنم سے آزاد ہونے والوں) سے کہا جائے گا: تمہارے لئے جو تم نے دیکھا یہ اور اس کی مثل مزید ہے۔''

۲۔ عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ ایلیاء کے مقام پر میں ایک گروہ کے ساتھ تھا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَكْثَرُ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ. قِيلَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! سِوَاكَ؟ قَالَ: سِوَايَ. فَلَمَّا قَامَ، قُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالُوْا: هَذَا ابْنُ أَبِي الْجَذْعَاءِ۔(۱)

''میری امت کے ایک شخص (حضرت عثمان بن عفان یا اویس قرنی) کی شفاعت کے سبب بنوتمیم کے افراد سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ شخص آپ کے علاوہ کوئی اور ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے علاوہ۔ راوی کہتے ہیں: پس جب وہ چلے گئے تو میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتلایا: یہ ابنِ ابی جذعاء ہے۔''

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب صفة القيامة و الرقائق، باب ما جاء في الشفاعة، ۴: ۶۲۶، رقم: ۲۴۳۸
۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، ۲: ۱۴۴۳، رقم: ۴۳۱۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۶۹۔ ۴۷۰، رقم: ۱۵۸۵۷

۳۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَ يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَ يُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ يَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَ يُوْضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ، وَ يُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ أَقَارِبِهِ۔(۱)

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے شہید کو چھ خصوصیات عطا ہوتی ہیں: خون بہتے ہی اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے۔ عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ قیامت کی گھبراہٹ اور خوف سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے سر پر یاقوت سے بنا ہوا عزت وعظمت والا تاج رکھا جاتا ہے، ۷۲ حوریں عِین (جن کی آنکھوں کی پتلی بڑی اور چوڑی ہیں) کو اس کی زوجیت میں دیا جاتا ہے اور اس کے ۷۰ رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔''

۴۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب فضائل الجهاد، باب فی فضائل الشهيد، ۴: ۱۸۷، رقم: ۱۶۶۳

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الجهاد، باب فضل الشهادة فی سبيل الله، ۲: ۹۳۵، رقم: ۲۷۹۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۱، رقم: ۱۷۱۸۲ (اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔)

يَشْفَعُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمِثْلِ رَبِيْعَةَ وَ مُضَرَ (۱)

''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دو قبیلوں ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔''

۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ لِلْفِئَامِ مِنَ النَّاسِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْعَصَبَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ (۲)

''بے شک میرے امت میں سے کوئی لوگوں کے ایک گروہ کی شفاعت کرے گا، کوئی کسی قبیلہ کی شفاعت کرے گا، کوئی کسی جماعت کی شفاعت کرے گا اور کوئی کسی شخص کی شفاعت کرے گا یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔''

٦۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَـلَاثَةٌ: الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (۳)

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب صفة القيامة والرقائق، باب ما جاء في الشفاعة، ۴: ۶۲۷، رقم: ۲۴۳۹

(۲) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب صفة القيامة و الرقائق، باب ما جاء في الشفاعة، ۴: ۶۲۷، رقم: ۲۴۴۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۰، رقم: ۱۱۱۴۸

(۳) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، ۲: ۱۴۴۳، رقم: ۴۳۱۳

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۲۶۵، رقم: ۱۷۰۷

۳۔ آجري، الشريعة: ۳۵۰

''قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے: انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔''

۷۔ عبداللہ بن قیس فرماتے ہیں: میں ایک رات ابو بردہ کے پاس تھا کہ ہمارے پاس حضرت حارث بن اُقیش رضی اللہ عنہ آئے۔ حارث نے اسی رات ہمیں بیان کیا کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهِ أَكْثَرُ مِنْ مُضَرَ، وَ إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَعْظُمُ لِلنَّارِ حَتَّى يَكُوْنَ أَحَدَ زَوَايَاهَا۔(۱)

''میرے ایک امتی کی شفاعت کے سبب قبیلہ مضر سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور بے شک ایک ایسا امتی بھی ہوگا (جو اپنے گناہوں کے سبب) دوزخ کے لئے اتنا بڑا ہوجائے گا کہ اس کا ایک کونہ ہوگا۔''

۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَصُفُّ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُفُوْفاً (وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: أَهْلُ الْجَنَّةِ) فَيَمُرُّ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ عَلَى الرَّجُلِ، فَيَقُوْلُ: يَا فُلَانُ! أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ اسْتَسْقَيْتَ فَسَقَيْتُكَ شَرْبَةً؟ قَالَ: فَيَشْفَعُ لَهُ، وَيَمُرُّ الرَّجُلُ، فَيَقُوْلُ: أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ نَاوَلْتُكَ طَهُوْرًا؟ فَيَشْفَعُ لَهُ، وَيَقُوْلُ: يَافُلَانُ! أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ بَعَثْتَنِي فِي حَاجَةٍ كَذَا وَكَذَا؟ فَذَهَبْتُ لَكَ،

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الزهد، باب صفة النار، ۲: ۱۴۴۶، رقم: ۴۳۲۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۱۲

۳۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۲۴۲، رقم: ۲۳۸

فَيَشْفَعُ لَهُ۔ (۱)

’’قیامت کے دن لوگ صفیں بنائیں گے (ابنِ نمیر نے کہا یعنی اہلِ جنت) تو دوزخیوں میں سے ایک شخص جنتی شخص کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: اے فلاں! تجھے یاد ہے کہ ایک دن تُو نے پانی مانگا تو میں نے تجھے پانی پلایا تھا؟ پس وہ جنتی اس کے لئے شفاعت کرے گا۔ ایک اور آدمی دوسرے آدمی کے پاس سے گزرتے ہوئے کہے گا: تجھے یاد ہے کہ میں نے ایک دن تجھے طہارت کے لئے پانی دیا تھا؟ چنانچہ وہ اس کے لئے شفاعت کرے گا۔ ایک اور آدمی کہے گا: اے فلاں: تجھے یاد ہے کہ ایک دن تو نے مجھے اِس اِس کام کے لئے بھیجا چنانچہ میں تیری خاطر چلا گیا تھا؟ پس وہ اس کے لئے شفاعت کرے گا۔‘‘

۹۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مُيِّزَ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَ أَهْلُ النَّارِ، فَدَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَ أَهْلُ النَّارِ النَّارَ. قَامَتِ الرُّسُلُ فَشَفَعُوْا، فَيَقُوْلُ: اِنْطَلِقُوْا أَوِ اذْهَبُوْا، فَمَنْ عَرَفْتُمْ فَأَخْرِجُوْهُ، فَيُخْرِجُوْنَهُمْ قَدِ امْتُحِشُوْا، فَيُلْقُوْنَهُمْ فِي نَهَرٍ أَوْ عَلَى نَهَرٍ. يُقَالُ لَهُ: اَلْحَيَاةُ. قَالَ: فَتَسْقُطُ مَحَاشُّهُمْ عَلَى حَافَةِ النَّهَرِ، وَ يَخْرُجُوْنَ بِيْضًا مِثْلَ الثَّعَارِيْرِ، ثُمَّ يَشْفَعُوْنَ، فَيَقُوْلُ: اِذْهَبُوْا أَوِ انْطَلِقُوْا، فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ قِيْرَاطٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُمْ، قَالَ: فَيُخْرِجُوْنَ بَشَرًا، ثُمَّ يَشْفَعُوْنَ، فَيَقُوْلُ: اِذْهَبُوْا

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأدب، باب فضل صدقة الماء، ۲: ۱۲۱۵، رقم: ۳۶۸۵

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۷۸، رقم: ۴۰۰۶

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶: ۳۱۷، رقم: ۶۵۱۱

أَوِ انْطَلِقُوْا، فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ، ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا الْآنَ أُخْرِجُ بِعِلْمِي وَرَحْمَتِي، قَالَ: فَيُخْرِجُ أَضْعَافَ مَا أَخْرَجُوْا وَأَضْعَافَهُ، فَيُكْتَبُ فِي رِقَابِهِمْ عُتَقَاءُ اللهِ ﷻ، ثُمَّ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، فَيُسَمَّوْنَ فِيْهَا الْجَهَنَّمِيِّيْنَ.(۱)

''جب جنتی اور جہنمی لوگوں میں امتیاز ہوجائے گا، پس جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوجائیں گے۔ اس کے بعد رسلِ عظام کھڑے ہو کر شفاعت فرمائیں گے۔ پس (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: جاؤ اور جس جس کو تم پہچانتے ہو اس کو جہنم سے نکال لو تو وہ ایسے لوگوں کو نکال لیں گے جو جل کر کوئلے کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ پھر انہیں آبِ حیات کی نہر میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر فرمایا: پس اُن کے جلے ہوئے جسموں کو نہر کے کنارے میں ڈال دیا جائے گا۔ جس کے بعد وہ ککڑیوں کی طرح سفید تروتازہ ہو کر نکلیں گے۔ پھر اس کے بعد وہ دوبارہ شفاعت فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں رتی برابر ایمان پاؤ اسے بھی جہنم سے نکال لو سو وہ جلدی سے نکال لیں گے۔ پھر شفاعت کریں گے تو انہیں کہا جائے گا: جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان پاؤ تو اسے بھی نکال لو۔ پھر اللہ ﷻ فرمائے گا: اب میں اپنے علم اور رحمت سے نکالوں گا پس اللہ تعالیٰ جو انہوں نے نکالیں ہوں گے اس سے کئی گنا زیادہ لوگوں کو نکال لے گا اس سے بھی زیادہ، سو ان کی گردنوں پر لکھ دیا جائے گا عتقاء اللہ (اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ)۔ پھر انہیں جنت میں داخل کردیا جائے گا اور اس میں انہیں جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا۔''

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۳۲۵، رقم: ۱۴۴۹۱
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱:۴۱۰، رقم: ۱۸۳
۳۔ ابن جعد، المسند، ۱:۳۸٦، رقم: ۲٦۴۳

۱۰۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُحْمَلُ النَّاسُ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَتَقَادَعُ بِهِمْ جَنَبَةُ الصِّرَاطِ تَقَادُعَ الْفَرَاشِ فِي النَّارِ، قَالَ: فَيُنْجِي اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ. قَالَ: ثُمَّ يُؤْذَنُ لِلْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّينَ وَ الشُّهَدَاءِ أَنْ يَشْفَعُوا، فَيَشْفَعُونَ وَ يُخْرِجُونَ، وَيَشْفَعُونَ وَ يُخْرِجُونَ، وَيَشْفَعُونَ وَيُخْرِجُونَ، وَ زَادَ عَفَّانُ مَرَّةً، فَقَالَ أَيْضًا: وَ يَشْفَعُونَ وَ يُخْرِجُونَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً مِنْ إِيْمَانٍ. (۱)

’’قیامت کے دن لوگ پل صراط پر چلیں گے تو پل صراط کا کنارہ ان لوگوں کو پتنگوں کے آگ میں گرنے کی طرح اس میں گرائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہے گا نجات دے گا۔ پھر فرشتوں، نبیوں، اور شہداء کو اجازت دی جائے گی کہ وہ شفاعت کریں۔ پس وہ شفاعت کریں گے اور (دوزخیوں کو) نکالیں گے، پھر وہ شفاعت کریں گے اور (دوزخیوں کو) نکالیں گے، پھر وہ شفاعت کریں گے اور (دوزخیوں کو) نکالیں گے۔ عفان نے اس میں اضافہ کیا ہے: وہ شفاعت کریں گے اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو بھی (دوزخ سے) نکال لیں گے۔‘‘

۱۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيَتَحَمَّدَنَّ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى أُنَاسٍ مَا عَمِلُوا مِنْ خَيْرٍ قَطُّ.

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۳، رقم: ۲۰۴۴۰ (اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔)
۲۔ بزار، المسند، ۹: ۱۲۳، رقم: ۳۶۷۱
۳۔ طبراني، المعجم الصغير، ۲: ۱۴۲، رقم: ۹۲۹

فَيُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا احْتَرَقُوْا فَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ بَعْدَ شَفَاعَةِ مَنْ يَشْفَعُ۔(۱)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں پر ان کے بارے احسان جتائے گا جنہوں نے (دنیا میں) کبھی کوئی بھلائی کی ہوگی۔ پس وہ لوگوں کو جہنم میں جلنے کے بعد شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کے بعد اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل کرے گا۔''

۱۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُعَمَّرٍ يُعَمَّرُ فِي الْإِسْلَامِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً إِلَّا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْهُ ثَلَاثَةَ أَنْوَاعٍ مِنَ الْبَلَاءِ: اَلْجُنُوْنَ وَ الْجُذَامَ وَالْبَرَصَ. فَإِذَا بَلَغَ خَمْسِيْنَ سَنَةً: لَيَّنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْحِسَابَ. فَإِذَا بَلَغَ سِتِّيْنَ: رَزَقَهُ اللّٰهُ الْإِنَابَةَ إِلَيْهِ بِمَا يُحِبُّ، فَإِذَا بَلَغَ سَبْعِيْنَ سَنَةً: أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَ أَحَبَّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ. فَإِذَا بَلَغَ الثَّمَانِيْنَ: قَبِلَ اللّٰهُ حَسَنَاتِهِ وَ تَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِهِ. فَإِذَا بَلَغَ تِسْعِيْنَ: غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، وَ سُمِّيَ أَسِيْرَ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ وَشَفَعَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ۔(۲)

''کسی بھی شخص کو جب اسلام میں ۴۰ سال تک عمر دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین قسم کی بلائیں دور فرماتا ہے: پاگل پن، کوڑھ اور سفید داغ۔ پھر جب

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۰۰، رقم: ۹۲۰۱
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۳۴۶، رقم: ۵۵۰۶

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۱۷، رقم: ۱۳۲۷۹
۲۔ أبویعلی، المسند، ۷: ۲۴۱، رقم: ۴۲۴۶
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۲۰۹

وہ ۵۰ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر حساب نرم فرماتا ہے۔ پھر جب وہ ٦۰ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایسے توجہ فرماتا ہے جیسے وہ پسند کرتا ہے۔ پھر جب وہ ۷۰ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور اہلِ آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ ۸۰ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں قبول فرماتا ہے اور اس کی برائیوں سے درگزر کرتا ہے۔ جب وہ ۹۰ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کے پہلے اور بعد کے گناہ بخش دیتا ہے، اسے زمین میں اللہ تعالیٰ کے قیدی کا نام دیا جاتا ہے اور وہ اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔‘‘

۱۳۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ(۱)

’’کسی بھی میت پر جب ایک سو (۱۰۰) مسلمانوں میں سے ہر ایک اس کی نماز پڑھتے ہوئے اس کے لیے شفاعت کرتے ہیں تو اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الجنائز، باب من صلی عليه مائة شفعوا فيه، ۲: ٦۵۴، رقم: ۹۴۷

۲۔ طيالسي، المسند، ۱: ۲۱۴، رقم: ۱۵۲٦

۳۔ بيهقي، السنن الکبری، ۴: ۳۰

۴۔ صحیح مسلم (رقم: ۹۴۸)، سنن ابن ماجه (رقم: ۱۴۸۹) اور مسند احمد بن حنبل (۱: ۲۷۷) میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ تعداد ۴۰ افراد بیان کی گئی ہے۔

۱۴۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِي، أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: وَ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَقَّقَةُ! قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِي لَنْ يُصَابُوْا بِمِثْلِي۔[1]

’’میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو (دو کم سن فوت شدہ بچے) ہوں گے، وہ اس شخص کو جنت میں لے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے جس شخص کا ایک پیش رو ہو؟ فرمایا: اے صاحبۂ خیرات! اس کو وہ ایک پیش رو ہی لے جائیگا۔ عرض کیا: جس کا کوئی پیش رو نہ ہو؟ فرمایا: جس کا کوئی نہیں ہوگا اس کا میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کسی کی جدائی کی تکلیف نہیں پہنچی۔‘‘

۲۔ قرآن مجید، رمضان المبارک اور دیگر باعثِ شفاعت اُمور کا بیان

۱۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِقْرَءُوا الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ. إِقْرَءُوا

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی ثواب من قدم ولدا، ۳: ۳۷۶، رقم: ۱۰۶۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۳۴، رقم: ۳۰۹۸ (اس کی سند حسن ہے۔)
۳۔ أبویعلی، المسند، ۵: ۱۳۸، رقم: ۲۷۵۲

الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَ سُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ، فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا. إِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَ تَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا تَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ۔(۱)

’’قرآن پاک پڑھا کرو بے شک یہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ تم دو روشن سورتیں بقرۃ اور آلِ عمران پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن دو بادلوں یا دو سائبانوں یا صف باندھے قطار کی شکل میں دو اڑتے ہوئے پرندوں کی طرح آ کر اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔ تم سورۃ البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا باعثِ برکت اور ترک کرنا حسرت ہے اور جادوگر اس تک پہنچنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔‘‘

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ، فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ، أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَ شَفَّعَهُ فِي عَشْرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔(۲)

’’جس نے اس طرح قرآن پڑھا کہ اسے حفظ کرلیا، پس اس کے حلال کو

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قرآۃ القرآن، ۱: ۵۵۳، رقم: ۸۰۴
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۱۵۰، رقم: ۴۶۸
۳۔ بیهقي، السنن الصغری، ۱: ۵۴۷، رقم: ۹۹۸،

(۲) ترمذي، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل قارئ القرآن، ۵: ۱۷۱، رقم: ۲۹۰۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۴۸، رقم: ۱۲۶۷

حلال اور حرام کو حرام سمجھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے خاندان سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کرے گا جن پر جہنم واجب ہوچکی تھی۔‘‘

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. يَقُوْلُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ. وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ[1]

’’روزے اور قرآن مجید قیامت کے دن بندے کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزے عرض کریں گے: اے پروردگار! میں نے اسے دن کے وقت کھانے اور شہوت کرنے سے روکے رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن عرض کرے گا: میں نے اسے رات کے وقت نیند سے بیدار رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔‘‘

معلوم ہوا کہ آخرت میں اولیاء اللہ و صالحین اور دیگر اعمالِ صالحہ کی شفاعت بھی حق ہے جو ایک سچے موحد کو نصیب ہوگی۔

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۴، رقم: ۶۶۲۶
۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۴۰، رقم: ۲۰۳۶
۳۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۲: ۳۴۶، رقم: ۱۹۹۴

فصل پنجم

کفار و مشرکین سے شفاعت کی نفی

گزشتہ صفحات میں ہم نے اِس اَمر کو قرآن و حدیث سے خوب واضح کر دیا ہے کہ جو لوگ اِذنِ اِلٰہی سے منصبِ شفاعت پر فائز ہیں وہ روزِ قیامت شفاعت کریں گے، اِن میں انبیاء، اولیاء اور صالحین ہیں۔ اس کے برعکس قرآن حکیم میں جن مقامات پر بھی نفئ شفاعت وارد ہوئی ہے اس کے مصداق کفار و مشرکین اور ان کے معبودانِ باطلہ ہیں۔ وہ نہ تو خود اس منصب کے اہل ہیں اور نہ کسی کی شفاعت کی بدولت جہنم سے خلاصی پا سکتے ہیں یعنی شفاعت کفار و مجرمین کے حق میں ہرگز بھی فائدہ مند نہیں ہوگی۔

۱۔ کافر سے شفاعت کی نفی

۱۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالٰی ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْماً لاَّ تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَo(۱)

''اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے کچھ بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ اس کی طرف سے (کسی ایسے شخص کی) کوئی سفارش قبول کی جائے گی (جسے اذنِ الٰہی حاصل نہ ہو گا) اور نہ اس کی طرف سے (جان چھڑانے کے لئے) کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ (امرِ الٰہی کے خلاف) ان کی امداد کی جا سکے گیo''

۲۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالٰی ہے:

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۴۸

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَo(۱)

’’اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی دوسری جان کی جگہ کوئی بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ اس کی طرف سے (اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے) کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو (اذنِ الٰہی کے بغیر) کوئی سفارش ہی فائدہ پہنچا سکے گی اور نہ (امرِ الٰہی کے خلاف) انہیں کوئی مدد دی جا سکے گیo‘‘

سورۂ بقرہ کی درج بالا آیت نمبر ۴۸ کے تحت ائمۂ تفسیر کی درج ذیل تصریحات اس اَمر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں کافروں سے شفاعت کی نفی مراد ہے۔

۱۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک ﴿لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ﴾ سے مراد ہر نفس نہیں بلکہ صرف نفسِ کافر ہے۔ اس کے بعد ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ میں بھی ’’ھا‘‘ ضمیر کا مرجع نفس ہونے کی وجہ سے ’’نفسِ کافر‘‘ ہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لا تغنی نفس کافرة عن نفس کافرة من عذاب اﷲ شيئًا۔(۲)

’’کوئی کافر نفس کسی دوسرے کافر نفس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔‘‘

۲۔ امام قرطبیؒ کے نزدیک بھی اس سے مراد نفس کافر ہی ہے، فرماتے ہیں:

النفس الکافرة لا کل نفس۔(۳)

(۱) البقرة، ۲: ۱۲۳

(۲) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۸

(۳) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۳۷۹

''(آیتِ مبارکہ میں نفس سے مراد) نفسِ کافر ہے نہ کہ ہر نفس۔''

۳۔ امام نسفیؒ (م۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

أی لا یقبل منها شفاعة للکافرة[1]

''یعنی اُس سے کافر کے بارے میں شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔''

۴۔ امام خازنؒ (م۷۴۱ھ) فرماتے ہیں:

والمعنی لا تقبل الشفاعة إذا کانت النفس کافرة[2]

''اس کا معنی یہ ہے کہ نفسِ کافر سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔''

۵۔ امام ابنِ کثیرؒ (م۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ یعنی من الکافرین۔[3]

''اور ان سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی' اس سے مراد یہ ہے کہ کافروں سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔''

ان اجل ائمۂ تفسیر کی تشریح و تعبیر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مذکورہ آیاتِ قرآنیہ میں کفار سے شفاعت کی نفی مراد ہے نہ کہ مومنین سے۔

۲۔ کفار کے حق میں شفاعت و دوستی کی نفی

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامینِ عالیہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی سنگت اور صحبت آخرت میں فائدہ مند ہو گی جبکہ کفار و مشرکین اور

(۱) نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ۱:۴۷

(۲) خازن، لباب التأویل في معاني التنزیل، ۱:۴۸

(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۸۹

مجرمین کی دوستی کسی کام نہ آئے گی اور نہ ایسے لوگوں کے لئے حقِ شفاعت ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہ (۱)

''ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور (کافروں کیلئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہوگی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیںo''

مذکورہ آیتِ کریمہ میں روزِ محشر درج ذیل تین چیزوں کی نفی کی گئی ہے:

۱۔ خرید وفروخت (لَا بَيْعَ)

۲۔ دوستی (لَا خُلَّة)

۳۔ شفاعت (لَا شَفَاعَة)

(۱) بیع کی نفی

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ۔ (۲)

''وہ دن جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی۔''

قرآن حکیم نے کسی دوسرے مقام پر روزِ قیامت بیع کا اثبات نہیں فرمایا۔ لہٰذا

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۵۴

اس آیتِ کریمہ میں مطلق بیع کی نفی مذکور ہے۔یعنی کفار اور مؤمنین میں سے کوئی شخص بھی روزِ قیامت بیع نہیں کرسکے گا۔

(۲) دوستی کی نفی

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے روز کوئی دوستی کام نہ آئے گی لیکن قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر خود اللہ تعالیٰ نے اس حکم سے مومنین ومتقین کو مستثنیٰ فرما دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَO[1]

''سارے دوست و احباب اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے (اُنہی کی دوستی اور ولایت کام آئے گی)o''

نصِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ دوستی جس کی بنیادتقویٰ پر ہو روزِ قیامت کام آئے گی۔جس دوستی کی نفی ہے وہ کفار ومشرکین کی دوستی ہے۔

(۳) شفاعت کی نفی

تیسری نفی اس مقام پر شفاعت کی ہے۔لیکن قرآن حکیم نے دیگر بہت سے مقامات پراس کا اثبات فرمایا ہے، ارشادفرمایا گیا:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ[2]

''اور اس کی بارگاہ میں شفاعت نفع نہ دے گی سوائے جس کے حق میں اس نے اذن دیا ہوگا۔''

(۱) الزخرف، ۴۳:۶۷

(۲) سبا، ۳۴: ۲۳

معلوم ہوا کہ شفاعت کی نفی کافروں سے ہے اور اثباتِ شفاعت مومنین کے لئے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِذن مل چکا ہے۔

ائمہِ تفسیر کی تصریحات

سورۃ البقرۃ کی درج بالا آیت نمبر ۲۵۴ میں ''وَلَا شَفَاعَةٌ'' پر چند مفسرین کرام کی تصریحات ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا شفاعة للكافرين۔[۱]

''لا شفاعة'' سے مراد یہ ہے کہ کافروں کے لئے کوئی شفاعت نہیں۔''

۲۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

ولا شفاعة إلا بإذن الله۔[۲]

''اور شفاعت نہیں مگر اللہ کے اذن سے۔''

۳۔ علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) رقمطراز ہیں:

فإن الدلائل قائمة على ثبوت الشفاعة للمؤمنين بعد أن يؤذن لهم فيها۔[۳]

''اذنِ شفاعت کے بعد مومنین کے شفاعت کرنے کے ثبوت میں بہت ساری دلیلیں موجود ہیں۔''

---

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۳۶
(۲) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۳:۲۶۶
(۳) إسماعيل حقی، روح البيان، ۱: ۳۹۶

۳۔ کفار کے لئے کوئی ولی و شفیع نہیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ۝[1]

''ان کے لئے اس کے سوا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ (کوئی) سفارشی تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۝''

امام بغوی (م ۵۱۶ھ) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و إنما نفى الشفاعة لغيره مع أن الأنبياء والأولياء يشفعون لأنهم لا يشفعون إلا بإذنه.[2]

''بے شک شفاعت کی نفی (صالحین کے) غیر کے لئے ہے جبکہ انبیاء و اولیاء شفاعت کریں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی شفاعت کریں گے۔''

قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ ۚ وَ اِنۡ تَعۡدِلۡ كُلَّ عَدۡلٍ لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا كَسَبُوۡا ۚ لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ۝[3]

''اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی اور اگر وہ (جان اپنے گناہوں کا) پورا پورا بدلہ (یعنی معاوضہ) بھی دے تو (بھی) اس

(۱) الأنعام، ۶: ۵۱

(۲) بغوی، معالم التنزیل، ۲: ۹۸

(۳) الأنعام، ۶: ۷۰

سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کے بدلے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے ان کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا پینا ہے اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے o‘‘

آیتِ مذکورہ میں دوٹوک انداز میں بیان فرمادیا گیا ہے کہ کافروں کیلئے کوئی شفیع اور مددگار نہ ہوگا۔ خود ائمہ تفسیر کی تصریحات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز جولوگ بے یارو مددگار ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان سرکش اور کافر ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یعنی الیهود و النصاریٰ و مشر کی العرب۔ (۱)

’’اس سے مراد یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ عرب ہیں۔‘‘

۲۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

أی لا تعلق قلبك بهم فإنهم أهل تعنت۔ (۲)

’’آپ کا ان سے کوئی قلبی تعلق نہیں کیونکہ وہ نافرمانی کرنے والے لوگ ہیں۔‘‘

۴۔ مشرکین کی شفاعت کرنے والے ماذون نہیں

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ o (۳)

’’اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھیں گے جن کی نسبت تم

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۱۱۲

(۲) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷: ۱۵

(۳) الأنعام، ۶: ۹۴

(یہ) گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے (معاملات) میں ہمارے شریک ہیں۔ بیشک (آج) تمہارا باہمی تعلق (و اعتماد) منقطع ہوگیا اور وہ (سب) دعوے جو تم کیا کرتے تھے تم سے جاتے رہےo‘‘

مذکورہ آیتِ کریمہ میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ مشرکین جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، ان کو شفاعت کرنے والا بھی خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا تمہارے ساتھ تمہارے شریک نظر نہیں آ رہے۔ تمہارے اور ان کے درمیان رابطہ ختم ہو چکا ہے اور جو تم گمان کرتے تھے وہ جاتا رہا۔ لہٰذا یہ نفی شفاعت مشرکین سے ہے نہ کہ مومنین سے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

شفعاءکم آلھتکم۔(۱)

’’(آیت میں) شفعاءکم سے مراد ہے: تمہارے معبودان باطلہ۔‘‘

۲۔ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

أی الذين عبدتموهم وجعلتموهم شركاء يريد الأصنام وكان المشركون يقولون الأصنام شركاء الله وشفعاؤنا عنده۔(۲)

’’(شفعاءکم) یعنی جن کی تم عبادت کرتے تھے اور انہیں شریک بناتے تھے۔ اس سے مراد بت ہیں اور مشرکین کہتے تھے (یہ) بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور اسی کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں۔‘‘

۳۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۱۱۵
(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۷: ۴۲

شفعاء کم الأصنام فی استحقاق عبادتکم شرکاء للہ۔[1]

''(آیت میں) شفعاء کم سے مراد بت ہیں جن کے بارے میں تم یہ خیال کرتے تھے کہ وہ استحقاقِ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔''

۵۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے والے شفاعت سے محروم ہوں گے

شفاعت دراصل اَجر دینے اور بخشش عطا کرنے کے اُلوہی نظام کا ایک حصہ ہے۔ صاف ظاہر ہے اَجر اور بخشش اسی کو دیا جائے گا جو اس کا مستحق ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس استحقاق کو حاصل کرنے کی پہلی شرط ایمان ہے اور پھر حتی المقدور عملِ صالح۔ یہ سب حقائق کھول کھول کر بتانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس مشکل گھڑی اور فیصلے کے دن سے پہلے ایمان لا کر اس کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ کفار جب ایمان کی ابتدائی شرط پر ہی پورا نہیں اترتے تو شفاعت کا استحقاق بھی نہیں رکھتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝[2]

''وہ صرف اس (کہی ہوئی بات) کے انجام کے منتظر ہیں، جس دن اس (بات) کا انجام سامنے آ جائے گا وہ لوگ جو اس سے قبل اسے بھلا چکے تھے کہیں گے: بیشک ہمارے رب کے رسول حق (بات) لے کر آئے تھے، سو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہمارے لئے سفارش کر دیں یا ہم (پھر دنیا میں) لوٹا دیئے جائیں تا کہ ہم (اس مرتبہ) ان (اعمال) سے مختلف عمل کریں

(۱) سیوطی، جلالین: ۱۴۰

(۲) الأعراف، ۷: ۵۳

جو (پہلے) کرتے رہے تھے۔ بیشک انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور وہ (بہتان و افتراء) ان سے جاتا رہا جو وہ گھڑا کرتے تھےo‘‘

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز اللہ کو بھلانے والوں کے حق میں شفاعت کچھ کام نہ دے گی۔ اس لئے وہ دوبارہ دنیا میں جا کر نیک اعمال کرنے کی خواہش کا اظہار کریں گے۔ ظاہر ہے یہ لوگ کافر ہوں گے ورنہ گزشتہ احادیث میں ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا حضور نبی اکرم ﷺ اس کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس آیتِ کریمہ کے تحت ائمہ و مفسرین کی تصریحات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو لوگ شفاعت سے محروم ہوں گے وہ کفار و مشرکین ہی ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَنَعْمَل فنؤمن و نعمل غير الذى كنا نعمل فى الشرك ـ(۱)

’’(تاکہ ہم عمل کریں کا مطلب یہ ہے کہ) ہم ایمان لائیں اور عمل کریں اس (عمل) کے علاوہ جو حالتِ شرک میں ہم کرتے رہے تھے۔‘‘

۲۔ علامہ قرطبیؒ کے مطابق یہ قول کہنے والے دراصل مشرکین ہیں، وہ فرماتے ہیں:

أى بطل ما كانوا يقولون من أن مع الله الها آخر۔(۲)

’’یعنی باطل ہوا جو وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا خدا (بھی) ہے۔‘‘

۳۔ علامہ جلال الدین محلیؒ (م ۸٦۴ھ) فرماتے ہیں:

أى تركوا الإيمان له۔(۳)

---

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۱۲۹

(۲) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۷:۲۱۸

(۳) محلی، جلالین: ۱۵۸

''یعنی (یہ ان لوگوں کا قول ہے) جو اس پر ایمان نہ لائے تھے۔''

مندرجہ بالا اَقوال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ قول مشرکین و کفار کا ہے جسے مسلمانوں کے حق میں ثابت کرنا منشاءِ قرآن کے خلاف ہے۔

۶۔ کفار کی دنیا میں پلٹ جانے کی حسرت

قرآنِ کریم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے کہ روزِ قیامت کفار حسرت بھرے لہجے میں کہیں گے:

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَo وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍo فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَo(۱)

''سو (آج) نہ کوئی ہماری سفارش کرنے والا ہےo اور نہ کوئی گرم جوش دوست ہےo سو کاش! ہمیں ایک بار (دنیا میں) پلٹنا (نصیب) ہو جاتا تو ہم مومن ہو جاتےo''

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں کفار کے حسرت بھرے جذبات کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے روز عذاب دیکھ کر کہیں گے: کاش! ہمیں دنیا میں واپس جانے کا موقع مل جاتا تو ہم بھی مؤمن بن کر زندگی گزارتے اور آج کے دن پریشان نہ ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یومِ قیامت کفار و مشرکین اپنے کفر کی وجہ سے شفاعت سے محرومی کا اعتراف کر رہے ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ جلال الدین محلیؒ لکھتے ہیں:

﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ﴾ كما للمؤمنين من الملٰئكة والنبيين والمؤمنين۔(۲)

(۱) الشعراء، ۲۶: ۱۰۰۔۱۰۲

(۲) محلی، جلالین: ۳۷۲

''(کفار کہیں گے) آج ہمارا کوئی سفارشی نہیں جس طرح مومنین کے لئے ملائکہ، انبیاء اور مومنین (سفارشی) ہیں۔''

تفسیر جلالین وہ مستند تفسیر ہے جس کی تدریس آج بھی دینی مدارس میں بطورِ نصاب شامل ہے۔ معترضین تو شفاعتِ انبیاء پر کج فہمی اور کور چشمی کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں جبکہ مفسرین کرام ملائکہ، انبیاء اور مومنین کی شفاعت کو آیتِ کریمہ سے ثابت کر رہے ہیں۔

۷۔ روزِ قیامت مشرکین کی سخت نا اُمیدی کا بنیادی سبب

قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَo وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَo وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَo فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَo(۱)

''اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مُجرِم لوگ مایوس ہو جائیں گے اور ان کے (خود ساختہ) شریکوں میں سے ان کے لئے سفارشی نہیں ہوں گے اور وہ (بالآخر) اپنے شریکوں کے (ہی) مُنکِر ہو جائیں گے۔ اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن لوگ (نفسا نفسی میں) الگ الگ ہو جائیں گے۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو وہ باغاتِ جنت میں خوش حال و مسرور کر دیئے جائیں گے۔''

ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مجرمین قیامت کے روز سخت ناامید ہوں

(۱) الروم، ۳۰: ۱۲۔۱۵

گے۔ المجرمین سے مراد کفار و مشرکین ہیں۔ اس مؤقف پر درج ذیل اُمور دلالت کرتے ہیں:

۱۔ آیت کا سیاق کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں مشرکین و کفار مراد ہیں کیونکہ احوالِ آخرت بتا کر ساتھ ہی ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ میں ایمان والوں کے احوال بیان فرمائے ہیں یہ ایک واضح اشارہ ہے کہ اس سے پہلے اہلِ ایمان کے برعکس لوگوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں جو کفار و مشرکین ہیں۔

۲۔ ''یُبْلِسُ'' سخت نا امیدی پر دلالت کرتا ہے اور یہ چیز بذاتِ خود اس امر کا تعین کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ کفار و مشرکین ہوں گے کیونکہ مومنین پر سخت نا امیدی کی حالت روزِ قیامت طاری نہیں ہوگی۔

۳۔ مفسرین نے بھی یہاں یہی معنی مراد لیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

یبلس المشرکون من کل خیر ﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ﴾ لعبدة الأوثان ﴿مِّنْ شُرَکَآئِھِمْ﴾ من ألھتھم شفعاء[1]

'''مشرکین ہر خیر سے مایوس ہوں گے اور بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لئے ان کے خداؤں میں سے سفارشی نہ ہوں گے۔''

امام جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں:

﴿یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ یسکت المشرکون لانقطاع حجتھم۔[2]

''یبلس المجرمون سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اپنی حجت

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۳۳۹

(۲) محلی، جلالین: ۴۰۶

کے ختم ہونے کے باعث خاموش ہو جائیں گے۔‘‘

۸۔ قرآن کے منکرین کی شفاعت سے محرومی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ ج بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ط مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ط اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○(۱)

’’کیا کفار و مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اسے اس (رسول) نے گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں ○ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (اسے) چھ دنوں (یعنی چھ مدتوں) میں پیدا فرمایا پھر (نظامِ کائنات کے) عرشِ (اقتدار) پر قائم ہوا، تمہارے لئے اسے چھوڑ کر نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی سفارشی، سو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○‘‘

آیت نمبر ۳ میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جنہوں نے قرآن کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور افتراپردازی کرتے ہوئے کہا کہ (معاذ اللہ) یہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنی طرف سے گھڑا ہے اور یوں آپ ﷺ پر بہتانِ عظیم باندھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صداقتِ قرآن کے ان منکرین کو خطاب کر کے فرمایا تمہارا کوئی ولی ہے نہ شفیع۔

(۱) السجدة، ۳۲: ۳، ۴

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تتعظون بالقرآن فتؤمنوا۔[۱]

"(افلا تتذکرون سے مراد یہ ہے) کیا تم قرآن سے نصیحت نہیں پکڑتے کہ ایمان لے آؤ۔"

۲۔ امام جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ هذا فتؤمنوا۔[۲]

"کیا تم اس سے نصیحت نہیں پکڑتے کہ ایمان لے آؤ۔"

یہ امر واضح ہے کہ صداقتِ قرآن کے منکر کفار و مشرکین ہیں انہی سے شفاعت کی نفی ہے۔

۳۔ امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ﴾ أی ما للكافرين من ولی يمنع من عذابهم ولا شفيع۔[۳]

"یعنی کفار کے لئے کوئی دوست و مددگار نہیں جو ان سے عذاب کو ٹال دے اور نہ ان کے لئے کوئی شفاعت کرنے والا۔"

۹۔ معبودانِ باطلہ سے نفئ شفاعت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۳۴۸

(۲) محلی، جلالین: ۴۱۶

(۳) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۴: ۸۶

ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ○[1]

’’کیا میں اس (اللہ) کو چھوڑ کر ایسے معبود بنالوں کہ اگر خدائے رحمان مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ مجھے اُن کی سفارش کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکیں ○‘‘

مذکورہ آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ معبودانِ باطلہ کی پوجا کرنے والوں کو ان معبودوں کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی۔ یہ بھی اظہر من الشّمس ہے کہ معبودانِ باطلہ کی پوجا کفر و شرک ہے لہٰذا یہ امر ثابت ہوگیا کہ یہاں شفاعت کے نفع بخش ہونے کی نفی کفار کے لئے ہے۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿ءَ اَتَّخِذُ﴾ أ أعبد ﴿مِنْ دُوْنِهٖٓ﴾ من دون الله بأمركم ﴿اٰلِهَةً﴾ أصناماً۔[2]

’’﴿ءَاَتَّخِذُ﴾ کیا میں عبادت کروں۔ ﴿مِنْ دُوْنِهٖٓ﴾ اللہ کے سوا، تمہارے حکم سے ﴿اٰلِهَةً﴾ بتوں کی۔‘‘

مراد یہ ہے کہ کیا میں تمہارے حکم سے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لوں؟

۲۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

﴿اٰلِهَةً﴾ يعنى أصناماً[3]

(۱) یٰسین، ۳۶: ۲۳

(۲) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۳۷۰

(۳) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۱۵: ۱۸

"﴿الِهَةً﴾ یعنی بت۔"

۳۔ علامہ جلال الدین محلیؒ کے مطابق بھی الھۃ سے مراد معبودانِ باطلہ ہیں جو شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ (۱)

۱۰۔ ظالمین (کفار) کا کوئی شفیع نہ ہوگا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝ (۲)

"ظالموں کے لئے نہ کوئی مہربان دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے ۝"

۱۔ یہاں ظالمین سے مراد کفار ہیں جیسا کہ امام نسفیؒ فرماتے ہیں:

﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾: الكافرين من حميم ولا شفيع۔ (۳)

"ظالموں کے لئے یعنی کافروں کے لئے کوئی دوست اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا۔"

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾: المشركين۔ (۴)

"ظالمین سے مراد مشرکین ہیں۔"

---

(۱) محلی، جلالین: ۴۴۳

(۲) المومن، ۴۰: ۱۸

(۳) نسفی، مدارك التنزيل و حقائق التأويل، ۴: ۷۰

(۴) فیروز آبادی، تنوير المقباس من تفسير ابن عباس: ۳۹۴

۳۔ قرآن حکیم کے دوسرے مقامات پر چونکہ شفاعت کا اثبات بھی ہے اس لئے یہاں نفی شفاعت کفار کے لئے متحقق ہے اور ظالمین سے مراد گناہگار مؤمن نہیں ہیں اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اس معنی کے خلاف صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي۔(۱)

’’میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ اصلاً شفاعت تو ہے ہی گناہگاروں کے لئے اور صلحاء کے لئے شفاعت کا مطلب محض بلندیٔ درجات ہے کیونکہ انہیں جنت میں داخل کرنے کا خود رب العالمین وعدہ فرما چکا ہے۔

۱۱۔ منکرینِ روز جزاء سے نفیٔ شفاعت

یومِ آخرت پر ایمان لانا چونکہ بنیادی ایمانی تقاضوں میں شامل ہے اس لیے اس کا منکر بھی کافر ہے، لہٰذا ایسے کفار کے لیے بھی شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فِيْ جَنّٰتٍ ط يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ○ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ○ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ○(۲)

(۱) ترمذی، السنن، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی الشفاعة، ۴: ۶۲۵، رقم: ۲۴۳۶

(۲) المدثر، ۷۴: ۴۰-۴۸

''(دائیں جانب والے) باغات میں ہوں گے اور آپس میں پوچھتے ہوں گے ○ مجرموں کے بارے میں ○ (اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے ○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ○ اور بیہودہ مشاغل والوں کے ساتھ (مل کر) ہم بھی بیہودہ مشغلوں میں پڑے رہتے تھے ○ اور ہم روزِ جزا کو جھٹلایا کرتے تھے ○ یہاں تک کہ ہم پر جس کا آنا یقینی تھا (وہ موت) آپہنچی ○ سو (اب) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں پہنچائے گی ○''

ان آیات میں ایک تو کفار و مشرکین سے نفئ شفاعت کا بیان ہو رہا ہے اور دوسرا مومنین کے لئے شفاعت کا اثبات ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ﴾ یقول الله لا تنالهم ﴿شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ﴾ یعنی شفاعة الملائکة و الأنبیاء و الصالحین۔[1]

''(انہیں کوئی نفع نہیں پہنچائے گی یعنی) اللہ تعالی یہ فرما رہا ہے کہ انہیں فائدہ نہیں دے گی (شفاعت کرنے والوں کی شفاعت) یعنی ان مجرمین کو ملائکہ، انبیاء اور صالحین کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔''

اس آیتِ کریمہ میں ایک تو مجرمین کے لئے شفاعت کی نفی ثابت ہو رہی ہے جب کہ دوسری طرف اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملائکہ، انبیاء اور صالحین شفیع ہوں گے مگر ان کی شفاعت مجرمین یعنی کفار کے لئے نہیں بلکہ مومنین کے لئے ہوگی۔

۲۔ علامہ قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے:

﴿یَتَسَآءَلُوْنَ﴾ أی یسألون ﴿عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ أی المشرکین۔

(۱) فیروز آبادی، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۴۹۳

’’(جنتی آپس میں پوچھتے ہوں گے) یعنی وہ سوال کریں گے (مجرموں کے بارے میں) یعنی مشرکوں کے بارے میں۔‘‘

پھر اسی سورۃ کی اگلی آیات کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

هذا دليل على صحة الشفاعة للمذنبين وذالك إن قوماً من أهل التوحيد عذبوا بذنوبهم ثم شفع فيهم فرحمهم الله بتوحيدهم والشفاعة فأخرجوا من النار وليس للكفار شفيع يشفع فيهم(۱)

’’یہ (آیت) مسلمان گناہگاروں کے لئے ثبوت شفاعت کی دلیل ہے۔ اس طرح کہ اہلِ توحید میں سے گناہگار موحدین کو ان کے گناہوں کے بدلے عذاب ہوگا پھر ان کی شفاعت کی جائے گی۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی توحید اور شفاعت کی وجہ سے ان پر رحم فرمائے گا اور انہیں جہنم سے نکال دے گا جبکہ کفار کے لئے کوئی بھی شفیع شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔‘‘

مذکورہ آیتِ کریمہ میں ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ﴾ سے پہلے کے الفاظ خود ان لوگوں کا تعین کر رہے ہیں جن کے لئے شفاعت نفع بخش نہ ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو روزِ قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔ ظاہر ہے روزِ قیامت کو مسلمان نہیں جھٹلا سکتے۔ اس پر قرآن حکیم نے مزید فرمایا کہ روزِ قیامت کا اِنکار ان کی زندگی کے آخری مرحلے تک جاری رہا اور ان کو اسی حالت میں موت آ گئی لہٰذا اس آیت سے مسلمانوں کے حق میں نفئ شفاعت گمان کرنا درست نہیں ہے۔

خلاصۂ بحث

قرآنِ حکیم میں کفار و مشرکین کے لئے (نفی شفاعت) کی جس قدر آیات وارد ہوئی ہیں انہیں مومنین پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ ان آیات سے شفاعت کا شرک ہونا

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۹: ۵۷

ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے عقیدۂ شفاعت کا حقیقی تصور واضح کرنا مقصود ہے۔ وہ یہ کہ

۱۔ یومِ قیامت کفار و مشرکین ہر قسم کی شفاعت سے محروم ہوں گے۔

۲۔ معبودانِ باطلہ مشرکین و کفار کی شفاعت نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی معبودانِ باطلہ کو اِذنِ شفاعت ہوگا۔

۳۔ معبودانِ باطلہ اور کفار و مشرکین کے برعکس اَنبیاء و صلحاء کو درجہ بدرجہ اِختیارِ شفاعت عطا کیا جائے گا، جن کی شفاعت کو قبول بھی کیا جائے گا۔

۴۔ انبیاء و صالحین باذنِ الٰہی مسلمان خطاکاروں، گنہگاروں اور کبیرہ گناہوں میں لت پت افراد کی شفاعت کریں گے۔

۵۔ جہنم میں داخل ہونے والے موحدین بعد ازاں شفاعت کے باعث اس میں سے نکالے جائیں گے۔

۶۔ نہ صرف انبیاء اور صالحین بلکہ اعمالِ صالحہ مثلاً قرآن حکیم، روزہ، سورۃ البقرۃ، حتی کہ چھوٹی عمر میں وفات پانے والے بچے بھی اپنے والدین کی شفاعت کریں گے جن کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

قرآن و احادیث اور ائمہ تفسیر کی تصریحات پر مشتمل مدلل بحث سے ثابت ہوا کہ عقیدۂ شفاعت ہرگز منافیٔ توحید نہیں اور نہ یہ شرک ہے۔

بابِ سوم

توحید اور اِستعانت و اِستغاثہ

فصل اَوّل

اِستعانت و اِستغاثہ کا صحیح معنی و مفہوم

دنیوی، دینی اور روحانی اعتبار سے ایک دوسرے کی مدد کرنا اِسلامی معاشرتی آداب و اخلاق کا حصہ ہے۔ اِسلام نے اہلِ ایمان کوتلقین کی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد و اِعانت کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک دوسرے کی مدد و استعانت کا حکم دیتے ہوئے ارشادفرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ ط اِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○[1]

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اورظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے○‘‘

اس طرح مدد و استعانت وہ طریقہ اورطرزِعمل ہے جو نہ صرف جائز بلکہ اسلامی ضابطۂ حیات کا لازمی تقاضا ہے۔ اِستعانت اور اِستمداد کے اس عمل کو شرک قرار دینا اِسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

اِستغاثہ کا لُغوی معنی و مفہوم

لفظ اِستغاثۃ کا مادۂ اِشتقاق ’’غ، و، ث‘‘ (غوث) ہے جس کے معنی ’’مدد‘‘ کے ہیں، اور اِستغاثۃ کا مطلب ’’مدد طلب کرنا‘‘ ہے۔ اِمام راغب اِصفہانی اِستغاثہ کا لُغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) القرآن، المائدۃ، ۵: ۲

الغَوثُ: يُقالُ فی النُّصرَةِ، والغَيثُ: فی المطَرِ، وَاسْتَغَثْتُهُ: طَلَبْتُ الغَوْثَ أو الغَيْثَ۔(۱)

''غَوث کے معنی ''مدد' اور غَیث کے معنی ''بارش'' کے ہیں اور اِستغاثہ کے معنی کسی کو مدد کے لئے پکارنے یا اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کے ہیں۔''

لفظِ اِستغاثہ کا اِستعمال قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر ہوا ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہ کرام کی اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کا ذکر سورۂ انفال میں یوں وارِد ہوا ہے:

إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ (۲)

''جب تم اپنے رب سے (مدد کے لئے) فریاد کر رہے تھے۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم کے ایک فرد کا مدد مانگنا اور آپ کا اُس کی مدد کرنا، اِس واقعہ کو بھی قرآنِ مجید نے لفظِ اِستغاثہ ہی کے ساتھ ذِکر کیا ہے۔ سورۃ القصص میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهِ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهِ (۳)

''تو جوشخص اُن کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دُشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی۔''

اَہلِ لُغت کے نزدیک اِستغاثہ اور اِستعانت دونوں اَلفاظ مدد طلب کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔ اِمام راغب اصفہانی لفظِ استعانت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن: ۶۱۷
(۲) القرآن، الانفال، ۸: ۹
(۳) القرآن، القصص، ۲۸: ۱۵

وَالاسْتِعَانَةُ: طَلَبُ العَونِ۔[1]

''استعانت کا معنی: مدد طلب کرنا ہے۔''

لفظِ استعانت بھی قرآن مجید میں طلبِ عون کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں بندوں کو آدابِ دُعا سکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○[2]

''اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں○''

اِستغاثہ کا شرعی مفہوم

اِسلام دینِ فطرت ہے سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر نبیٔ آخر الزماں ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دِین اِسلام رہا ہے۔ عقیدۂ توحید تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں بنیادی اور یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ شریعتِ مصطفوی ﷺ سمیت کسی بھی شریعت کی تعلیمات کے مطابق اَللہ ربّ العزّت کے سِوا حقیقی مددگار کوئی نہیں جبکہ مخلوق سے مجازاً مدد طلب کرنا شرعاً جائز ہے۔ عرب اَہلِ لُغت اور مفسرینِ قرآن کی تصریحات کے مطابق اِستغاثہ کا معنی مدد طلب کرنا ہے، جس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ اِستغاثہ بالقول

۲۔ اِستغاثہ بالعمل

مُشکل حالات میں گھرا ہوا کوئی شخص اگر اپنی زبان سے اَلفاظ وکلمات اَدا کرتے ہوئے کسی سے مدد طلب کرے تو اِسے اِستغاثہ بالقول کہتے ہیں اور مدد مانگنے والا اپنی حالت وعمل اور زبانِ حال سے مدد چاہے تو اِسے اِستغاثہ بالعمل کہیں گے۔

---

(۱) راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن: ۵۹۸

(۲) القرآن، الفاتحة، ۱: ۴

ا۔ اِستغاثہ بالقول

قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے حوالے سے **اِستغاثہ بالقول** کی مثال یوں مذکور ہے:

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوْسٰى إِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗ أَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔(۱)

''اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس (یہ) وحی بھیجی جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔''

اِس آیتِ مبارکہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا اِستغاثہ کیا گیا ہے۔ اگر یہ عمل شِرک ہوتا تو اِس مطالبہء شِرک پرمبنی معجزہ نہ دکھایا جاتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کبھی اَنبیائے کرام علیھم السلام سے خلافِ توحید کوئی مطالبہ کیا گیا تو اُنہوں نے سختی سے اُس سے منع فرمایا۔ دُوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں اَللہ تعالیٰ قومِ موسیٰ علیہ السلام کے اِستغاثہ پر خود سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اِظہارِ معجزہ کی تاکید فرما رہا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ حقیقی کارساز تو بلا ریب اللہ عزوجل ہی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام! کو اِظہارِ معجزہ کے لئے اپنی قدرت و طاقت کا مظہر بنایا گیا۔

۲۔ اِستغاثہ بالعمل

مصیبت کے وقت زبان سے کسی قسم کے اَلفاظ ادا کئے بغیر کسی خاص عمل اور زبانِ حال سے مدد طلب کرنا **اِستغاثہ بالعمل** کہلاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اِستغاثہ بالعمل کے جواز میں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب و مکرم انبیاء علیھم السلام کا واقعہ مذکور ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی جُدائی میں اُن کے والدِ ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائی کثرتِ گریہ کی وجہ سے

(۱) القرآن، الاعراف، ۷:۱۶۰

جاتی رہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب حقیقتِ حال سے آگاہی ہوئی تو اُنہوں نے اپنا قمیض بھائیوں کے ہاتھ اپنے والدِ ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کی طرف بغرضِ اِستغاثہ بھیجا اور فرمایا کہ اِس قمیص کو ان کی آنکھوں سے مَس کرنا، بینائی لوٹ آئے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اِستغاثہ و اِستعانت کا حقیقی تصور

عام معاشرتی زندگی میں بھی اکثر اوقات ضروری ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے مدد طلب کریں، یہ بھی دراصل وسیلہ کی ہی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو دوسرے انسان کی مدد کا حکم دے رکھا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ افراد معاشرہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار بنیں۔ قرآنِ حکیم کی رو سے جب نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا جائز بلکہ واجب ہے تو مدد لینا کیسے ناجائز ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اگر ایک مدد دینے والا یعنی عطا کنندہ ہے تو دوسرا یقیناً مدد لینے والا یعنی وصول کنندہ ہے۔

سورۃ القصص میں اِستغاثہ کا لفظ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ایک واقعہ میں استعمال کیا گیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○ (۱)

’’اور موسیٰ (علیہ السلام) شہرِ (مصر) میں داخل ہوئے اس حال میں کہ شہر کے باشندے (نیند میں) غافل پڑے تھے تو انہوں نے اس میں سے دو مردوں کو

(۱) القرآن، القصص، ۲۸: ۱۵

آپس میں لڑتے ہوئے پایا یہ (ایک) تو ان کے (اپنے) گروہ (بنی اسرائیل) میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان کے دشمنوں (قومِ فرعون) میں سے تھا پس اس شخص نے جو انہی کے گروہ میں سے تھا آپ سے اس شخص کے خلاف مدد طلب کی جو آپ کے دشمنوں میں سے تھا پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے مکا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر فرمانے لگے: یہ شیطان کا کام ہے (جو مجھ سے سرزد ہوا)، بیشک وہ صریح بہکانے والا دشمن ہےo''

قرآن مجید نے یہاں جو لفظ **فَاسْتَغَاثَهُ** (پس اس شخص نے آپ سے مدد طلب کی) استعمال کیا ہے اس کو **اِيَّاكَ نَعْبُدُ** اور **اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) کے ساتھ ملا کر دیکھیں۔ **اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضاً** کے تحت استغاثہ کا جواز خود قرآن مجید سے فراہم ہوتا ہے۔ استغاثہ اگر جائز نہ ہوتا تو جس شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی تھی اللہ تعالیٰ قرآن میں استغاثہ کی بجائے کچھ اور ارشاد فرما دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے براہِ راست لفظِ استغاثہ ارشاد فرمایا تو گویا کسی دوسرے سے مدد طلب کرنے کا جواز قرآن مجید کی نص سے ثابت ہوا۔

اِستعانت کے باب میں حقیقی و مجازی کی مفید تقسیم

بعض لوگ صرف اُمورِ عادیہ اور تحت الاسباب امور میں مدد و اِستعانت کو جائز سمجھتے ہیں اور غیر عادیہ اور فوق الاسباب اُمور میں ناجائز۔ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کسب و خلق کا تعلق اُمورِ عادیہ و غیر عادیہ، اور ماتحت الاسباب و مافوق الاسباب دونوں کے ساتھ یکساں ہے۔ عام بندوں کے افعال میں جس طرح کسب کا تعلق اُمورِ عادیہ اور اُمور ماتحت الاسباب سے ہے اِسی طرح انبیاء و اولیاء کے افعال میں بھی کسب ہی کا تعلق اُمور غیر عادیہ اور اُمور مافوق الاسباب سے ہے۔

کسب و خلق اور نسبتِ قدرت میں حقیقت و مجاز کی تقسیم نہ کریں تو بندوں کی

طرف قدرت و اختیار کی نسبت افعالِ عادیہ اور ماتحت الاسباب اُمور میں بھی شرک ہو جائے گی اور اگر خلق و کسب کی تقسیم و امتیاز کر لیں تو یہی نسبت امورِ غیر عادیہ اور امور فوق الاسباب میں بھی شرک نہ بن سکے گی۔

اُمور ما تحت الاسباب ہوں یا ما فوق الاسباب، اَفعالِ عادیہ ہوں یا افعال غیر عادیہ، ہمیں شرک سے صرف اور صرف کسب و خلق یا حقیقی و مجازی کی تقسیم بچاتی ہے۔ اس لئے کہ ''تحت الاسباب'' یا ''فوق الاسباب'' امر مسئلہ کا محل تھا خود حل نہ تھا۔ حل تو خلق و کسب کے فرق یا حقیقی و مجازی کی تقسیم نے فراہم کیا۔ لہٰذا اس ما تحت الاسباب اور ما فوق الاسباب یا اَفعالِ عادیہ اور افعال غیر عادیہ کی تقسیم نے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ امکانِ شرک کا خاتمہ ہر جگہ پہلی تقسیم کی بجائے دوسری تقسیم سے ہی ہوا ہے۔ سو پہلی تقسیم جہاں بلا دلیل اور بلا حاجت وضرورت تھی وہاں غیر نافع اور غیر مفید بھی ہے۔ جب حقیقی اور مجازی کی تقسیم سے عقیدۂ توحید برقرار رہتا ہے بلکہ خود قرار پاتا ہے تو پھر سارے تصور کا اسی دوسری تقسیم ہی پر کیوں نہ انحصار کیا جائے؟

اِستعانت و استمداد کے باب میں حقیقی و مجازی کی تقسیم زیادہ واضح، پختہ اور محققانہ ہے اِسی کو علماء محققین نے اختیار کیا ہے۔ ہمارے نزدیک مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی تقسیم اعتقادی الجھاؤ اور بسا اوقات گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ اس کی بجائے صحیح اور زیادہ بلیغ تقسیم حقیقی اور مجازی کی ہے۔

بعد اَز وصال اِستعانت کا مسئلہ

استعانت اور استغاثہ کے باب میں یہ اشکال بھی بعض ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ زندہ اور قریب سے مدد و اِستعانت تو جائز ہے لیکن بعد از وفات یا دُور فاصلے پر موجود کسی شخص سے اِستعانت جائز نہیں۔ اس مسئلہ پر مفصل دلائل آئندہ فصول میں آ رہے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر استعانت عن العباد جائز ہے اور شرک نہیں تو کوئی

زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو، قریب ہو یا بعید ہر صورت میں جائز ہے۔ اگر مطلقاً شرک ہے تو پھر حیات و ممات ہر حال میں شرک ہوگی۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جو چیز شرک قرار پائے گی اُس میں زمان و مکان اور موت و حیات کی تخصیص نہیں ہوگی۔ جو شے شرک ہو وہ ہر آدمی کے لئے ہر مقام پر اور ہر وقت شرک ہوگی۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ زندگی میں اِستعانت کی جائے تو جائز ہو بعد از وفات استعانت کی جائے تو شرک ہو جائے۔ قریب سے اِستمداد کی جائے تو درست قرار پائے اور بعید سے کی جائے تو شرک۔ اِس کی مثال تو یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ زندہ کو سجدہ کر لیا جائے تو جائز ہے مردہ کو سجدہ کرے تو شرک ہوگا یا زندہ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے تو جائز، مردہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو شرک یا اسی طرح قریب کے لئے نماز پڑھے تو جائز اور دور والے کے لئے پڑھے تو شرک۔ الغرض یہ تفریق خود شرک کی دلدل میں پھنسا دیتی ہے۔

اِستعانتِ حقیقی اور مجازی میں فرق

یہ امر واضح ہے کہ حقیقی استمداد و استعانت خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ مستعانِ حقیقی، فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی انبیاء و اولیاء سب اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہیں۔ اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارفرما دیکھیں اور کسی جگہ پر بھی مستعانِ حقیقی سے غافل نہ ہوں۔ آیت ''**اياك نعبد و اياك نستعين**'' سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ہر معاملہ میں حقیقی اِستعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے خواہ فوق الاسباب امور ہوں یا تحت الاسباب اُمور۔ ہر دو قسم کے کاموں میں خواہ وہ ظاہری اسباب سے وراء ہوں یا ظاہری اسباب کے تابع۔ عام لوگوں کی قدرت سے خارج ہوں یا اُن کی قدرت میں داخل، اِستعانت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی مختص رہتی ہے۔

بندوں کے ذریعے جو مدد و اعانت صادر ہوتی ہے وہ کسب کہلاتی ہے یعنی

بندوں کے ہاتھ پر اُمور عادیہ صادر ہوں یا غیر عادیہ، جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے اِن تمام کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کسی کی مدد کرنے والے بندے فقط فعلِ امداد کا سبب ہوتے ہیں، مدد، نصرت اور اعانت کے خالق نہیں ہوتے۔ اس لئے ان سے استمداد اور استعانت بھی ظاہری اور مجازی ہوتی ہے حقیقی نہیں۔

بعض لوگ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے معنی سے یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں اسی طرح استغاثہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے جائز نہیں۔ ان کا یہ استدلال تعلیماتِ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

قرآن حکیم میں صبر اور نماز کے ذریعے اللہ ﷻ سے مدد طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے یعنی صبر اور نماز بارگاہِ اِلٰہی سے حصولِ اِستعانت کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○(۱)

’’اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو اور بیشک یہ گراں ہے مگر (ان) عاجزوں پر (ہرگز) نہیں (جن کے دل محبتِ الٰہی سے خستہ اور خشیتِ الٰہی سے شکستہ ہیں)○‘‘

ایک اور مقام پر اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○(۲)

’’اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۴۵

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۱۵۳

کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہےo‘‘

ان دو آیات میں غور طلب بات یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے براہِ راست استعانت کا حکم نہیں دیا بلکہ بواسطہ صبر وصلوٰۃ استعانت کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ عملِ توسط شرک ہوتا تو اللہ ﷻ ہرگز کسی واسطے کا ذکر نہ فرماتا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) ’’تفسیر عثمانی‘‘ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ’’اِس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اِس ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندے کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اِس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی اِستعانت ہے۔‘‘(۱)

مافوق الاسباب اُمور میں اِستعانت و اِستغاثہ

جو لوگ اُمورِ عادیہ میں ظاہری اِستعانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور غیر عادیہ میں ناجائز، ان کا یہ تصور قرآنی تصریحات کے منافی ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم سے کچھ مثالیں درج کر رہے ہیں جن سے فوق الاسباب اُمور میں استعانت و استغاثہ کا ثبوت ملتا ہے:

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدِ گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کی بحالی کے لئے اپنی قمیص بھیجی اور اُنہوں نے اپنی آنکھوں پر رکھی تو بینائی لوٹ آئی۔ یہ مدد و اعانت ماتحت الاسباب نہیں بلکہ مافوق الاسباب یعنی غیر عادی اُمور میں استعانت و توسل

(۱) شبیر احمد، تفسیر عثمانی، ۱:۵۲

تھا جسے قرآنِ حکیم نے بیان کیا ہے۔ ماتحت الاسباب مدد و اعانت تو آنکھوں کا علاج اور آپریشن ہے۔ بینائی چلی جائے تو سرجری سے ٹھیک ہوتی ہے اسے قمیص سے ٹھیک کرنا مافوق الاسباب مدد و اعانت کے علاوہ اور کیا ہے؟ سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف سے دی جانے والی قمیص کے ساتھ ان کا قول قرآن حکیم نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

۱۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا.(۱)

''میرا یہ قمیص لے جاؤ، سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے۔''

۲۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○(۲)

''پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دی تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی، یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ○''

۲۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت

حضرت زکریا علیہ السلام نے ۹۰ سال کی عمر میں پہنچ کر جب حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ کے توسّل مکانی سے حضورِ الٰہی میں اولاد کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے کی بشارت دی اور پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا ہوئے۔ یہ اولاد ماتحت الاسباب امر سے نہیں بلکہ مافوق الاسباب توسل سے ہوئی کیونکہ سیدنا زکریا کی عمر دائرہ اسباب سے خارج ہو چکی تھی۔

(۱) القرآن، یوسف، ۱۲: ۹۳

(۲) القرآن، یوسف، ۱۲: ۹۶

قرآن حکیم نے اس ایمان افروز واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○(۱)

''اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے ○''

سورہ مریم میں اس دعا کا ذکر یوں ہے:

۲۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ○(۲)

''عرض کیا: اے میرے رب! میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کے باعث سر آگ کے شعلہ کی مانند سفید ہوگیا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا ○''

اللہ رب العزت نے اس توسل سے اسی وقت ان کی دعا قبول فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۳۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○(۳)

''ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے تھے) کہ انہیں فرشتوں نے آواز دی: بیشک اللہ آپ کو (فرزند) یحییٰ (علیہ السلام) کی

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۸

(۲) القرآن، مریم، ۱۹: ۴

(۳) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۹

بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا ہو گا اور سردار ہو گا اور عورتوں (کی رغبت) سے بہت محفوظ ہوگا اور (ہمارے) خاص نیکوکار بندوں میں سے نبی ہوگاo‘‘

۴۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ط قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ o(۱)

’’(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہےo‘‘

اِس سے ثابت ہوا کہ جب ماتحت الاسباب کے دائرہ میں اولاد کی اُمید یکسر ختم ہوگئی تو کرامتِ مریم علیہا السلام کو دیکھ کر سیدنا زکریا علیہ السلام کے دل میں حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کے توسّل سے اُس بڑھاپے میں اولاد کی اُمید پھر سے جاگ اٹھی تب انہوں نے اس مقام پردُعا کی اور اولاد ہوگئی۔ یہ قبولیتِ دعا مافوق الاسباب تھی نہ کہ ماتحت الاسباب۔

۳۔ ملکہ بلقیس کا تخت دربارِ سلیمانی میں

سورۂ نمل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ ج وَ اِنِّیْ عَلَیْہِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌo قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ط فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْo(۲)

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۴۰

(۲) القرآن، النمل، ۲۷: ۳۹، ۴۰

’’ایک قوی ہیکل جِن نے عرض کیا: میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں اور بیشک میں اس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانتدار ہوںo (پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے) پھر جب (سلیمان علیہ السلام نے) اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا: یہ میرے رب کا فضل ہےo‘‘

ان آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملکہ بلقیس کے تخت کو آنِ واحد میں سینکڑوں میلوں کی مسافت سے منتقل کر دینا ایک تو آصف بن برخیا کی وہ کرامت تھی کہ قوی ہیکل جن بھی بے پناہ طاقت کے باوجود اِس پر قادر نہ ہو سکا۔ دوسری قابلِ غور چیز یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خلافِ عادت اور فوق الاسباب کام کو اہلِ دربار سے طلب کیا، اس لیے آصف بن برخیا کا آنِ واحد میں مسافتِ بعیدہ سے تخت کو اُٹھا کر پیش کر دینا ماتحت الاسباب نہ تھا بلکہ فوق الاسباب اعانت اور خدمت تھی۔ یہاں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ فوق الاسباب امور میں مدد و اعانت اور تصرف صرف انبیاء و رسل عظام علیھم السلام کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ شان اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آصف بن برخیا کے عمل سے ثابت ہے کہ ایک اولوالعزم نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے ایک ولی آصف بن برخیا کو خرقِ عادت کام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی تا کہ ایک امتی اور غیر نبی کی کرامت کو ثابت کر دیا جائے۔

ائمہ متکلمین نے بھی اِس آیت سے کراماتِ اولیاء پر استشہاد اور اِستدلال کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ نبیوں کی اُمتوں کے اَولیاء کو فوق الاسباب اُمور پر تصرف کی قدرت عطا کی ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے اولیاء کو یہ تصرف کیوں حاصل نہ ہوگا؟

۴۔ روزِ قیامت حضور ﷺ سے اِستعانت کا منظر

گزشتہ باب شفاعت میں تفصیل کے ساتھ میدانِ حشر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے لئے شفاعت کا بیان گزر چکا ہے کہ روزِ محشر سب لوگ مل کر جمیع انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس مدد طلب کرنے کے لئے جائیں گے۔ صحیح بخاری میں فاستغاثوا (مدد طلب کریں گے) کے الفاظ مذکور ہیں، کیا یہ مدد طلبی ماتحت الاسباب ہوگی یا مافوق الاسباب؟ کیونکہ اسباب تو سارے ختم ہو چکے ہوں گے، جملہ مخلوق کے لئے صرف حضور ﷺ کی شفاعت ہی مدد و اعانت کا سبب ہوگی۔

روزِ قیامت جب نفسانفسی کا عالم ہوگا، سب کا جمع ہو کر انبیاء کے پاس طلب مدد کے لئے جانا مسئلہ استعانت پر اس قدر عظیم اجماع ہے جس میں سب انبیاء عظام اور سب اُمم شریک ہیں اور کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔ خود خدائے لم یزل کا دربارِ حشر بھی بپا ہے۔ نہ اِدھر سے کوئی روک ہے نہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے کوئی ٹوک۔ ایسا عظیم اِجماع کسی مسئلہ پر واقع نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ بڑے سے بڑا اجماع بھی اجماعِ صحابہ یا اجماعِ امت ہوتا ہے مگر روزِ قیامت مسئلہ اِستعانت و شفاعت پر اجماعِ انبیاء اور اجماعِ اُمم واقع ہوگا اور اس کو تائیدِ الٰہی بھی حاصل ہوگی۔ قیامت کے دن سے بڑھ کر ہولناک اور رنج و الم کا دن اور کیا ہوگا اور اس دن کی اندوہناکی میں مدد طلبی مافوق الاسباب استعانت ہی تو ہے اس لئے کہ ظاہری اسباب کی دنیا ختم ہو چکی۔ دنیا میں دعا سے مافوق الاسباب مدد ہوتی تھی اب وہ بھی نہ رہی۔ عالمِ آخرت میں جو مدد ہوگی اسے حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی لفظ استعانت اور استغاثہ ہی سے موسوم فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضي الله عنهما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ، حَتّٰی یَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْاُذُنِ، فَبَیْنَنَا

هُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوْا بِاٰدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ـ(۱)

’’قیامت کے روز سورج لوگوں کے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا، سارے لوگ اسی حالت میں آدم (علیہ السلام) سے مدد طلب کریں گے، پھر موسیٰ (علیہ السلام) سے پھر محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے۔‘‘

معلوم ہوا کہ جب سورج انتہائی قریب ہوگا اور سب لوگ پسینے میں غرق ہوں گے تو تمام اُمتیں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے اِستغاثہ کریں گی پھر دیگر انبیاء علیہم السلام اور بالآخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد کی خواستگار ہوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں شفاعت کا لفظ نہیں بلکہ استعانت و استغاثہ کا لفظ اِستعمال فرمایا ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرنا، ناجائز اور شرک ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ استعمال نہ فرماتے اور نہ ہی اللہ جل جلالہ روزِ قیامت اس کی اجازت دیتا۔

اِستعانت و اِستغاثہ بمعنی توکل ہو تو شرک ہے

ذہن نشین رہے کہ وہ اِستغاثہ جو اِستعانت و اِستمداد کے معنی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشا اور حکم کے خلاف بمعنی توکل ہو تو وہ شرک اور ممنوع ہے۔ لیکن اگر توسل و شفاعت کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اذن اور اَمر کے ساتھ اور اس کی رضا جوئی کیلئے ہو تو یہ استعانت و استغاثہ بمعنی توسل تمام امور میں جائز ہے۔ قرآن میں دعا یدعو کی جو تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم مطلقاً ناجائز ہے جو کہ عبادت کے معنٰی میں ہے دعوت اور ندا مطلقاً جائز ہے جو استغاثہ کی صورت ہے۔ اگر وہ اللہ جل جلالہ کے امر کے خلاف ہے تو شرک ہے اور اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اِذن کے تابع اور مؤمنین کے لئے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من سأل الناس تکثرًا، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۳۱۰، رقم: ۸۷۲۵

توسلاً ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی اَمر مانع نہیں۔

اِمام بخاریؒ کا عقیدۂ اِستعانت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا حدیث پر مشتمل باب کو جس ترتیب اور عنوان کے تحت درج کیا ہے اِس سے مسئلہ اِستعانت و اِستغاثہ کے جواز پر خود ان کا اپنا عقیدہ نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

۱۔ امام بخاری نے ''الصحیح'' کی کتاب الزکوۃ میں الإِسْتِعْفَاف عَنِ الْمَسْئَلَة (دوسروں سے سوال کرنے سے بچنا) کے عنوان سے باب قائم کیا ہے، پھر اِس باب کے تحت اِسی موضوع پر احادیث کو جمع کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: اَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ رضی الله عنه قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيْمُ، إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ، وَ مَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ، كَالَّذِي يَأْكُلُ وَ لَا يَشْبَعُ، اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى. قَالَ حَكِيْمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا اَرْزَءُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا. فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ رضی الله عنه يَدْعُوْ حَكِيْمًا إِلَى الْعَطَآءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَّقْبَلَهُ مِنْهُ، ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ رضی الله عنه دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبٰى أَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي اُشْهِدُكُمْ يٰمَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى حَكِيْمٍ، أَنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هَذَا الْفَيْءِ، فَيَأْبٰى أَنْ يَأْخُذَهُ. فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيْمٌ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ

اللهِ ﷺ حَتَّى تُوُفِّيَ۔[1]

''حضرت عروہ بن زبیر اور سعید بن میسّب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے مانگا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا۔ پھر مانگا تو پھر عطا فرمایا۔ اس کے بعد پھر مانگا تو عطا فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا: اے حکیم، بے شک یہ مال سرسبز اور شیریں ہے جو اسے نفس کی لاتعلقی یعنی سیر چشمی سے لیتا ہے تو اُس میں اُسے برکت دی جاتی ہے اور جو اسے دلی لالچ سے لیتا ہے اس میں اسے برکت نہیں دی جاتی اور وہ اُس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہے۔ حضرت حکیم کا بیان ہے کہ میں عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں جب تک جیتا رہوں گا آپ کے بعد کسی کا دیا قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں دنیا چھوڑ جاؤں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حکیم کو مال دینے کے لئے بلاتے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلایا کہ انہیں کچھ دیں تو انکار کر دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت میں تم لوگوں کو حکیم پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مالِ غنیمت سے ان کو اُن کا حق دیا لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی سے بھی مال لینا قبول نہیں کیا یہاں تک کہ وفات پا گئے۔''

۲۔ امام بخاری نے اس سے اگلا باب اس طرح قائم کیا ہے: **من أَعْطَاهُ اللهُ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَ لَا إِشْرَافِ نَفْسٍ** (جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بن مانگے اور طمع و لالچ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب الاستعفاف عن المسألۃ، ۲:۵۳۵، ۵۳٦، رقم:۱۴۰۳

کے بغیر مال عطا فرمائے)۔ اس باب میں وہ درج ذیل روایت لاتے ہیں:

عَنْ سَالِمٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ، فَأَقُوْلُ: أَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ: خُذْهُ، إِذَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ شَيْءٌ، وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَ لَا سَائِلٍ، فَخُذْهُ، وَ مَا لَا، فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔ (۱)

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضي اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ مال عطا فرماتے تو میں عرض کرتا: یا رسول اللہ! اسے اس شخص کو عطا فرمائیں جو مجھ سے بھی زیادہ ضرورتمند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (اے عمر) یہ مال لے لو۔ جب اس مال میں سے تمہارے پاس کچھ اس طرح آئے کہ تم اس کا لالچ نہ رکھو اور نہ خود مانگو تو لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح نہ آئے تو اس کے پیچھے نہ پڑو۔''

۳۔ اس کے بعد امام بخاریؒ نے مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا (جو لوگوں سے کثرت سے سوال کرتے ہیں) کے عنوان سے باب قائم کرکے درج ذیل روایت بیان کی ہے:

عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ. وَ قَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوْا بِاٰدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسٰى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ۔

وَزَادَ عَبْدُاللهِ قَالَ حَدَّثَنِيَ اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي جَعْفَرٍ فَيَشْفَعُ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوة، باب من أعطاه الله شیئًا من غیر مسألة و لا إشراف نفس، ۲:۵۳۶، رقم: ۱۴۰۴

لِيُقْضٰى بَيْنَ الْخَلْقِ، فَيَمْشِي حَتّٰى يَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْبَابِ، فَيَوْمَئِذٍ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا، يَّحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ۔

وَ قَالَ مُعَلًّى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُسْلِمٍ، أَخِي الزُّهْرِيِّ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْأَلَةِ۔(۱)

''حضرت حمزہ بن عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمی مسلسل لوگوں سے بھیک مانگتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اُس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں رہے گی، اورفرمایا: قیامت کے روز سورج لوگوں کے قریب آجائے گا، یہاں تک کہ پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا لوگ اسی حالت میں حضرت آدم علیہ السلام سے مدد چاہیں گے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، پھر محمد مصطفیٰ ﷺ سے استغاثہ کریں گے۔

''عبداللہ، لیث، ابنِ ابوجعفر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے کہ مخلوق کے درمیان فیصلہ ہو، یہاں تک کہ جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ لیں گے، اُس روز اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا تاکہ اس مجمع عظیم میں موجود تمام لوگ آپ ﷺ کی تعریف کریں۔

''معلٰی، وہیب، نعمان بن راشد، زہری کے بھائی عبداللہ بن مسلم، حمزہ بن عبداللہ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے کے مسئلہ کے تحت روایت کیا ہے۔''

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب من سأل الناس تکثرًا، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

واضح رہے کہ امام بخاری نے احادیثِ شفاعت کثرت کے ساتھ ’شفاعت‘‘ ہی کے لفظ کے ساتھ ’’الصحیح‘‘ کی مختلف کتب اور ابواب میں تخریج کی ہیں مگر یہ حدیث نہ صرف بطورِ خاص سوال کرنے اور مدد طلب کرنے کے باب میں اور انہی ابواب کے تسلسل میں روایت کی ہے بلکہ اس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کا بیان کردہ لفظ استغاثہ (مدد طلب کرنا) بھی استعمال ہوا ہے۔ پھر آخر میں امام بخاری نے حدیث کے ذریعے تصریح بھی کر دی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اس حدیث کو ’’سوال کرنے اور مدد طلب کرنے‘‘ کے موضوع کے تحت بیان فرمایا تھا۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کے پہلے حصے میں لوگوں سے بھیک مانگنے کے بارے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے لیکن حدیث کے اگلے حصے میں متصلاً اس ایمان افروز اور اہلِ ایمان کے لئے پر اُمید نوید کا ذکر ہے جس پر ہر کوئی نازاں و فرحاں ہے۔ وہ ہے آپ ﷺ کا مقامِ محمود پر فائز ہو کر اُمت کی بخشش و مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے شفاعت فرمانا۔ اسی مقام پر اَولین اور آخرین آپ ﷺ سے اِستغاثہ کریں گے۔

ماتحت الاسباب اُمور میں اِستعانت و اِستغاثہ

استعانت واستغاثہ کے باب میں بعض لوگ ما فوق الاسباب استعانت کو جائز نہیں سمجھتے صرف ماتحت الاسباب استعانت کے قائل ہیں لیکن ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کیا کہ اِستعانت خواہ فوق الاسباب امور میں ہو یا تحت الاسباب اُمور میں، عام لوگوں کی قدرت سے خارج ہوں یا اُن کی قدرت میں داخل، حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی مختص رہتی ہے۔ بندوں کے ہاتھ پر جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے اِن تمام کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بندوں کے ذریعے جو مدد واعانت صادر ہوتی ہے وہ کسب کہلاتی ہے یعنی کسی کی مدد کرنے والے بندے فقط فعلِ امداد کا سبب اور واسطہ ہوتے ہیں، مدد، نصرت اور اعانت کے خالق نہیں ہوتے۔ اس لئے ان سے استمداد اور استعانت بھی

ظاہری اور مجازی ہوتی ہے حقیقی نہیں۔ کثرت کے ساتھ احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے اللہ کے ہاں انعامات ہیں۔ اس مدد کرنے کے عمل ہی کو اصطلاحًا **استغاثہ** اور **استعانت** کہتے ہیں۔ **عون** سے **استعانت** ہے اور **غوث** سے **استغاثہ** ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ استعانت اور استغاثہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

صحیح احادیث میں مسلمان کو مسلمان کا بھائی کہا گیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی مشکل اور بحرانی صورت حال سے دوچار ہے اور کوئی دوسرا اس کی حاجت روائی کرے تو ایسا کرنے والے کی حاجت اللہ تعالیٰ روز قیامت پوری کرے گا۔ اسی طرح حدیث کی رو سے جب تک کوئی شخص کسی کی مدد میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا معین و مددگار رہتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے کا ذکر کیا گیا ہے جو مشکلات اور پریشان کن حالات میں مبتلا افراد کا معین و مددگار بن جائے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا بندۂ غوث ہوتا ہے، جس کا ایک اقدام تہتر (۷۳) نیکیوں کا بدل بن جاتا ہے۔ اس حدیثِ پاک میں حضور ﷺ نے موجودہ دور میں ہونے والی تمام نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا جواب دے دیا اور مدد کے ان تمام کاموں کو جائز قرار دیا جن کا قیامت کے دن اجر دیا جائے گا۔

۱۔ بندۂ مومن دوسروں کا مشکل کشا اور حاجت روا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ۔ (۱)

’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرمائے گا جو شخص (دنیا کی پریشانیوں میں سے) کسی مومن کی پریشانی کو دور کر دے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ کی رو سے اگر یہ کہا جائے کہ کوئی مومن اللہ تعالیٰ کے پریشان حال بندوں کا حاجت روا، مشکل کشا اور پردہ پوش ہے تو اس میں کوئی بات نہ خلافِ حقیقت ہوگی اور نہ شرک۔

۲۔ بندۂ مومن ناصر و مددگار ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ (۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ۲:۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظالم، ۴:۱۹۹۶، رقم: ۲۵۸۵
۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی الستر علی المسلم، ۴:۳۴، رقم: ۱۴۲۶

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، ۴:۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹ ←

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔''

کیا اس حدیث کے مطابق مومن اپنے مسلمان بھائیوں کا ناصر و مددگار نہیں کہلائے گا؟

۳۔ بندۂ مومن فریاد رَس ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن لله عبادًا يفزع الناس إليهم في حوائجهم الآمنون يوم القيامة من عذاب الله۔(۱)

''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ لوگ اپنی جمع وحوائج میں ان سے فریاد کرتے ہیں (وہ اگر دوسروں کی فریاد رسی کرتے ہیں تو) قیامت کے روز وہ (بندے) اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس ارشاد مبارک کے مطابق اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنے بھائیوں کی فریاد سن کر ان کی مدد کو پہنچیں گے تو کیا وہ ان کے فریاد رس نہ ہوں گے؟

۴۔ بندۂ مومن مستغاث ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

.... ۲۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، ۴: ۳۲۶، رقم: ۱۹۳۰

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱

(۱) ہندی، کنزالعمال، ۶: ۴۴۵

من أغاث ملهوفاً كتب الله له ثلاثاً وّسبعين حسنةً(۱)

''جو شخص کسی مظلوم کی مدد کرے اللہ ﷻ اس کے لئے تہتر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔''

مذکورہ بالا ان اَحادیث سے معلوم ہوا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ زیردستوں اور محتاجوں کے معین و مغیث، قاضیُ الحاجات اور ستار العیوب وغیرہ صفات سے متصف ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ قاضیُ الحاجات اور ستار و معینِ حقیقتاً اللہ ﷻ کی ذات ہے لیکن چونکہ بندہ اس میں واسطہ ہے اس لئے اس کی طرف فعل کی نسبت کرنا بھی درست ہے۔

۵۔ صالحین کے وسیلہ سے آفات و بلیات ٹلتی ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ سے بکثرت یہ اَقوال منقول ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِستغفار کرنے والوں اور مسجدوں کو آباد کرنے والوں کی وجہ سے ساکنانِ اَرض سے اپنے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن ہی کی وجہ سے زمین والوں کو رزق دیتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے اور زمین پر بسنے والوں سے بلاؤں اور مصائب کو دور فرماتا ہے۔

امام بخاریؒ نے مصعب بن سعد سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ کو فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ۔(۲)

''تم لوگوں کی تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہی مدد کی جاتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔''

امام ترمذی اور حاکم نے بھی حضرت انس ﷛ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی

(۱) ہندی، کنز العمال، ۶: ۴۴۵، رقم: ۱۶۴۷۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، ۳: ۱۰۶۱، رقم: ۲۷۳۹

اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِه ۔(۱)

''تم کو اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔''

اِستغاثہ میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں

یہ طے شدہ بات ہے کہ اللہ ﷻ ہی صحت و بیماری اور نفع و نقصان کا حقیقی مالکِ و خالق ہے۔ یہ اعتقاد اللہ تعالیٰ کے لئے رکھنا توحید جب کہ غیر اللہ کے لئے رکھنا شرک ہے۔ اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے کسی بھی مسلمان کا انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی نسبت ایسا عقیدہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بذاتِ خود نفع وضرر کے مالک ہیں۔ قرآن میں کفار و مشرکین کے معبودانِ باطلہ کے بارے میں اس عقیدے کو رد کرتے ہوئے کہ وہ نفع و نقصان پہنچانے کے مالک ہیں۔ ارشاد فرمایا:

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ(۲)

''پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نفع و نقصان کا مالک ہونے کی نفی کی گئی ہے، آج بھی اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع وضرر کا مالک جان کر ان سے استعانت کی جائے یا ان سے مدد طلب کی جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ امر ثابت ہے کہ مخلوق

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد، باب ما جاء فی الاستفتاح بعصاليك المسلمين، ۴: ۵۷۴، رقم: ۲۳۴۵
۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۲، رقم: ۳۲۵

(۲) القرآن، الانبیاء، ۲۱: ۶۶

سے نفع ہو سکتا ہے اور مخلوق سے نفع کا پہنچنا جائز ہے، محض کسی کی طرف سے نفع چاہے قلیل ہو یا کثیر اس کا پہنچنا شرک نہیں ہے۔ شرک کا حکم تو قلیل اور کثیر کے لئے یکساں ہے۔ جب مخلوق کو مخلوق سے نفع پہنچنا شرک نہیں تو پھر کسی سے نفع طلب کرنا کیسے شرک ہوسکتا ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو نفع کا باعث اس لئے بنایا ہے کہ اس کے ذریعے سے مخلوق کو نفع پہنچے اور جب وہ مخلوق کو نفع پہنچا رہا ہے تو اس سے نفع طلب کرنا کیسے شرک ہوسکتا ہے؟ اگر شرک ہوتا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی کو نافع ہی نہ بناتا۔ شرک تب ہوگا کہ کسی کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اس سے استغاثہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب ومحبوب بندے اس کی مخلوق کے لئے نفع رسانی کا باعث ہیں مالک نہیں۔ لہٰذا درست عقیدہ یہی ہے کہ مقربانِ الٰہی سے استغاثہ واستعانت ہرگز شرک نہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا استغاثہ

اَحادیثِ مبارکہ میں جا بجا مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ و اِستمداد کرتے تھے۔ اپنے اَحوالِ فقر، مرض، مصیبت، حاجت، قرض اور عجز وغیرہ کو بیان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی پریشانیوں کا مداوا اور مسائلِ حیات کا اِزالہ کرتے تھے۔ اِس عمل میں اُن کا عقیدہ یہی تھا کہ نفع وضرر میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک واسطہ اور سبب ہیں جبکہ حقیقی فاعل تو صرف اللہ جل جلالہ ہی کی ذات ہے۔ اس حوالے سے چند واقعات درج ذیل ہیں:

۱۔ رفعِ نسیان کے لئے سیدنا اَبو ہُریرہ رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ شروع میں بہت کمزور تھا اور وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اِرشاداتِ گرامی یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ دریں اثناء اُنہوں نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستغاثہ کیا، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی نِسیان کی شکایت ہمیشہ کیلئے رفع فرما دی۔ یہی سبب ہے کہ آپ کثیر الرواۃ صحابی ہوئے۔ سیدنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثاً كَثِيْراً أَنْسَاهُ، قَالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ابْسُطْ رِدَاءَكَ، فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيْتُ شَيْئاً بَعْدُ(۱)

''میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں اور پھر بھول جاتا ہوں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ، پس میں نے چادر پھیلائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز اُٹھا کر اس (چادر) میں ڈالی، پھر فرمایا: اِسے اپنے ساتھ ملا لو، پس میں نے ملا لیا تو اُس کے بعد میں کبھی کوئی چیز نہیں بھولا۔''

صحیح بخاری کی مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر مشکل کے حل کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑا موحّد کون ہو سکتا ہے اور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر بڑا داعی اِلی التوحید کون ہو سکتا ہے؟ مگر اِس کے باوجود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ و اِستمداد کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنکار کی بجائے اُن کا مسئلہ زندگی بھر کیلئے حل فرما دیا۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ ہر موحّد یہ جانتا ہے کہ مُستعانِ حقیقی فقط اللہ جل جلالہ کی ذات ہے۔ انبیاء، اولیاء، صلحاء اور پاکانِ اُمت جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، وہ تو حلِ مشکلات میں صرف سبب اور ذریعہ ہوتے ہیں۔ اُن کا تصرّف محض اللہ تعالیٰ کی عطاء سے قائم ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں کیلئے اللہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب حفظ العلم، ۱:۵۶، رقم: ۱۱۹

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب سؤال المشرکین أن یریھم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیۃً، ۳:۱۳۳۳، رقم: ۳۴۴۸

تعالیٰ کی بارگاہ میں مطلوب کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنیں۔

ہر ذی شعور موحّد یہ جانتا ہے کہ قضائے حاجت اور مطلب براری کے لئے دُعا اور مدد صرف اُسی سے مانگی جاتی ہے جس کے قبضہء قدرت میں کل اِختیاراتِ عالم ہیں۔ جب کہ طالبِ وسیلہ کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وسیلہ بننے اور شفاعت کرنے والا اللہ ربّ العزت سے مُجھ گناہگار کی نسبت زیادہ قربت رکھتا ہے اور اُس کا مرتبہ اِستغاثہ کرنے والے کی نسبت بارگاہِ ایزدی میں زیادہ ہے۔ سائل اُسے مستغاثِ مجازی سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کیوں کہ وہ اِس بات سے آگاہ ہوتا ہے کہ مستغاثِ حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہی معاملہ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے واضح ہوتا ہے۔

۲۔ ضائع شدہ آنکھ کی بحالی کے لئے قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

غزوۂ بدر کے دوران حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ ضائع ہو گئی اور آنکھ کا ڈھیلا اپنے اصل مقام سے باہر نکل کر چہرے پر لٹک گیا۔ تکلیف کی شدّت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ آنکھ کی رَگ کاٹ دی جائے تاکہ تکلیف کچھ کم ہو جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کے مشورے پر عملدرآمد سے پہلے محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرضِ حال و اِلتجاء کا فیصلہ کیا۔ اِس حدیثِ اِستغاثہ کو ائمہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ، أَنَّهُ أُصِيْبَتْ عَيْنُهُ يَوْمَ بَدْرٍ، فَسَالَتْ حَدَقَتُهُ عَلَى وَجْنَتِهِ، فَأَرَادُوْا أَنْ يَقْطَعُوْهَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ: لَا، فَدَعَا بِهِ، فَغَمَزَ حَدَقَتَهُ بِرَاحَتِهِ، فَكَانَ لَا يُدْرَى أَيُّ عَيْنَيْهِ أُصِيْبَتْ۔ (۱)

(۱) ۱۔ أبويعلى، المسند، ۳: ۱۲۰، رقم: ۱۵۴۹
۲۔ بيهقى، دلائل النبوة، ۳: ۱۰۰
۳۔ هيثمى، مجمع الزوائد، ۸: ۲۹۷

''حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کی آنکھ غزوۂ بدر کے دوران زخمی ہوگئی اور ڈھیلا نکل کر چہرے پر آ گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُسے کاٹ دینا چاہا تو انہوں نے اس بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا اور آنکھ کو دوبارہ اُس کے مقام پر رکھ دیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ اِس طرح ٹھیک ہوگئی کہ معلوم بھی نہ ہوتا تھا کون سی آنکھ ضائع ہوئی۔''

ثابت ہوا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے سرورِ انبیاء حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر جب اپنی تکلیف اور دکھ کا اظہار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستعانت و اِستغاثہ کیا تو حضورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کو کاٹنے کی اِجازت دینے کی بجائے اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کو دوبارہ اُس کے اصل مقام پر رکھ دیا جس سے اُن کی بینائی پھر سے لوٹ آئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ضائع ہونے والی آنکھ کی بینائی کسی طرح بھی پہلی آنکھ سے کم نہیں بلکہ پہلے سے بھی بہتر ہے۔

امام ہیثمی نے اس طرح کی احادیث کو اپنی کتاب ''مجمع الزوائد'' میں جمع کرنے کے بعد باب کا عنوان ''رده صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم البصر'' یعنی ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنکھ لوٹانا'' رکھا۔ اس سے اکابرینِ امت کے عقیدہ صحیحہ کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ مضر پھوڑے سے شفایابی کے لئے صحابی رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

کتبِ احادیث میں طبیبِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک صحابی کا اِستغاثہ بھی مروی ہے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک مضر پھوڑا (struma) تھا جس کی وجہ سے دورانِ جہاد اُن کے لئے گھوڑے کی لگام یا تلوار کا دَستہ پکڑنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ صحابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اَقدس میں حاضر ہوئے اور اِس بیماری کے علاج کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ کیا۔ پس اللہ جل جلالہ مستعانِ حقیقی نے دستِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اُس صحابی کو شفا عطا فرما

دی۔ یہ حدیثِ مبارکہ مجمع الزوائدمیں ان صحابی کے الفاظ میں یوں مروی ہے:

أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَبِكَفِّي سَلْعَةٌ، فَقُلْتُ: ''يَا نَبِيَّ اللهِ! هَذِهِ السَّلْعَةُ قَدْ أَوْرَمَتْنِي لَتَحُوْلُ بَيْنِي وَ بَيْنَ قَائِمِ السَّيْفِ أَنْ أَقْبِضَ عَلَيْهِ وَ عَنْ عَنَانِ الدَّابَةِ''. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ''أُدْنُ مِنِّي''. فَدَنَوْتُ، فَفَتَحَهَا، فَنَفَثَ فِي كَفِّي، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى السَّلْعَةِ، فَمَا زَالَ يَطْحِنُهَا بِكَفِّهِ حَتَّى رَفَعَ عَنْهَا وَ مَا أَرَى أَثْرَهَا.(۱)

''میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں ایک پھوڑا تھا۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! (میرے ہاتھ پر) پھوڑا ہے جس کی وجہ سے مجھے سواری کی لگام اور تلوار پکڑنے میں تکلیف ہوتی ہے''۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میرے قریب ہو جاؤ۔'' پس میں آپ ﷺ سے قریب ہو گیا، آپ ﷺ نے اُس پھوڑا کو کھول کر میرے ہاتھ میں پھونک ماری اور اپنے دستِ مبارک کو پھوڑے پر رکھ کر دباتے رہے حتیٰ کہ جب ہاتھ اُٹھایا تو اُس (پھوڑے) کا اثر مکمل طور پر زائل ہو چکا تھا۔''

۴۔ بینائی کے لئے صحابی رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

مادر زاد نابیناؤں کو نعمتِ بصارت سے فیضیاب کرنا بھی تاجدارِ انبیاء ﷺ کا معجزہ ہے۔ جامع ترمذی کی روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی سرورِ کائنات ﷺ کی خدمتِ اَقدس میں بینائی کے حصول کے لئے اِستغاثہ کرنے آئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اُنہیں منع کرنے اور اِستغاثہ کی حُرمت یا خدشہء شِرک کا اِظہار کرنے کی بجائے خود اُنہیں دُعا کی تلقین فرمائی۔ یہ دُعا، وسیلہ اور اِستغاثہ دونوں کی جامع ہے اور اُس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ

(۱) هيثمي، مجمع الزوائد، كتاب علامات النبوة، باب شفاء السلعة، ۸:۲۹۸

کی طرح اگر اسے آج بھی صدق دل اور خلوص نیت سے کیا جائے تو اِنسانیت کے لئے مجرّب اعظم ہے۔ مذکورہ دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَامُحَمَّدُ! إِنِّی قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّی فِی حَاجَتِی هَذِهِ فَتَقْضِی لِی،اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.(1)

''اے اللہ! میں نبیٔ رحمت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! میں اپنی اِس حاجت میں آپ کے واسطے سے اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ یہ حاجت بر آئے۔ یا اللہ میرے معاملے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سفارِش وشفاعت کو قبول کر لے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں مذکور دُعا کا اِبتدائی جملہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں بطورِ وسیلہ پیش کر رہا ہے، جب کہ اِسی دُعا کا دوسرا جملہ جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کیا جا رہا ہے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے اِستغاثہ کا نہ صرف جواز بلکہ حکم مہیا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے اِستغاثہ جائز اور درست نہ ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ اِس عمل کا حکم اِرشاد نہ فرماتے۔ حضور سرورِ کائنات نے خود اپنی ذاتِ گرامی سے اِستغاثہ کا حکم اِرشاد فرما کر ان باطل عقائد و نظریات کی جڑ کاٹ دی جن کے ذریعہ بعض لوگ اِسلام کے حقیقی عقائد و نظریات اور تعلیمات کا چہرہ مسخ کرتے ہوئے جمیع مسلمانانِ عالم کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں۔

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدّعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب فی دعاء الضعیف، ۵: ۵۶۹، ۳۵۷۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اقامة الصلوة والسنة فيها، باب ما جاء فی صلوة الحاجة، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۳۸۵

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۸، رقم: ۱۶۶۰۴

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے صحابی کی حاجت روائی

ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ توسُّل کا یہ طریقہ نبی ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم توسُّل کے اس صیغہ کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی استعمال کرتے تھے۔ طبرانی کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی غرض و حاجت سے بار بار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ وہ آدمی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ملا اور ان سے اس کا شکوہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وضو کر کے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر ان الفاظ کے ساتھ دعا کرو: ”**اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ**...... إلی آخرہ اور اپنی حاجت کا ذکر کرو۔ وہ آدمی چلا گیا اور جو اس کو کہا گیا تھا اس نے وہی کیا۔ اس کے بعد جب وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت میں اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور فرمایا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس کی حاجت پوری کردی اور فرمایا کہ تم نے اب تک اپنی حاجت کا کیوں ذکر نہ کیا؟ آئندہ جو بھی ضرورت ہو، ہمارے پاس آ جایا کرو۔ وہ آدمی جب ان کے ہاں سے رخصت ہوا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، عثمان تو اس سے پہلے میری حاجت کے بارے میں نہ غور کرتے اور نہ میری طرف التفات کرتے تھے اب آپ نے ان سے میری سفارش کردی تو میرا کام ہو گیا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ! ما کلمته، و لکنّي شهدت رسول اللہ ﷺ و أتاه ضرير، فشکا إليه ذهاب بصره، فقال له النبي ﷺ: فتصبر؟ فقال:

یارسول اللہ! لیس لي قائد و قد شقّ عليّ، فقال له النبيﷺ: ائت المیضأة فتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بهذه الدعوات. قال ابن حنیف: فواللہ! ما تفرقنا، و طال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کأنه لم یکن به ضرّ قط۔(۱)

''بخدا! یہ میں نے نہیں کہا۔ بلکہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس ایک اندھا آدمی آیا اور آپ ﷺ سے اپنی بینائی کے ختم ہونے کا شکوہ کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا صبر کر۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا کوئی خادم نہیں ہے اور مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوٹا لے کر آ ؤ اور وضو کرو۔ پھر دو رکعت (نفل نماز) پڑھ کر ان دعائیہ کلمات سے دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ ابھی نہ تو مجلس سے دور ہوئے اور نہ ہی ہمارے درمیان گفتگو لمبی ہوئی حتی کہ وہ آدمی ہمارے پاس (اس حالت میں) آیا کہ گویا اسے اندھا پن تھا ہی نہیں۔''

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو وہ دعا سکھائی جس میں نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے ذریعہ استغاثہ و ندا اور نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس آدمی نے یہ گمان کیا کہ شاید عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سے سفارش کی ہے جس وجہ سے اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے اس لئے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جلدی سے نہ صرف اس کے گمان کی نفی کر دی بلکہ اس عمل خیر کو اپنی ذات سے منسوب کرنے کی بجائے اس کو وہ حدیث سنائی جو انہوں نے حضور نبی

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۳۱، رقم: ۸۳۱۱
۲۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۱۸۳۔۱۸۴
۳۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۶: ۱۶۷۔ ۱۶۸

اکرم ﷺ سے سنی تھی تا کہ ثابت ہوجائے کہ اس کی حاجت نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے اور آپ ﷺ کو نداء اور آپ ﷺ سے استغاثہ کی وجہ سے پوری ہوئی ہے اور اللہ کی قسم کھا کر اسے یقین دہانی کروائی کہ انہوں نے امیر المؤمنین سے اس بارے میں کوئی سفارش نہیں کی بلکہ یہ سب کچھ وسیلۂ مصطفےٰ ﷺ کی برکت ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کی تائید

علامہ ابنِ تیمیہ نے ابنِ ابی الدنیا کی کتاب ''**مجابو الدعوة**'' سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک شخص عبد الملک بن سعید بن ابجر کے پاس آیا۔ عبد الملک نے اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تمہیں ایک لا علاج بیماری 'دبیلہ (بڑا پھوڑا)' ہے جو پیٹ کے اندر نکلتا ہے اور اکثر مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص واپس ہوا اور پھر اس نے مذکورہ بالا ''توسلِ رسول ﷺ'' پر دعا کو پڑھا۔ بعد ازاں عبدالملک نے اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تم ٹھیک ہوگئے ہو، تمہیں کوئی بیماری نہیں۔

شیخ ابنِ تیمیہ اپنی کتاب میں اس پورے واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فهذا الدعا و نحوه قدروی أنه دعا به السلف۔(۱)

''یہ اور اس جیسی دیگر مجرب دعائیں سلف صالحین کا معمول رہی ہیں۔''

اہم بات یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس چیز کی نہ صرف روایت کر دی بلکہ وسیلہ اور استغاثہ کے اس عمل کو صالحینِ اُمت کا معمول قرار دیا۔ شیخ ابنِ تیمیہ کی یہ خاموش تائید گویا ایسی دعاؤں اور وظائف کو استغاثہ بنانے کا جواز ہیں۔

عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اِستغاثہ بالنبی ﷺ کے ثبوت میں کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں۔ احادیثِ صحیحہ مرفوعہ متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی کوئی

(۱) ابن تیمیه، قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة: ۹۱

مصیبت و آفت درپیش ہوتی تو وہ سرورِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستغاثہ کے لئے حاضر ہوتے۔ حضور ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اِس عمل سے روکنے کی بجائے اُن کی حاجت براری کرنا استغاثہ کے جواز کو حتمی طور پر ثابت کرتا ہے کہ یہ عمل شِرک کے اَدنٰی سے شائبہ سے بھی پاک ہے۔ اوّلاً یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی صحابی شِرک میں مبتلا ہو اور ثانیاً یہ اُس سے بھی زیادہ ناممکن بات ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شِرک سے بچنے کی تعلیم نہ دیں۔

توحید کی آڑ میں فیوضاتِ محمدی ﷺ سے اِنکار کی اِبلیسی روِش

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام روحانی، علمی اور عملی کمالات کے حصول میں جمیع مخلوق کے لئے فیض کا واسطۂ اعظم ہیں۔ تمام اَنبیاء و رُسل اَولیاء وعرفاء حتیٰ کہ ملائکہ مقربین میں جو جو کمالات و معارف فردًا فردًا موجود ہیں وہ سب کے سب آپ ﷺ میں بدرجۂ اَتم موجود ہیں اور سب کو آپ ﷺ کے توسط و توسل سے ہی عطا ہوتے ہیں۔ جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ ان فضائل و کمالات کا وسیلہ آپ ﷺ ہی ہیں تو حضور ﷺ کو جامع کمالات و فضائل سمجھنا بدرجۂ اتم ثابت ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کومخلوق کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ جانتے ہوئے اعلیٰ ترین مقام و منصب پر فائز سمجھنا تقاضائے اِیمان بن جاتا ہے۔ اب حضور ﷺ کی نسبت یہ باتیں کرنا کہ آپ ﷺ اُمت کے احوال سے آگاہ ہیں یانہیں؟ آپ سے استعانت اورتوسل جائز ہے یانہیں؟ آپ ﷺ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں یانہیں؟ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کراپنے لئے بخشش و مغفرت اورنعمتیں طلب کرنا جائز ہے یا حرام؟ یہ سب دراصل کمزور علم اورضعیف بلکہ ناقص ایمان رکھنے والے لوگوں کی باتیں ہیں۔ فیوضاتِ محمدی ﷺ کی نفی یا ضعف ثابت کرکے عقیدۂ توحید کوتقویت دینے کا رجحان نہ صرف کج فہمی ہے بلکہ بہت بڑا ابلیسی فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے ایمانی نقائص سے ہم سب کومحفوظ فرمائے۔

معجزہ اور کرامت سے متعلق ایک اشکال کا اِزالہ

اس مقام پر بعض لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال وارد ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ سب واقعات انبیائے کرام علیھم السلام کے معجزات اور اعزازات ہیں یا اولیاء کرام کی کرامات ہیں۔ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ نبی اور رسول کا معجزہ ہو، ولی کی کرامت ہو یا عام بندوں کے افعال، اِن سب کا خالق اور فاعلِ حقیقی بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ بندوں کی طرف اِن تمام افعال کی نسبت خواہ وہ اُمور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ، تحت الاسباب ہوں یا فوق الاسباب، ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا افعال میں عادیہ اور غیر عادیہ کی تقسیم یا ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کی تقسیم، حقیقی و مجازی کی تقسیم کے ہوتے ہوئے نہ صرف غیر ضروری بلکہ غلط، جاہلانہ اور گمراہ کن ہے۔

عام افعال کی طرح معجزاتِ انبیاء اور کرامات اولیاء کے ساتھ بھی دو قدرتیں متعلق ہوتی ہیں۔ ایک انبیاء ورسل عظام علیھم السلام اور اولیاء ومحبوبانِ خدا کی قدرت بہ لحاظِ کسب اور دوسری اللہ جل مجدہٗ کی قدرت بلحاظِ خلق و ایجاد۔ معجزات اور کرامات کا اِسناد انبیاء واولیاء کی طرف بہ لحاظ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بہ لحاظ خلق ہے۔ جس طرح عام لوگوں کی قدرت و اختیار میں افعالِ عادیہ ہوتے ہیں۔ اِسی طرح انبیاء و اولیاء کی قدرت و اختیار میں افعال غیر عادیہ بھی رکھے گئے ہیں۔ جس طرح عام لوگوں کی قدرت میں اُمور ما تحت الاسباب ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء کی قدرت میں ما فوق الاسباب بھی رکھے گئے ہیں۔ یہی ان کا شرف وامتیاز ہے اور مقام و اختصاص۔ اسی شرف کی عملی شکل معجزہ و کرامت کا صدور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پرعصا مار کر چشمے جاری کرنا اور یدِ بیضاء کا معجزہ ان کے ارادہ اور رضا ہی سے ظاہر ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا مٹی کے مجسمے بنانا اور پرندوں کی شکل وصورت بنا کر روح پھونک دینا بھی ان کے قصد و ارادہ اور رضا سے تھا

اور برص، کوڑھ کو دور کرنا اور مادر زاد اندھوں کو روشن آنکھیں عطا کرنا ان کے قصد و ارادہ اور ان کی رضا اور کسب و سببیّت سے ہی ہوتا تھا اور ہزاروں مریض روزانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے شفا یاب ہوتے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفار و مشرکین کے مطالبے پر درختوں کو جڑوں سمیت چلانا، پتھر کو پانی پر تیرانا، چاند کو دولخت کرنا، انگلیوں سے چشمے جاری فرمانا اور اُمِ معبد کی لاغر و نحیف بکری سے دودھ جاری کرنا یہ معجزات اتفاقاً نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قصد و ارادہ، مرضی اور کسب و سببیت کے طور پر ظہور پذیر ہوئے۔

اولیاء اللہ کا خوارقِ عادت اُمور میں تصرف

انبیاء و رُسل عظام علیہم السلام کو معجزات اور اولیائے کو کرامات کے معاملہ میں جبریہ کی طرح مجبورِ محض ماننا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ خلق و ایجاد صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور بطریق کسب و سببیّت اور بطورِ عادت تدبیر و تصرف ان کی حسبِ شان ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ نے تاثیرات اولیاء پر کلام کرتے ہوئے **تفسیرِ عزیزی** میں کیا خوب لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ’’کاملیت کی دوسرے ناقص لوگوں میں تاثیر جس کو اہلِ طریقت عرف اور اصطلاح میں توجہ کہتے ہیں، چار قسم کی ہے۔ اول **انعکاسی**، دوئم **اِلقائی**، سوم **اصلاحی** اور چہارم **اتحادی**۔ تاثیرِ اتحادی یہ ہے کہ شیخ و مرشد اپنی روح کو جو کہ کمال کے ساتھ موصوف ہوتی ہے۔ مستفید و مسترشد کی روح کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ متحد کر دیتا ہے حتی کہ شیخ کی روح میں مسعود کمال مرید کی روح میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور تاثیر کی اقسام میں سے یہ قسم سب سے قوی تر ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں روحوں کے اتحاد کا تقاضا اور اثرِ مترتّب یہی ہے کہ جو شیخ کی روح میں کمال ہو گا وہ مرید کی روح کو حاصل ہو جائے گا اور بار بار

استفادہ کی حاجت نہیں رہے گی۔ اَولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر کا ظہور نادر طور پر ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز سے منقول ہے کہ ایک دن ان کے ہاں چند مہمان آئے اور ماحضر موجود نہیں تھا۔ مہمان نوازی کی فکر میں انہیں پریشانی لاحق ہوئی، ضیافت کے سامان کیلئے باہر نکلے، اتفاقاً آپؒ کے مکان سے متصل نانبائی کی دکان تھی وہ اس تشویش پر مطلع ہوا تو اس نے روٹی اور سالن تیار کر کے خدمت میں پیش کیا۔ انہیں اس حسنِ سلوک سے بہت خوشی ہوئی حتی کہ اس کو فرمایا مانگ جو مانگنا چاہتا ہے۔ نانبائی نے اپنی سمجھ کے مطابق عرض کیا ''مجھے اپنے جیسا بنا دیں''۔ آپؒ نے فرمایا تو اس حالت کا متحمل نہیں ہوسکتا کوئی دوسری چیز طلب کر۔ اس نے اسی مطالبہ پر اصرار کیا اور آپ اس سے اعراض فرماتے رہے، جب اس کی لجاجت اور اصرار زیادہ ہوا تو آپ ناچار نانبائی کو حجرہ میں لے گئے اور اس پر توجہ اتحادی فرمائی، جب وہ حجرہ سے باہر آئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ اور نانبائی کے درمیان شکل وصورت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا اور لوگوں کو ان کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ صرف اتنا فرق محسوس ہوتا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ حالتِ ہوش میں تھے اور وہ نانبائی مدہوش اور بے خود تھا۔ بالآخر تین دن کے بعد اسی حالتِ سُکر و مدہوشی میں انتقال کر گیا۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔[1]

اس سے یہ امر عیاں ہوا کہ اولیاء اللہ میں اپنے کسب و اختیار اور تدبیر وتصرف اور فعل و تاثیر سے خوارقِ عادت اُمور کے صادر کرنے اور سر انجام دینے کی صلاحیت اور قوت موجود ہوتی ہے اور وہ ناقصین کو کاملین بنانے پر قادر ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے اُمور اتفاقاً اور بلا قصد و بلا ارادہ نہیں بلکہ اپنے کسب واختیار اور تصرف سے صادر ہوتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ''تفسیر عزیزی (ا: ۹)'' میں اِیَّاكَ

(۱) شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی، ۳: ۲۴۵

نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس جگہ یہ اَمر جاننا ضروری ہے کہ مطلق اِستعانت غیر سے حرام نہیں بلکہ اس طرح حرام ہے کہ استعانت چاہنے والا اس شخص پر بھروسہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ حاجت رو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے اور یہ شخص سبب ظاہری ہے اور اگر ایسا اعتقاد کر کے غیر سے استعانت کرے اور اس غیر کو مظہرِ عونِ اِلٰہی سمجھے سو ایسی استعانت شرع میں جائز اور روا ہے۔ انبیاء و اولیاء علیہم السلام نے اس طرح کی استعانت غیر کے ساتھ کی ہے۔ اور درحقیقت ایسی استعانت بالغیر نہیں بلکہ استعانت خدا کے ساتھ ہے۔''

مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی ''**امداد الفتاوٰی**'' کی **کتاب العقائد والکلام** میں لکھتے ہیں کہ مخلوق کی غیر مستقل قدرت مان کر اس سے استمداد جائز ہے اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے۔ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''جو اِستعانت و اِستمداد باعتقادِعلم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد وعلم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔خواہ مستمد منہ(یعنی جس سے مدد طلب کی جائے) زندہ ہو یا وصال پا چکا ہو۔''(۱)

مذکورہ اقتباس سے ثابت ہوا کہ مخلوق زندہ ہو یا میت، ان کی غیر مستقل قدرت مان کر ان کے توسل سے مدد واِعانت طلب کرنا جائز اور مشروع ہے۔ یہ شرک اور بدعت نہیں ہے۔

(۱) تھانوی، اِمداد الفتاوی، کتاب العقائد والکلام، ۴: ۹۹

فصل دُوُم

بعد اَز وصال اِستعانت و اِستغاثہ

﴿فرائض ونوافل کے ذریعے قربِ الٰہی پر مشتمل حدیثِ قدسی کی بحث﴾

مشہور حدیثِ قدسی کے مطابق بندہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر مداومت کے ذریعے ایسے مقامِ قرب پر متمکن ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قوتوں اور قدرتوں کا مظہر بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رضا و ناراضی اس سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اس مقامِ قرب میں بندۂ مومن کے مشاہدات اور تصرفات میں جو غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے اس کا فیض بعد از وصال بھی جاری و ساری رہتا ہے۔ اولیاء اللہ جو اس مقامِ رفیع پر فائز ہوں ان سے دعائیں کروانا، ان سے استعانت و استغاثہ گویا اللہ رب العزت سے استعانت ہوتی ہے۔ ذیل میں سب سے پہلے حدیثِ قدسی اور بعد ازاں محدّثین ومفسرین اور ائمۂ دین کی شروحات ملاحظہ کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ۔ (۱)

’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو میرے کسی ولی کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھے گا

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷

میں اُس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ میری کسی ایسی محبوب چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اس پر فرض کی ہیں، اور بندہ ہمیشہ نوافل (کی کثرت اور فراوانی) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ پس جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ چلتا ہے اور اگر وہ محبوب بندہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسے ضرور بالضرور مطلوبہ چیز دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور بالضرور اس کو پناہ اور تحفظ مہیا کروں گا۔‘‘

امام ابنِ حجر عسقلانی اور دیگر ائمہِ حدیث سے مروی حدیثِ مبارکہ میں یہ کلمات بھی منقول ہوئے ہیں۔

وَلِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ۔ (۱)

’’اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ کلام کرتا ہے۔‘‘

ابو یعلی اور دیگر ائمۂ حدیث سے مروی حدیثِ مبارکہ میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وَفُؤَادَهُ الَّذِي يَعْقِلُ بِهِ۔ (۲)

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۳۴۴
۲۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۵۹
۳۔ أبو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۱۰: ۸۲
۴۔ بیہقی، کتاب الزھد الکبیر، ۲: ۲۷۰، رقم: ۶۹۸

(۲) ۱۔ أبو یعلی، المسند، ۱۲: ۵۲۰، رقم: ۷۰۸۷
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۰۶، رقم: ۷۸۳۳
۳۔ بیہقی، کتاب الزہد الکبیر، ۲: ۲۷۰، رقم: ۶۹۸

’’اور اس کا دل بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ فہم و شعور حاصل کرتا ہے۔‘‘

اور بعض روایات میں یہ کلمات بھی منقول ہیں:

فَبِیَ یَسْمَعُ وَ بِیَ یُبْصِرُ وَ یَبْطِشُ وَ بِیَ یَمْشِی۔(۱)

’’پس وہ میرے نور سے سنتا ہے، میرے نور سے دیکھتا اور پکڑتا ہے اور میرے نور سے ہی چلتا ہے۔‘‘

اس حدیثِ قدسی سے یہ امر عیاں ہوا کہ نوافل و مستحبات کی کثرت سے بندہ مقامِ محبوبیت پر فائز ہوجاتا ہے۔ وہ اللہ ﷻ کے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات سے منور ہوجاتا ہے اور وہی انوار اس بندہ محبوب کے حواس اور اعضاء بن جاتے ہیں۔ اس لئے اس بندۂ محبوب کا دیکھنا، سننا، چلنا، پکڑنا، بولنا اور سوچنا عام لوگوں سے مختلف ہوجاتا ہے۔ چونکہ یہ انوار و برکات مقامِ محبوبیت کا ثمر اور نتیجہ ہوتے ہیں۔ بندہ محبوب بعد از موت و وفات بھی محبوب و مقرب ہوتا ہے اس لئے اپنے وصال کے بعد اس کے علوم و معارف، شعور واِدراکات، احساسات اور تدبیر و تصرف کی طاقتیں اور قوتیں عام اہلِ ایمان سے قوی تر اور مؤثر ترین ہوتی ہیں۔ جب ان کی ارواحِ مقدسہ سے توسل اور استمداد و استعانت کی جاتی ہے تو وہ بندۂ محبوب اپنے چاہنے والوں کی مدد و اعانت کرتا ہے۔

مفسرین و محدّثین کی تصریحات

ائمۂ مفسرین و محدّثین نے اپنے ذوق اور علم کے پیشِ نظر اس امر پر روشنی ڈالی ہے۔

(۱) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۵۸۰
۲۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول، ۳: ۸۱
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۳۴۴

۱۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

وكذلك العبد إذا واظب على الطاعاتِ بلغ إلى المقام الذى يقول الله كنت لهُ سمعاً وبصرًا فإذا صار نور جلال الله سمعاً له سمع القريب والبعيد، وإذا صار ذالك النّور بصرًا له رأى القريب والبعيد واذا صار ذلك النّور يدًا لهُ قدر على التصرّفِ فى الصعب والسهل والقريب والبعيد۔(۱)

''ایسے ہی کوئی بندۂ محبوب جب طاعات پر مداومت اختیار کرے تو اس مقامِ محبوبیت پر فائز ہوجائے گا جس کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کا نور بندۂ محبوب و مقرب کے کان ہوجاتا ہے تو وہ قریب اور بعید سے سنتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا نور اس کی آنکھ بن جاتا ہے تو وہ بعید و قریب کو دیکھتا ہے۔ اور جب اللہ جل جلالہ کا نور بندے کا ہاتھ بن جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان کاموں پر قریب و بعید میں تصرف پر قادر ہوجاتا ہے۔''

۲۔ علامہ محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

فقد يمنح العبد قرب النوافل فيكون الحق سبحانه وتعالىٰ بصرهُ الّذى يبصر بهِ و سمعهُ الذى يسمع بهِ و قد يرقى من ذالك إلى قرب الفرائض فيكون نورًا فهناك يكون الغيب لهُ شهودًا والمفقود لدينا عندهُ موجودًا۔(۲)

''کبھی بندے کو نوافل کا قرب (یعنی ان پر مرتب نور) عطا کیا جاتا ہے تو اللہ

(۱) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۱: ۷۷
(۲) آلوسی، روح المعانی، ۱: ۱۰۷

تعالیٰ اُس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے سنتا ہے اور کبھی اُس سے ترقی کر کے قربِ فرائض (یعنی ان کی بدولت پہلے سب بھی اونچے درجات تک پہنچتا ہے) تو سراسر نور بن جاتا ہے۔ اِس مقام پر اُس بندۂ محبوب و مقرب کے لئے غیب، مانندِ شہود یعنی صاف ہو جاتا ہے اور جو ہمارے لحاظ سے ناپید اور معدوم ہوتا ہے وہ اُس کے سامنے آئینۂ حال میں موجود و مشہود ہوتا ہے۔''

۳۔ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:

والمواظبة على العلم والعمل وفيضان الأنوار الإلهية حتى يقوى النور وينبسط فى فضاء القلب، فتنعكس فيه النقوش المرتسمة فى اللوح المحفوظ ويطلع على المغيبات ويتصرف فى أجسام العالم السفلى، بل يتجلى حيئنذٍ الفياض الأقدس بمعرفة التى هى أشرف العطايا فكيف بغيره.(۱)

''علم و عمل پر اور انوارِ الٰہیہ کے فیضان پر مداومت سے وہ نور قوی ہو جاتا ہے اور قلب کی فضاء میں پھیل جاتا ہے۔ تب اُس پر لوحِ محفوظ میں مرقوم نقوش کا عکس پڑنے لگتا ہے اور وہ اُمورِ غیبیہ پر مطلع ہو جاتا ہے اور نچلے جہان میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ خود فیاضِ مطلق یعنی رب تعالیٰ اپنی معرفتِ کاملہ کے ساتھ اِس پر جلوہ گر ہوتا ہے جو کہ تمام انعامات سے بلند مرتبہ عطا و بخشش ہے۔''

۴۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ اکابر اسلاف میں سے ہیں۔ ان کے اقوال کو تمام مکاتبِ فکر معتبر سمجھتے ہیں۔ آپ انبیاء و اولیاء کے قصد و ارادہ اور اس کے ثمرات و نتائج کے حوالے سے لکھتے ہیں:

گفتہ اند بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ از عارف ھمچوں کلمہ

(۱) ملا علی قاری، مرقاۃ الفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۱: ۶۲

کن است از پرورد گار تعالیٰ و تقدس۔[1]

''اجل علماء نے کہا ہے کہ عارف ربانی کی زبان سے **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کا صادر ہونا اس طرح مؤثر اور مفیض و مفید مطلب ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کلمہ کُن کہ اس کے بعد فوری طور پر وہ شے موجود ہو جاتی ہے۔''

اسی طرح عارف ربانی کسی کام کے ارادہ پر **بسم اللہ** شریف پڑھے تو وہ کام فوراً ہو جاتا ہے۔

آپ **''أشعة اللمعات''** میں اَنبیاء کرام علیہم السلام اور اَولیاء عظام رحمھم اللہ تعالی سے توسّل و استمداد کے جواز پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولیت شعری چه مے خواهند ایشان باستمداد وامداد که ایں فرقه منکراند آنرا آنچه ما مے فهمیم از آں اینست که داعی محتاج فقیر الی اللّٰه، دعا مے کند و طلب مے کند حاجت خود را از جناب عزت وغناوے وتوسل مے کند بروحانیت ایں بنده مقرب ومکرم در درگاهِ عزت وے، وے گوید خداوندا به برکت ایں بنده تو که رحمت کردهٔ بروے واکرام کردهٔ او را وبلطف وکرمے که بوے داری برآورده گرداں حاجت مرا، که تو معطی کریمی۔ یا ندا مے کند ایں بنده مکرم ومقرب را که اے بنده خدا اے ولی وے شفاعت کن مراد بخواه از خدا که بد هد مسئول ومطلوب مرا وقضا کند حاجت مرا۔ پس معطی ومسئول ومامول

(۱) عبدالحق محدث دہلوی، اشعة اللمعات، ۲: ۲۴۰

پروردگار است تعالیٰ وتقدس ونیست ایں بندہ درمیان مگر وسیلہ۔ ونیست قادر وفاعل ومتصرف در وجود مگر حق سبحانہ و اولیاء خدا فانی وھالک اند در فعل الٰہی وقدرت وسطوت وے ونیست ایشاں را فعل وقدرت و تصرف نہ اکنوں کہ درقبور اند ونددر آں ھنگام کہ زندہ بودند در دنیا۔[1]

’’کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی! جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں، یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ دعا کرنے والا، اللہ کا محتاج ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا، اس سے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ولی و مقرب کا وسیلہ پیش کرتا ہے۔ وہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندۂ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف و کرم کیا ہے اس کے وسیلہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے والا کریم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت برلائے، سو عطا کرنے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا (ہر دوصورتوں میں) صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے جبکہ قادر، فاعل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے فعل، سطوت، قدرت اور غلبہ میں فانی اور ہالک ہیں اور اِن کو اب قبر میں افعال پر (اُس جیسی) قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت اور تصرف حاصل تھا جب وہ زندہ تھے۔‘‘

(۱) عبدالحق محدث دہلوی، اشعۃ اللمعات، ۳: ۴۰۱

۵۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ لکھتے ہیں:

اما قرب نوافل آنست که صفاتِ بشریه سالک از وے زائل شود و صفاتِ حق بروئے ظاهر آئیند۔ چنانچه زنده گرداند مرده را و بیمراند زنده را باذن اللّٰه و بشنود و بیند از جمیع بدن خود و بشود مسموعات را وبه بیند مبصرات را از بعید۔ وعلی هذا القیاس باقی صفات وے سوائے ایں وهمیں فنائے صفات بنده است بصفاتِ حق تعالی و ایں ثمره نوافل است۔[1]

’’قربِ نوافل یہ ہے کہ سالک کی بشری صفات اِس سے زائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات اُس پر ظاہر اور غالب آ جائیں۔ چنانچہ وہ بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرنے لگے اور زندہ لوگوں کو مارنے لگے اور تمام بدن کے ساتھ سنے و دیکھے۔ تمام مسموعات کو سنے اور مبصرات کو دیکھے۔ اِسی پر قیاس کرتے ہوئے اُس کی دیگر صفات بھی فنا ہو جائیں اور یہی ہے بندے کی صفات کا فنا ہونا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفات کے ساتھ۔‘‘

٦۔ علامہ ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں:

هذه الفراسة نشأت له من قربه من الله فإن القلب إذا قرب من الله انقطعت عنه معارضات السوء المانعة من معرفة الحق وإدراكه كان تلقيه من مشكاة قريبةٍ من الله تعالى بحسب قربه منه وأضاء له النور بقدر قربه فرأى فى ذلك النور ما لم يره البعيد والمحجوب كما ثبت فى الصحيح من حديث أبى هريرة عن

(۱) امداد اللہ مہاجر مکی، ضیاء القلوب: ۳۰

النبی ﷺ فیما یروی عن ربه ﷻ أنه قال: ما تقرّب إلیَّ عبدی بمثل ما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرّب إلیَّ بالنوافل......۔(۱)

’’یہ فراست و بصیرت بندۂ مؤمن کے لیے اللہ جل شانہ کے قرب سے پیدا ہوتی ہے، کیونکہ قلب جب اللہ ﷻ کے قریب ہو جاتا ہے تو اس سے وہ تمام فواحش اور برائی والے موانع دور ہو جاتے ہیں جو بندے کو اس معرفتِ ربانی اور اس کے ادراک سے باز رکھتے ہیں جس کی معرفت وعلم کا حصول بندے کے قرب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قریب والی مشکاۃ (نور) سے ہوتا ہے، پھر بندے کے قرب کے مطابق اس کیلئے نورحق روشن ہو جاتا ہے۔ پس وہ اس نور کی روشنی میں وہ کچھ دیکھتا ہے جس کو دور والا اور محجوب شخص نہیں دیکھ سکتا، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جسے انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ ان احادیث میں سے جو آپ ﷺ اپنے رب سے روایت فرماتے ہیں (یعنی حدیثِ قدسی) جس میں اللہ جل شانہ نے فرمایا: میرا بندہ ان فعال کی وجہ سے میرے قریب نہیں ہوتا جو میں نے اس پر فرض کئے ہیں بلکہ میری قربت اسے ان افعال کے سبب نصیب ہوتی ہے جو نوافل کے درجے میں ہیں۔‘‘

حدیث کی تعبیر میں مغالطہ کے علمی جوابات

زیرِ بحث حدیثِ قدسی کی تعبیر وتشریح کرتے ہوئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندہ محبوب کے کان آنکھ وغیرہ بننے کا یہ معنی ومفہوم نہیں کہ وہ سراسر نور بن جاتے ہیں اور قریب و بعید سے سنتے دیکھتے اور تصرف کر سکتے ہیں بلکہ اِس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ

(۱) ابن قیم، کتاب الروح: ۱۳۸، ۱۳۹

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ محض مغالطہ ہے جو حدیثِ مبارکہ کا صحیح معنی و مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اسکے درج ذیل جوابات ہیں:

۱۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا مفہوم الفاظِ حدیث کے صریح خلاف ہے، حدیث کے الفاظ اس تشریح و تعبیر کی تائید نہیں کرتے۔ حدیث کے الفاظ واضح ہیں: **كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِيْ بِهَا** (میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے۔) حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے اللہ ﷻ کی طرف سے مطلقاً فرمان صادر ہوا ہے، جسے اپنے عقیدہ کو بچانے کے لئے محض عقلی بناء پر مقید نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا صرف یہ کہنا کہ اس سے مراد اعضاء وجوارح کا اللہ رب العزت کے تابع ہونا ہے، صراحۃً غلط اور باطل ہے۔

۲۔ اگر معترض کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی تو حدیث کے اگلے الفاظ کی کیا تشریح ہوگی، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِن اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيْذَنَّهُ** (اگر وہ محبوب بندہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسے ضرور بالضرور مطلوبہ چیز عطا کروں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور بالضرور اس کو پناہ مہیا کروں گا۔) اگر مقرب و محبوب بندہ کے صرف اعضاء، اللہ تعالیٰ کے تابع ہوئے ہیں، اور اس کو بارگاہِ الٰہی سے نور اور روحانیت نصیب نہیں ہوئی تو اس کے سوال کو پورا کرنے اور پناہ عطا کیے جانے کو اتنی تاکید سے کیوں بیان فرمایا ہے۔ تاکید در تاکید سے بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مقربانِ الٰہی کو خاص الخاص مقام عطا ہوتا ہے جو کسی دوسرے کو نہیں ملتا۔

۳۔ جس بندے نے ساری زندگی اطاعتِ الٰہی میں بسر کر دی ہو اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نوافل پر بھی مداومت اختیار کی ہو تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس کے اعضاء وجوارح پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمان بردار تھے جس بناء پر وہ

محبوبِ حقیقی کی اطاعت وعبادت میں مشغول رہا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن گیا۔ اگر معترضین کی تعبیر وتشریح کو مان لیا جائے تو یہ بڑی حیرت والی بات ہوگی کیونکہ وہ بندہ جس نے ساری زندگی مداومتِ نوافل پر بسر کر دی ہے کیا محبوبیت کے بلند درجہ پر فائز ہونے کے بعد اب وہ اس قابل ہوا ہے کہ اس کے 'اعضاء و جوارح' اللہ کے 'مطیع' ہوں؟ وہ جو ساری زندگی قیام، قعود اور حالتِ جنوب میں رب العزت کو پکارتا رہا ہے کیا نافرمانی کے ساتھ پکارتا رہا ہے؟ افسوس صد افسوس! ایسے حضرات نے قرآن و حدیث کو سمجھنے میں نہایت غلطی کی ہے۔ کاش! وہ قرآن و حدیث کے ان نصوص پر غور کرتے جن کے ذریعہ دورانِ عبادت ہی ہمیں اپنے اعضاء و جوارح کو اطاعتِ الٰہی میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور قبولیتِ عبادت کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ دورانِ عبادت ہمارے اعضاء بھی اللہ رب العزت کے تابع ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت نے 'نمازیوں' کے بارے میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَo الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo(۱)

''پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیںo''

(۲) اللہ رب العزت نے 'صدقات' کے بارے میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى.(۲)

''ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور دُکھ دے کر برباد نہ کر لیا کرو۔''

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴۔۵

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۴

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوْعُ۔[1]

’’کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں روزوں سے سوائے بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔‘‘

درج بالا قرآنی آیات اور حدیثِ مبارکہ کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی عمل خواہ ’نماز، روزہ اور صدقہ‘ ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے حضور اس وقت تک ’قبولیت‘ کے درجہ پر فائز نہیں ہوتا جب تک کہ انسان کے اعضاء اور خیال بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نہ ہوں۔ یاد رکھیں کہ ان نصوص میں ’عَبد‘ (صرف بندہ) کی بات ہو رہی ہے ’عَبْدِی‘ (میرا بندہ) کی نہیں۔ جب بندہ ہر لحاظ سے اطاعت میں کامل ہوتا ہے اور اس کے تصور و خیال اور ذہن وفکر میں اُس ’اللہ‘ کے سوا کسی غیر کی محبت اور تصور باقی نہیں رہتا تو وہ ’عَبد‘ سے ’عَبْدِی‘ کے مقام پر پہنچتا ہے اور ’عَبْدُهُ‘ (اللہ کا بندہ) بن کر ’محبوبیت‘ کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں محبوبیت کے مقام پر فائز ہونے والے ’مقرب بندے‘ کے اعضاء و جوارح ظاہراً تو اس کے نظر آ رہے ہوتے ہیں لیکن اُن میں قوت، نور اور روح باری تعالیٰ کی طرف سے کارفرما ہوتی ہے۔

مزید تسلی کے لئے دیوبند کے معروف محدّث علامہ انور شاہ کاشمیری کی شرحِ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

أما علماء الشريعة فقالوا: معناه أن جوارح العبد تصير تابعة للمرضاة الإلهية حتى لا تتحرك إلا بما يرضى به ربه فإذا كانت غاية سمعه و بصره و جوارحه كلها هو الله سبحانه فهى حينئذ صحّ ان يقال إنه لا يسمع إلا له و لا يتكلم إلا له و كان الله سبحانه

---

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب الصيام، باب ما جاء فى الغيبة والرفث للصائم، ۱: ۵۳۹، رقم: ۱۶۹۰

صار سمعه و بصره۔

قلت: وهذا عدول عن حق الألفاظ لأن قوله كنت سمعه بصيغة المتكلم يدل على أنه لم يبق من التقرب بالنوافل إلا جسده وشبحه وصار المتصرف فيه الحضرة الإلهية فحسب۔[1]

''تاہم بعض علمائے شریعت نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ کے جوارح اور اعضاء اللہ رب العزت کی رضا مندیوں کے تابع ہو جاتے ہیں حتی کہ وہ اللہ کی رضا اور امر کے علاوہ ازخود حرکت نہیں کرتے۔ پس جب اِس کے کان آنکھ اور تمام اعضاء وجوارح کی غایت اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو اُس وقت اِن کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ نہیں سنتا مگر اللہ تعالیٰ کے لئے اور نہیں کلام کرتا مگر اللہ جل شانہ کے لئے۔ گویا اللہ تعالیٰ اُس کے کان، آنکھ ہو گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اِس معنی میں حقیقی مفہوم و مراد سے دوری پیدا ہو رہی ہے اس تعبیر سے حدیثِ مبارکہ کے کلماتِ مقدسہ کے تقاضوں کا حق پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ''کُنتُ سَمْعَهُ'' صیغہ متکلم کے ساتھ اِس امر پر دال ہے کہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرنے والے کا صرف جسم اور ظاہری ڈھانچہ باقی رہ گیا اور اُس میں مدبر و متصرف اور کارساز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔''

حدیث کے مختلف معانی میں تطبیق

دیگر شارحینِ حدیث کی طرح علامہ انور شاہ کاشمیری نے بجا طور پر حدیث کے مذکورہ بالا مفہوم کی تصحیح فرمائی ہے اور مرادی معنی کو اجاگر کیا ہے۔ اگر بہ دقتِ نظر دیکھا جائے تو دونوں معانی میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے اعضاء و جوارح کے نورانی بن جانے کے بعد اللہ تعالی کی صفاتِ کاملہ کا مظہر بن جانے اور رضائے

(۱) انور شاہ کاشمیری، فیض الباری، ۴: ۴۲۸

ربانی کی رضامندیوں کے تابع ہو جانے میں کوئی تعارض یا تناقض ہے ہی نہیں۔ یہ الفاظ دیگر ایک معنی کا اثبات دوسرے معنی کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب نفس کی تاریکی وظلمت اور گناہوں کی آلائش غالب رہے گی تو برائیوں کی طرف میلان و رجحان بھی رہے گا اور جوں جوں فرض عبادت و ریاضت اور مجاہدہ وتقویٰ میں ترقی ہوتی جائے گی ویسے ویسے نفسانی خواہشات دم توڑتی جائیں گی۔ اِس طرح نفس کو نیکی اور بھلائی والے اُمور میں اطمینان وتسلی اور سکون و راحت محسوس ہوگی اور فواحش ومنکرات کی طرف اس کا میلان ختم ہوتا چلا جائے گا۔ جب حواس، اعضاء و جوارح اورقلب و روح اطاعتِ الٰہی میں مکمل طور پر نورانی ہو جائیں گے اور تقویٰ اور احکامِ شریعت کی پابندی طبیعتِ ثانیہ اور طبعی تقاضا بن جائے گی تو طبیعت پر جبر و اکراہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی۔ پھر اس مطیع، محبّ اور متقی بندے کے افعال، ارادے اور اوصاف اس کے اپنے نہیں بلکہ اس میں متصرف ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا کے تابع ہوں گے۔ جب کسی بندۂ خاص کو اس قدر مماثلت اور فنائیت حاصل ہو جائے تو لامحالہ وہ بندہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہوگا جب مظہر صفات ہوگیا تو اس میں تدبر وتصرف تو متصرف حقیقی کا ہی ہوگا۔ بندے کی اپنی ذات اور مرضی اب اس کے اختیار و قدرت میں نہیں رہے گی۔ وہ انوارِ الٰہیہ کا مظہر بھی ہوگا اور تصرفِ الٰہیہ کا محل بھی۔

اِس طرح دونوں مفاہیم میں منافات اور تضادات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دونوں اپنے اپنے محل اور مرتبہ میں پورا ہو جاتے ہیں۔ اگر معنی یہ مراد لیا جائے کہ ''وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں'' تو یہ بھی غلط نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کا مظہر ہونے کے لئے ابتدائی مرحلہ (stage) یہی ہوتی ہے، اور دوسرا معنی جب یہ کریں کہ وہ سراسر نور بن جاتے ہیں اور اُن کا تصرف کرنا ذاتی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا مظہر کہلاتا ہے تو اِس معنی کی تغلیط و تردید کرنا بھی قطعاً درست نہیں ہے، کیونکہ ترقی کے اعتبار سے یہ آخری مرحلہ (stage) ہوتی ہے جب بندہ باری تعالیٰ میں فنا ہو چکا ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ جب تک بندہ مومن اپنے آپ کو شریعتِ مطہرہ کا پابند نہ بنائے اور فرائض و واجبات بلکہ مستحبات کا التزام و اہتمام نہ کرے، محرمات و مکروہاتِ تحریمہ بلکہ تنزیہہ سے اجتناب پر ثابت قدم نہ ہو تو وہ محبوبیت کے درجہ پر فائز ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جو امر محبوبیت کے درجہ پر فائز ہونے کا سبب ہے اِس کو مقامِ محبوبیت کا نتیجہ وثمر قرار دینا کس طرح مناسب ہوسکتا ہے؟ بصورتِ دیگر تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ فسق و فجور اور معصیت و سرکشی میں مبتلا لوگوں کو بھی دوست و محبوب بناتا ہے۔ الغرض پہلا معنی مراد لینا اور دوسرے معنی کی تردید کرنا چنداں درست نہیں ہے۔

حلول و اِتحاد کے فاسد عقیدہ کا رَدّ

بعض لوگ قربِ نوافل و فرائض والی اس حدیثِ قدسی کے ثمرات و فوائد یعنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے عقیدہ کو ہندوؤں کے عقیدے ’’حلول و اتحاد‘‘ پر قیاس کر کے شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ فی الواقع یہ سخت عدوان و طغیان ہے کیونکہ جمہور مسلمین اِس حدیثِ قدسی سے حلول و اتحاد والا فاسد و باطل عقیدہ ہرگز مراد نہیں لیتے۔

جمہور اُمت کا عقیدہ یہ ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی انبیاء واولیاء کا ذاتِ حق کے جو تعلق قرب ہوتا ہے اس سے اِن کی ذوات و صفات نورانی بن جاتی ہیں۔ جس سے وہ عام اِنسانوں بلکہ عام اہلِ ایمان کی ذوات و صفات سے منفرد و ممتاز ہو جاتی ہیں مثلاً جس طرح سورج کا تعلق زمین سے ہوتا ہے اور یہ تعلق حلول و اتحاد والا نہیں بلکہ صرف تقابل والا ہے لیکن زمین کی ساری آبادی، اس کی بہاریں اور زندگی و پائندگی اِسی کے مرہونِ منت ہے۔ بعض عرفا نے لوہے اور آگ کی تمثیل سے بھی یہ تعلق قربت و ربط سمجھایا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ لوہے اور آگ میں حلول و اتحاد والا تعلق نہیں بلکہ اتصال و قرب والا تعلق و ربط ہے۔ یعنی لوہا جب ایک مخصوص وقت کے لئے دھکتی ہوئی آگ کے قریب پڑا رہے تو اس کے اندر رنگ اور اثر جیسی خصوصیات تو آگ والی ہی پیدا ہو جاتی

ہیں لیکن یہ لوہے کے اندر آگ کا حلول و اتحاد نہیں بلکہ اس کی قربت اور اثر کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح حدیثِ قدسی قربِ فرائض و نوافل سے بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین حلول و اتحاد والا تعلق قائم ہونا لازم نہیں بلکہ محبوبانِ الٰہی کو قربِ خاص اور پرکیف وصل حاصل ہوتا ہے جس کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے مظہر بن جاتے ہیں:

اتصال بے تکیف و بے قیاس
ہست ربُ الناس را باجانِ ناس

اگر کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کے نور کا ظہور ہوسکتا ہے اور وہ اُس سے منور و مستنیر ہو سکتا ہے۔ تو انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی قربت کے ذریعے اس کی صفاتی افعال و انوار کا محل قرار دینا کیوں صحیح نہیں۔ اگر چودھویں کے چاند میں سورج کا حلول و اتحاد مانے بغیر اِس کو مظہر اور آئینہ انوارِ شمسیہ کہا جاسکتا ہے تو مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو یقیناً انوارِ الٰہیہ اور آئینہ تجلیاتِ ربّانیہ کہا جا سکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ اِس ضمن میں لکھتے ہیں:

وفي هذا المقام يتحقق السير فى الله فإن العبد بعد الفناء المطلق الذى هو فناء الذات و فناء الصفات يخلع عليه الوجود الحقانى حتى يتشرف بذلك الوجود بالأوصاف الإلهية ويتخلق بالأخلاق الربانية و في هذا المقام يتحقق مرتبة بى يسمع و بى يبصر و بى يبطش و بى يمشي و بى يعقل، فإن الذات والصفات الفانية فى هذا المقام تتبدل بكسوة الوجود الباقى خارجة من قبر الخفاء الى محشر الظهور۔(۱)

(۱) شاہ ولی اللہ، الانتباہ فی سلاسل أولیاء اللہ، فصل فی الفناء والبقاء: ۵۳

''اِس مقامِ فناء میں سیر فی اللہ متحقق ہوتی ہے کیونکہ فناءِ مطلق یعنی فناءِ ذات اور فناءِ صفات کے بعد بندہ کو وجودِ حقانی کی خلعت پہنائی جاتی ہے حتی کہ اِس وجودِ حقانی کی بدولت وہ اوصاف ربّانیہ کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اور وہ اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ انوار و تجلیات میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ تب وہ صفاتِ ربانیہ کے انوار و برکات اور فیضان سمیٹنے کے قابل ہو جاتا ہے وہ بندہ ذکر کو جس قدر لازم پکڑے گا اُسی کے مطابق ثمرہ و نتیجہ کا ظہور ہوگا۔''

لٰہذا یہ امر عیاں ہوگیا کہ حُلول و اتحاد کے باطل ہندوانہ عقیدہ سے اہلِ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دونوں جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ حلول و اتحاد علیحدہ امر ہے اور قرب و وصلِ خداوندی میں فنا فی اللہ اور بقا باللہ علیحدہ امر ہے۔ اِن دونوں کو گڈمڈ کرنا اور ایک دوسرے پر قیاس کرنا کم علمی اور بے بضاعتی کی علامت ہے۔

خلاصۂ بحث

حدیثِ قدسی کا ائمۂ محدثین کے نزدیک معنی و مفہوم یہ ہے کہ عبادت و ریاضت، فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت و فراوانی سے بندہ مؤمن اپنی جسمانی کثافت اور نفسانی ظلمات سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے۔ جب اسے علم و عمل اور تقویٰ کا نور حاصل ہو جاتا ہے اور اُس کی روحانیت پوری طرح نکھر جاتی ہے تو وہ پیکرِ نور بن جاتا ہے پھر وہ زندگی میں بھی اور بعد از وصال بھی بعطائے الٰہی اپنے متوسلین کی مدد و اعانت کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

اَولیاء کرام کو اَصنام پر قیاس کرنا برہمنی وطیرہ ہے

انبیاء و اولیاء اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے دونوں سے استعانت و استمداد کرنے والوں کو مشرک قرار دینا خوارج اور برہمنوں سے مستعار لیا گیا وطیرہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ایک برہمن کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس مسئلہ کو

بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم پہلے برہمن کا سوال درج کر رہے ہیں اور بعد میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا جواب۔ سوال سے مسئلے کی اصل نوعیت سمجھ آ جاتی ہے اور جواب سے عقیدہ صحیحہ معلوم ہو جاتا ہے۔

شما از اهلِ قبور مدد و شفاعت می طلبید باید که برشما هم شرك عائد شود۔ القصّه هرچه مقصد شما و مراد شما از اهلِ قبور است هماں قسم مقصود من از صورت کنهیا و کالکا هست بحسب ظاهر نه قوت اهلِ قبور دارند و نه بت۔ واگر کوئی بقُوّتِ باطن اهلِ قبور کشائش حالات می نمایند بسا جا از بتاں هم روائی حاجات می شود۔ واگر میگوئید که بایشاں میگویم که از خدا برائے ما شفاعت بخواهید من از بتاں همیں استدعا دارم۔(1)

’’تم اہلِ قبور سے مدد اور شفاعت طلب کرتے ہو۔ پس چاہیئے کہ تم پر بھی ہماری طرح شرک عائد کر دیا جائے کیونکہ جو مقصد و مطلب تمہارا اہلِ قبور سے مدد و استعانت میں ہے وہی ’’کنہیا‘ ‘ اور ’’ کا لکا‘‘ کی صورتوں سے ہمارا مقصود و مدعا بھی ہے۔ ظاہری اعتبار سے نہ اہلِ قبور میں طاقت و قدرت ہےاور نہ ہی بتوں میں قدرت و طاقت ہے اور اگر باطنی قوت سے اہلِ قبور مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو بسا اوقات ان بتوں سے بھی حاجت روائی ہو جاتی ہے اور اگر تم اہلِ قبور کے پاس اس لئے آتے ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری شفاعت کریں تو ہم بھی اپنے بتوں سے یہی استدعا کرتے ہیں۔‘‘

اس عبارت سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کی طرح سمجھنے والے لوگ ہندوانہ سوچ کے حامل ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتاویٰ عزیزیہ

(۱) شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی، ۲: ۱۰۸

میں اس برہمنی سوچ کا تدارک کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ کریں:

’’مدد و استعانت کا چاہنا دو قسموں پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مخلوق سے مدد مانگنا جیسے امیر اور بادشاہ سے نوکر اور گدا اپنے مشکل اور اہم معاملات میں مدد طلب کرتے ہیں اور عوام الناس اولیاء اللہ سے استدعا کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ سے ہمارا فلاں مطلوب و مقصود طلب کریں۔ مدد و استعانت کی یہ قسم شریعتِ مطہرہ میں زندہ اور فوت شدہ ہر دو سے جائز ہے۔

’’دوسری قسم مدد و اعانت کی یہ ہے کہ مستقل طور پر وہ چیز جو بارگاہِ الٰہی سے براہِ راست تعلق رکھتی ہے مثلاً بیٹا عطا فرمانا، بارش برسانا امراض دور کرنا اور درازئ عمر وغیرہ عطا کرنا جو اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہیں وہی مخلوق سے اسی نیت، ارادے اور طریقے سے طلب کی جائیں تو مدد و استعانت کی یہ قسم حرامِ مطلق بلکہ کفر ہے اور اگر اہلِ ایمان میں سے کوئی آدمی اپنے مذہب کے اولیاء (زندہ ہوں یا فوت شدہ) سے اس طرح کی استمداد و استعانت کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام اور زمرۂ اہلِ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ اس کے برعکس بت پرست اسی طرح کی مدد و اعانت اپنے معبودانِ باطلہ سے طلب کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں ...... اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اہلِ قبور سے جو تمہارا مقصود ہے وہی ہمارا کنہیا اور کالکا وغیرہ سے ہے۔ یہ قول صریحاً غلط ہے کیونکہ ارواح کا اپنے بدن کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلق قائم ہوتا ہے کیونکہ عرصہ دراز تک اس میں قیام پذیر رہے ہیں اس کے برعکس ہندو برہمن لوگ تو اپنے معبودوں کی قبروں کی تعظیم ہی نہیں کرتے (کیونکہ ہندوؤں کے بتوں کی تو قبریں ہی نہیں ہوتیں) بلکہ اپنی طرف سے صورتوں اور تراشیدہ پتھروں کو اور درختوں اور دریاؤں کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی صورت ہے قطع نظر اس کے کہ اس چیز کا اس آدمی کی روح کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔‘‘

شاہ عبد العزیزؒ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں بیان کیا ہے:

''قبور کی زیارت سے وفات یافتوں کے پاکیزہ نفوس سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جسم سے جدا ہونے والے نفس اور روح کو اپنے جسم سے اور قبر سے تعلق ہوتا ہے جس میں دفن کیا جاتا ہے لہٰذا جب زندہ شخص اس قبر کی زیارت کرتا ہے اور میت کے روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس و ارواح کے درمیان ملاقات پائی جاتی ہے اور فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔''(۱)

پس شاہ عبد العزیزؒ کے اس جواب سے واضح ہو گیا کہ انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کی طرح سمجھنا بالکل غلط ہے کیونکہ جب اصنام و اوثان کی قبریں ہی نہیں ہوتیں تو وہ کس طرح انبیاء و اولیاء کے مقدس ذوات اور ارواح کی مثل ہو سکتے ہیں؟ اَہلِ ایمان تو انبیاء و اولیاء کی مبارک قبروں پر حصولِ فیض کیلئے اس لئے جاتے ہیں کہ قبروں کے اندر ان کی مقدّس اَرواح کا ان کے پاکیزہ نفوس کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔

درج بالا عبارت سے یہ امر بھی عیاں ہوگیا کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام اور و اولیاء عظام سے استعانت و استمداد کرنے والوں کو مشرک قرار دینے والے لوگ ہندوانہ سوچ کے حامل ہیں جبکہ قرآن و حدیث کے قوی دلائل سے ثابت ہےکہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام سے استعانت و استمداد کرنا جائز ہے۔

(۱) شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی، ۲: ۱۵۸

فصل سوُم

اَنبیاء و اَولیاء سے اِستعانت و اِستغاثہ

﴿ائمہ و محدّثین کے دلائل کی روشنی میں﴾

بعد اَز وصال حیاتِ اَنبیاء و اَولیاء

معتزلہ کے علاوہ تمام اُمت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ حیاتِ برزخیہ برحق ہے۔ معتزلہ نے درحقیقت مُردوں کی حیات کی نفی کر کے عذابِ قبر کا انکار کیا تھا۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

وأنکر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض لأن المیت جمادُ لا حیاة لهُ ولا إدراك فتعذیبه محال ۔[1]

''بعض معتزلہ اور روافض نے عذابِ قبر کا انکار اس بنا پر کیا کہ ان کے نزدیک میت پتھروں کی طرح ہے جس میں نہ کوئی زندگی ہے نہ شعور اس لئے اسے عذاب دینا محال ہے۔''

ہمارا موضوع بحث اِس وقت حیاتِ انبیاء و اولیاء نہیں ہے اِس موضوع پر ہماری مستقل کتاب ''حیات النبی ﷺ'' موجود ہے۔ سرِدست اس قدر بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ عام اموات اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام، شہداء اور اولیاء کی حیاتِ برزخی پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔

اسی وجہ سے علامہ ابنِ قیم نے لکھا ہے:

والسلف مجمعون علی هذا، وقد تواترت الآثار عنهم بأن المیت یعرف زیارة الحیی له ویستبشر به۔[2]

---

(۱) تفتازاني، شرح عقائد نسفی: ۷۲

(۲) ابن قیم، الروح، ۱: ۵

''سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور ان سے تواترِ آثار سے مروی ہے کہ بے شک عام میت (قبر میں) اپنے پاس آنے والے زندہ کی زیارت کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔''

لہٰذا استعانت کے باب میں حیات و ممات کا امتیاز درست نہیں کیونکہ استعانت جسم سے نہیں روح سے ہوتی ہے اور روح نہ وقتِ وفات مرتی ہے نہ قبر میں مُردہ ہوتی ہے۔ وصال کے بعد اِستعانت کے بارے میں قرآن و حدیث میں متعدد دلائل موجود ہیں۔جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ امام فخر الدین رازیؒ نے آیت ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ ﴾[1] کے تحت ''التفسیر الکبیر (۱۳: ۶۷، ۶۸)'' میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو باذنِ الٰہی مخلوق کے ظاہر و باطن پر قدرت وتصرف کا اختیار حاصل ہے۔ ﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا﴾ کے تحت امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں وارِد ان پانچ کلمات - النازعات، الناشطات، السابحات، السابقات اور المدبرات - کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ ان سے مراد اَرواحِ انسانیہ ہیں:

ثم إنَّ هذه الأرواح الشريفة العالية لا يبعد أن يكون فيها ما يكون لقوتها وشرفها يظهر منها الآثار فی أحوال هذا العالم فهی المدبرات امراً أليس أن الإنسان قد يرى أستاذه فی المنام ويسأله عن مشكلة فيرشده إليها؟ أليس أن الابن قد يرى أباه فی المنام فيهديه إلى كنز مدفون؟ أليس أنّ جالينوس قال: كنت مريضاً فعجزت عن علاج نفسی فرَأيت فی المنام واحدًا أرشدنی إلى كيفية العلاج۔[2]

(۱) الانعام، ۶: ۸۹

(۲) رازی، تفسیر الکبیر، ۳۱: ۲۹

’’پھر یہ بلند مرتبت ارواحِ طیبہ، بعید نہیں کہ ان میں ایسی اَرواح بھی ہوں جو اپنے شرف اور قوت کے لحاظ سے اس جہان کے احوال میں اثر انداز اور مدبرات امر کے مرتبہ پر فائز ہوں۔ جیسے کبھی شاگرد یا مرید کو کوئی مشکل پیش ہو تو اُستاد اور شیخ خواب میں اس کی رہنمائی کر دیتا ہے اور کبھی باپ فوت ہوجانے کے بعد بیٹے کو مدفون خزائن کی خبر دے دیتا ہے۔ جالینوس نے کہا: جب میں اپنے مرض کے علاج میں ناکام ہوا تو میں نے خواب میں کسی کو دیکھا کہ اس نے مجھے طریقۂ علاج بتلایا (جس پر عمل پیرا ہوکر میں صحت یاب ہوگیا)۔‘‘

۲۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

أن التضييق والانحصار لا يتصور في الروح. وإنما يكون في الجسد والروح إذا كانت لطيفة يتبعها الجسد في اللطافة فتصير بجسدها حيث شاءت و تتمتع بما شاء ت وتأوى الى ما شاء الله لها كما وقع لنبينا عليه الصلوة والسلام في المعراج. ولأتباعه من الأولياء حيث طويت لهم الأرض وحصل لهم الأبدان المكتسبة المتعددة، وجدوها في أماكن مختلفة في آن واحدٍ والله على كل شيءٍ قدير. وهذا في العالم المبني على الأمر العادي غالباً فكيف وأمر الروح والآخرة كُلها مبنية على خوارق العادات۔[1]

’’محل اور مقام میں تنگی و پابندی اور قید وحبس روح کے لحاظ سے تصور نہیں کی جاسکتی بلکہ صرف جسد عنصری میں ہوتی ہے۔ روح جب لطیف اور پاکیزہ تر ہوجائے تو جسم بھی نورانیت اور لطافت میں اس کے تابع ہوجاتا ہے اور بدن کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور جہاں فائدہ اٹھاتا ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ

(۱) ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح، ۴: ۳۱

اسے پہنچانا چاہے پہنچاتا ہے جیسے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو شبِ معراج یہ بلند ترین مقام نصیب ہوا۔ آپ ﷺ کے متبع اولیاء اللہ کے لئے بھی جب کہ ان کے لئے زمین سمیٹ دی جاتی ہے اور انہیں بہت سے مثالی بدن حاصل ہوجاتے ہیں جنہیں وہ آنِ واحد میں مختلف مکانوں میں موجود پاتے ہیں اور اللہ جل شانہ ہر چیز پر کامل قدرت والا ہے۔ روح کے لئے یہ لطافت اور نورانیت اور قدرت و طاقت اس عالم میں ہے جو کہ غالباً اُمورِ عادیہ پر مبنی ہے اور جب یہاں ان اُمور میں استبعاد نہیں تو دارِ بقاء و آخرت میں کون سا اِستبعاد ہو سکتا ہے کیونکہ روح کے اور آخرت کے تمام معاملات خرقِ عادت پر مبنی ہیں۔''

۳۔ امام عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) مشہور ولی اللہ شیخ موسیٰ ابو عمران کے حالاتِ زندگی میں تحریر کرتے ہیں:

وكان إذا ناداهُ مريدهُ أجابهُ من مسيرة سنة أو أكثر(۱)

''ابو عمران کا مرید جب اِن کو ایک سال یا اِس سے بھی زائد عرصہ سفر کی مسافت سے پکارتا تو وہ اِس کی پکار کا جواب دیتے تھے۔''

۴۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے بعد از وصال اَولیاء اللہ کی ارواحِ مقدّسہ کے تصرف کے بارے میں لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''قرآن و احادیث سے قطعاً ثابت ہے کہ روح باقی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی۔ اِس کو زائرین اور اِن کے احوال کا علم و شعور بھی حاصل ہوتا ہے۔ کاملین کی ارواح کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عظیم میں قرب اُسی طرح ہوتا ہے جیسے حیاتِ دنیوی میں تھا بلکہ اِس سے بھی زیادہ۔ اولیاء اللہ کو کرامات اور دنیا میں تصرف حاصل

(۱) شعراني، لواقع الأنوار في طبقات الأخيار، ۲: ۲۱

ہے اور اِس کا ثبوت صرف اُن کی ارواح کے لئے ہے اور ارواح باقی رہتی ہیں اور متصرف حقیقی بالذات و مستقل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور تمام قدرت اُسی کی ہے اور وہ اولیاء اللہ اپنی حیاتِ ظاہری میں اور موت میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو چکے ہیں پس اگر کسی شخص کو اِن کے واسطہ سے کچھ عطا کیا جائے اُس مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اِن کے لئے ثابت ہے تو یہ امر بعید نہیں ہے جیسا کہ زندگی میں اِن کو تصرف حاصل تھا۔ فعل اور تصرف ہرحال میں اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور کوئی چیز نہیں جو زندگی اور موت میں فرق کرے اور نہ ہی اس فرق پر کوئی دلیل پائی گئی ہے۔‘‘(۱)

مزید بعد از وصال مدد و اِستعانت کے موضوع پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ’’أشعة اللمعات(۳: ۴۰۱،۴۰۲)‘‘ پر سیر حاصل بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ اہلِ قبور سے بعد از وصال استعانت و استمداد جائز ہے اور یہ کہ اولیاء اللہ ارادۂ الٰہی میں فنا ہوجانے کے باعث غیر نہیں رہتے۔ ان سے استعانت بھی حقیقت میں استعانت باللہ ہوتی ہے۔ وہ محض درمیان میں وسیلہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء و اولیاء مظہرِ عونِ الٰہی ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ’’لمعات التنقیح(۱: ۱۴۰، ۱۴۱)‘‘ میں لکھا ہے کہ مرید کے استمداد و استعانت پر شیخ اس کی مدد کرتا ہے خواہ شیخ قریب ہو یا بعید، زندہ ہو یا وصال کر گیا ہو۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ علومِ ظاہری و باطنی کے مجمع البحرین علامہ سید عبدالاوّل جونپوریؒ کے بارے میں محققانہ کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چه نفس ولی و نبی قوتی می باید که در خارج بدن تصرف می کند همچنان که در بدن و چون روحِ مقدّس حضرت ﷺ جان همه عالم است باید که در همه عالم است باید که در همه اجزایئ عالم متصرف باشد و

(۱) عبدالحق، اشعة اللمعات، ۱: ۷۱۶

ازینجاست که باشارت قمر را دو شق کرد گوئیا فضلۂ ناخن از ناخن جدا فرمود۔[۱]

’’انبیاء و اولیاء کے نفوس و ارواح ایسی قدرت و قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ جسم سے باہر یعنی دوسری اشیاء میں اس طرح تدبیر و تصرّف کرتے ہیں جیسے کہ اپنے اجسام میں اور جب کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا نفسِ مبارک اور روح مقدّسہ تمام جہان کی جان ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ وہ تمام جہان میں متصرف ہو اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا گویا ناخن کے زائد حصہ کو ناخن سے جدا فرما دیا۔‘‘

۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے اپنی بلند پایہ تصنیف ’’ہمعات‘‘ میں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا مزار میں تصرف کرنے کے بارے میں لکھا ہے:

ودر اولیائے امت و اصحابِ طرق اقوی کسیکه بعد تمام راهِ جذب باکد وجوه باصل این نسبت میل کرده است و در آنجا بوجه اتم قدم زده است حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی اند۔ و لهذا گفته اند که ایشاں در قبر خود مثل احیاء تصرف می کنند۔[۲]

’’اولیائے امت اور اصحابِ طریقت میں سے قوی ترین حال کی حامل ہستی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ہے جنہوں نے راہِ جذب کو پختہ ذرائع سے طریقت کی اصل سے جوڑا اور اس مقام پر کامل ترین قدم رکھا۔ اس

(۱) عبدالحق، اخبار الاخیار: ۲۵۵

(۲) شاہ ولی اللہ، ہمعات: ۶۱

لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کر رہے ہیں۔‘‘

انہوں نے اسی کتاب کے صفحات نمبر۱۴، ۶۰، ۶۲، ۸۳، ۸۴ اور ۱۲۱ پر اولیاء اللہ سے استعانت و استمداد اور ان کے روحانی تصرفات اور توجہات کے بارے میں لکھا ہے۔ یاد رہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ’’ہمعات‘‘ کوئی سطحی نظریات و تصورات کی حامل کتاب نہیں بلکہ یہ حکمتِ ولی اللّٰہی کے فہم کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی ’’ہمعات‘‘ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

’’حکمت ولی اللّٰہی میں یہ رسالے ابتدائی قاعدوں (primers) کے طور پر پڑھائے جاتے ہیں، اِس کے بعد امام ولی اللہ کی حکمت کی تعلیم شروع کی جاتی ہے۔‘‘

۶۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اَولیاء اللہ کی امداد بعد از وصال کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

از اولیاء مدفونین و دیگر صلحا مؤمنین اِنتفاع و استفادہ جاری است و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ پائے سوختہ کہ این چیزھا اصلاً نسبت بآنہا در اہل مذھب آنہا نیز واقع نیست۔[1]

’’وفات یافتہ اَولیاء اللہ اور دیگر صالحین مؤمنین سے اِستفادہ اور استمداد و اِستعانت جاری و ساری ہے اور اِن اولیاء اللہ سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے۔ برخلاف اُن لوگوں کے جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ اِس لئے کہ اِن سے یہ اُمور اِن کے مذہب میں بھی جائز نہیں ہیں۔‘‘

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ’’تفسیرِ عزیزی (۱: ۷ اور ۳۰: ۱۱۳)‘‘ میں بھی

(۱) شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی، ۳۰: ۵۰

اولیاء اللہ سے استعانت و استمداد کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

حکمتِ اِستعانت و توسُّل

جمہور اُمت کے نزدیک اِستعانت و توسل کی حکمت یہ ہے کہ اِس سے دعا أقرب اِلی الإجابت ہو جاتی ہے یا کم از کم امکانِ قبولیت بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بعض اولیاء و مقربین کی دعا سے قضاء مبرم بدل جاتی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ''تفسیر المظهری'' میں سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۳۹ - يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ - کے تحت حضرت عمر اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی شقاوت کو سعادت سے اور بعض اوقات سعادت کو شقاوت سے بدل دیتا ہے:

عن ابن مسعود في بعض الأثار أن الرجل قد يكون قد بقى له من عمره ثلاثون سنة فيقطع رحمه فيرد إلى ثلاثة أيام والرجل قد يكون قد بقى له من عمره ثلاثة أيام فيصل رحمة فيمد إلى ثلاثين سنة. ثم روى البغوي بسنده إلى أبي الدرداء ﷺ قال رسول الله ﷺ: ينزل الله في أخر ثلاث ساعات يبقين من الليل. فينظر في الساعة الأولى منهن في الكتاب الذي لا ينظر فيه أحد غيره. فيمحو ما يشاء و يثبت.[1]

''حضرت ابنِ مسعود ﷺ سے مروی بعض آثار میں آیا ہے: کسی شخص کی عمر تیس سال باقی ہوتی ہے کہ وہ اپنے رشتے داروں سے قطع تعلقی کرتا ہے تو اس بناء پر اس کی عمر تین دن کر دی جاتی ہے اور ایک آدمی کی بسا اوقات تین دن عمر باقی

(۱) قاضي ثناء الله، تفسير المظهری، ۵: ۲۴۶

رہ گئی ہوتی ہے سو وہ صلہ رحمی کرتا ہے پس اس کی عمر تیس برس کر دی جاتی ہے۔
امام بغویؒ اپنی سند سے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات رات کی تین گھڑیوں میں جلوہ افروز ہوتی ہے تو وہ پہلی گھڑی میں کتاب (تقدیر) کو دیکھتا ہے جو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں دیکھ سکتا پس وہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔''

اس سے یہ امر مترشح ہوا کہ اولیاء اللہ اور مقربین کی دعاؤں سے تقدیر مبرم ٹل جاتی ہے۔ اسی مقام پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادگان حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے معلم حضرت ملا طاہر لاہوری کی پیشانی سے لفظِ شقی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی بدولت لفظِ سعید سے بدل گیا۔

رُوح کے لیے قرب و بعد کا معنیٰ و مفہوم

یہ ایک بدیہی اَمر ہے کہ روح کیلئے قرب و بعد یکساں حقیقت کے حامل ہیں اور یہ کہ ارواحِ کاملین کو بعد از وفات بھی تدبیر و تصرف حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح دنیوی زندگی میں انسانوں کے مختلف مدارج ہیں۔ ان کی ذہنی، نفسیاتی، بدنی اور روحانی قوتیں ایک جیسی نہیں، بعینہٖ عالم برزخ میں اہلِ ایمان کے مختلف مدارج اور طبقات ہوتے ہیں۔ یہ طبقات اور مدارج یقیناً ان کی دنیوی زندگی کے احوال پر منطبق ہونے والے انجام اور ثمرات کی بناء پر متشکل ہوں گے۔

۱۔ برزخی احوال سے متعلق جن علماء اسلام نے اپنے اپنے حسبِ حال تفصیلات بیان کی ہیں ان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نام بطورِ خاص قابل ذکر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں برزخ کے چار مدارج تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ مزید آپ نے ''حجۃ اللہ البالغہ (۱: ۴۱، ۴۲)''

اور ''ہمعات (ص: ۵۷)'' پر مقبولانِ بارگاہ الٰہی اور راندۂ درگاہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مقبولانِ بارگاہ ملاء اعلیٰ کی مخلوق ہیں اور راندۂ درگاہ ملاء سافل۔ ملاء اعلیٰ معزز اور مقرب فرشتوں پر مشتمل مجلسِ بالا ہے جس میں نیک اور مقرب انسانوں کی ارواح بھی شامل ہوتی ہیں۔ پھر انہوں نے ان کی تین اقسام پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور نتیجے کے طور پر ''حجۃ اللہ البالغہ (۱: ۱۱۱)'' پر لکھا ہے:

وإذا تمكنت العدالة من الإنسان وقع اشتراك بينهُ بين حملة العرش ومغربى الحضرة من الملائكة الذين هم وسائط نزول الجود والبركات وكان ذالك باباً مفتوحاً بينه وبينهم وممد النزول ألوانهم وصبغهم بمنزلة تكميل النفس من ألهام الملائكة والانبعاث حسبها۔[1]

''پس جب انسان میں صفتِ عدالت متمکن ہو جاتی ہے تو اس میں اور حاملینِ عرش اور مقربین فرشتوں میں جو جودِ الٰہی اور برکاتِ الٰہی کے لئے ذریعہ و واسطہ ہیں، اِشتراک پیدا ہوجاتا ہے۔ اس میں اور ان فرشتوں میں فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ صفت اس پر ان کے رنگ اور اثر نازل کرنے میں مددگار بن جاتی ہے۔ اس طور پر کہ نفس میں ملائکہ کے الہام سے مستفیض ہونے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ ان کے علوم کے لئے آمادہ رہتا ہے۔''

۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

ارواحِ نیکاں بعد از قبض درآں جامی رسند و مقرّبان یعنی انبیاء و اولیاء درآں مستقر میمانند۔ وعوام صلحا

(۱) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ۱: ۱۱۱

بعد از نویسانیندن و رسانیندن تا مہائے بر حسبِ مراتب در آسمانِ دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار می دھند و تعلق بقبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب و دیگر دوستان بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب وبُعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود۔(۱)

''نیک لوگوں کی اَرواحِ قبض کیے جانے کے بعد علیین کے قیام میں پہنچ جاتی ہیں۔ انبیاء و اولیاء اسی مقام پر قرار پکڑتے ہیں۔ عام صلحاء و اتقیاء کی ارواح کے نام اعلیٰ علیین میں لکھوانے اور وہاں پہنچانے کے بعد ان کے مرتبہ و درجات کے مطابق آسمانِ دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان زمزم کے چشمہ میں ٹھکانا دیتے ہیں اور ان ارواح کو قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے، حتیٰ کہ زیارت کرنے والوں کی حاضری اور اقارب اور دوست احباب کی قبر پر آمد سے مطلع ہو جاتے ہیں اور اُنس و راحت و محبت حاصل کرتے ہیں کیونکہ روح کیلئے مکان کے لحاظ سے قریب یا بعید ہونا اس علم و ادراک میں رکاوٹ نہیں ہو سکتا۔''

۳۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر۵۴ - وَ لَا تَقُوْلُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ - کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن الله تعالى يعطى لأرواحهم قوة الجساد فيذهبون من الأرض والسماء والجنة حيث يشاؤون وينصرون أولياهم ويدمرون أعداءهم إن شاء الله تعالى ومن أجل ذٰلك الحيٰوة لا تأكل

(۱) شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی، ۱: ۱۰۰

الأرض أجسادهم ولا أكفانهم. قال البغوى: قيل أن أرواحهم تركع و تسجد كل ليلة تحت العرش إلى يوم القيامة۔ (۱)

’’اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسموں جیسی قوت عطا کرتا ہے سو وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اپنے اولیاء (دوستوں، ساتھیوں) کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور اسی زندگی کے سبب زمین ان کے جسموں اور کفنوں کو نہیں کھاتی۔ امام بغویؒ نے فرمایا: یہ بھی قول ہے کہ ان کی ارواح قیامت تک ہر رات اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے رکوع وسجود کرتی رہیں گی۔‘‘

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مزید لکھتے ہیں:

ولذلك قالت الصوفية العلية: أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا وقد تواتر عن كثير من الأولياء أنهم ينصرون أولياء هم ويدمرون أعداءهم ويهدون إلى الله تعالىٰ من يشاء الله تعالىٰ۔ (۲)

’’اسی لئے بلند پایہ صوفیاء کا قول ہے: ہماری ارواح ہمارے جسم اور ہمارے جسم ہماری ارواح ہیں اور بہت سے اولیاء سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔‘‘

۴۔ علامہ ابنِ قیم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

فللروح المطلقة من أسر البدن وعلائقه وعوائقه من التصرف والقوة والنفاذ والهمة وسرعة الصعود إلى الله والتعلق بالله، ما

(۱) قاضي ثناء الله، تفسير المظهري، ۱: ۱۵۲

(۲) قاضي ثناء الله، تفسير المظهري، ۱: ۱۵۲

ليس للروح المهينة المحبوسة فى علائق البدن و عوائقه. فإذا كان هذا وهى محبوسة فى بدنها فكيف إذا تجردت و فارقته واجتمعت فيها قواها وكانت فى أصل شانها روحاً علية زكية كبيرة ذات همة عالية فهذه لها بعد مفارقة البدن شان آخر و فعل آخر۔[1]

''جسم کی قید سے آزاد اور اس کے تعلقات اور عوارضات و موانعات سے مبرا روح کیلئے ایسا تصرّف، قوت، نفوذ، ہمت اور اللہ رب العزت کی طرف فوری طور پر بلند ہونے اور اس سے تعلق قائم کرنے کی قوت و صلاحیت حاصل ہوتی ہے، جو جسم کی قید میں مقید و محبوس اور بدنی تعلقات اور عوارضات و موانعات میں جکڑی ہوئی روح کو حاصل نہیں ہوتی۔ روح کا جب جسم سے محبوس و مقید ہوتے ہوئے یہ حال ہے تو اس وقت اس کی حالت کیا ہوگی جب جسم سے مجرد اور جدا ہو جائے اور اس میں اس کی تمام تر قوتیں جمع ہو جائیں اور اپنی حالت کے اعتبار سے بھی پاکیزہ فطرت، بلند ہمت اور عالی قدر ہو تو جسم سے مفارقت وجدائی کے بعد اس کی شان نرالی ہوگی اور فعل وتاثیر بھی انوکھی وعمدہ ہوگی۔''

کعبۃ اللہ مسجود لہٗ نہیں مسجود اِلیہ ہے

حقیقت اور مجاز کے ضمن میں ایک تمثیل ملاحظہ کیجئے۔ جو لوگ اولیاء اللہ کے مزارات پر بوقتِ حاضری اِستمداد کرتے ہیں وہ اُنہیں مستعانِ حقیقی سمجھ کر استعانت و اِستغاثہ نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ کامل اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مقبول اور محبوب بندوں کے مقامات اور اطاعت و اعمالِ صالحہ کے طفیل ہماری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ یہ اس طرح ہے جیسے لوگ کعبۃ اللہ میں جا کر یا دور سے اسی رخ پر سجدہ کرتے

(۱) ابن قیم، کتاب الروح: ۱۰۳

ہیں۔ بیت اللہ شریف بھی پتھروں سے تعمیر کیا ہوا ایک مکان ہے اور وہ بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کا غیر ہے عین نہیں۔ پھر جمادات یعنی پتھروں کے ساتھ اس قدر تعظیم کا سلوک کیوں کیا جاتا ہے؟ اللہ رب العزت نے تو صرف اپنی ذات کو سجدہ جائز قرار دیا ہے اور اپنی ہی عبادت کو جائز کیا ہے۔ پتھروں کی طرف رُخِ سجدہ کرنے کا آخر کیا مطلب ہے صاف ظاہر ہے وہ کعبۃ اللہ کی عبادت نہیں مگر اس میں اس کی تعظیم تو یقیناً مضمر ہے۔ یہی معاملہ طواف اور دیگر بہت سے اُمور کا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظّمہ کی سمت سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ بیت اللہ شریف میں حاضری کے وقت بظاہر دیوارِ کعبہ سے لپٹ کر ہم رو رہے ہوتے ہیں۔ التجائیں کر رہے ہوتے ہیں، مگر کبھی کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آتا کہ بیت اللہ شریف کی دیواروں میں چنے ہوئے پتھروں کو ہم اپنا معبود گردانتے ہیں یا اُن سے مرادیں اور حاجات مانگتے ہیں تو پھر اُن لوگوں کے حق میں یہ بدگمانی کیوں کی جائے جو رسول اللہ ﷺ اور دیگر اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دُعا و التجا کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ ان کے توسل اور برکت سے ہماری حاجات پوری فرما دے گا۔ مسجود اِلیہ تو پتھروں ہی کا بنا ہوا گھر تھا مگر وہ مسجود لہ نہیں تھا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ ہم دن میں کئی مرتبہ غیر اللہ کی سمت سجدہ کرتے ہیں اور یہ سجدے کر کے بھی مسلمان ہی رہتے ہیں۔

اِسی طرح ہم مقامِ ابراہیم کی سمت - جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان والا پتھر ہے - رُخ کر کے نماز پڑھنے کے بعد بھی مسلمان ہی رہے۔ کیوں؟ صرف اِسی لئے کہ ہمارے نزدیک مسجود وہ پتھر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سو اِسی دلیل کی بنیاد پر یہ عمل بھی استوار ہے کہ جب ہم روضۂ رسول ﷺ اور اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں تو وہاں بھی مرادیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں اور ان کو وسیلہ بناتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت کا مظہر کعبۃ اللہ کو قرار دیا ہے اِسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاء بھی اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی

ذات و صفات کے مظہر ہیں۔ بقول غالب:

پرے ہے حدِ اِدراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اس ساری بحث سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوگئی ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی ارواح بعد از وصال مُدَبِّرَاتِ اَمر میں سے بن جاتی ہیں اور ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت کے مطابق تدبیر و تصرّف کرتی ہیں اور اہلِ محبت کی بالخصوص مدد کرتی ہیں، لہٰذا ان سے ان کی شان کے لائق استمداد و استعانت کرنا اسی طرح جائز، مباح اور صحیح ہے جیسے کہ حیاتِ ظاہری میں مباح اور مستحسن ہے۔

حیاتِ ظاہری اور حیاتِ برزخی میں فرق روا رکھنا باطل ہے کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک بعد از وصال امداد و اعانت قوی طریقہ پر متحقق ہو جاتی ہے لہٰذا معترضین اور منکرین کا انبیاء و اولیاء کو بعد از وصال اس دنیا میں رہنے والے اعانت کے طلب گاروں سے بے خبر غافل اور لاتعلق بتلانا اور بتوں والی آیات ان پر منطبق کرتے ہوئے ان کی امداد و اعانت سے عاجز و قاصر اور مجبور و معذور اور بے بس قرار دینا باطل ہے۔

باب چہارم

توحید اور تبرک

فصل اَوّل: تبرک کا مفہوم و اَہمیت اَز رُوئے قرآن

فصل دُوُم: حیاتِ مبارکہ میں آثارِ رسول اللہ ﷺ سے تبرک کا ثبوت

فصل سوم: بعد اَز وصال آثارِ رسول اللہ ﷺ سے تبرک کا ثبوت

فصل چہارُم: آثارِ اَولیاء اور صالحین سے تبرک

فصل اَوّل

تبرک کا مفہوم و اَہمیت اَز رُوئے قرآن

برکت اور تبرک کا لغوی معنی و مفہوم

ائمہِ لغت نے برکت اور تبرک کے متعدد معانی بیان کئے ہیں۔ علامہ ابنِ منظور نے مختلف علماء کے حوالے سے لفظِ برکت اور تبرک کے اقوال اپنی کتاب میں یکجا کئے ہیں، ہم ان کو خلاصۃً درج کر رہے ہیں:

۱۔ برکت کے لغوی معانی ''اضافہ، زیادتی و کثرت اور سعادت و خوش بختی کے ہیں۔'' یہ بَرَكَ سے مشتق ہے، کہا جاتا ہے: بَرَكَ الْبَعِيْرُ یعنی ''اُونٹ کسی جگہ جم کر اور ایک خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھا۔'' اس طرح وہ سکون و راحت اور آسودگی پاتا ہے۔

۲۔ برکت کا ہی ایک معنی ''دائمی سعادت اور برکت کا حصول بھی ہے۔'' جیسے حضور نبی اکرم ﷺ پر برکت بھیجتے ہوئے کہا جاتا ہے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ (اے اللہ! تو حضرت محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر بزرگی اور شرافت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثابت اور قائم فرما)۔

۳۔ تبرک کا لغوی معنی ہے: ''کسی سے برکت حاصل کرنا۔''(۱)

درج بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ تبرکات کے اندر چونکہ عزت، خیر و برکت اور نیک بختی کے حصول اور اِن میں اضافہ کی خواہش ہوتی ہے، اس لئے ان کو تبرک کہتے ہیں۔ جیسے دعائے نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۰، ۳۹۵، ۳۹۶

۲۔ ابن اثیر، النهاية فی غريب الحديث، ۱: ۱۲۰

وَ بَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ ۔[1]

’’اور جونعمت تو نے مجھے دی ہے اس میں برکت عطا فرما۔‘‘

۴۔ امام راغب اصفہانی نے ’’برکت‘‘ کا ایک معنی خیرِ الٰہی لکھا ہے:

وَالْبَرَكَةُ ثُبُوتُ الْخَيْرِ الإِلٰهِي فِى الشَّيْءِ۔[2]

’’برکت کا معنی ہے کسی شے کے اندر خیرِ الٰہی کا پایا جانا۔‘‘

تبرک کا شرعی مفہوم

قرآن و حدیث کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ذوات، اشیاء اور مقامات کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی خیر و برکت سے نوازا ہے اور اِن کو دیگر مخلوق پر ترجیح دی ہے۔ ان بابرکت ذوات اور اشیاء سے برکت و رحمت اور سعادت چاہنا اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا تبرک کے مفہوم میں شامل ہے۔

تبرک کا حقیقی تصوّر

تبرک و تیمّن کا واسطہ درحقیقت برکت اور فیض حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ جب ہم اپنے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان برکت حاصل کرنے کے لئے کوئی واسطہ قائم کر رہے ہوتے ہیں تو چونکہ یہ واسطۂ عبادت نہیں ہوتا اس لئے اس میں شرک کا کوئی احتمال نہیں۔ جیسے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے حجرِ اسود، رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تیمن و تبرک کا واسطہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جب حجرِ اسود سے

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى القنوت فى الوتر، ۲: ۳۲۸، رقم: ۴۶۴

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۳: ۲۲۵، رقم: ۹۴۵

(۲) راغب الأصبهانى، المفردات: ۴۴

برکت کا حصول شرک نہیں تو کسی پیغمبر یا ولی اللہ سے واسطۂ تیمن یا واسطۂ تبرک شرک کیسے ہوگا؟ اگر ایک پتھر کو واسطہ بنا لینا جائز ہو اور انبیاء و اولیاء کو واسطہ بنانا ناجائز اور شرک تصور کیا جائے تو یہ حقیقی تصورِ دین کے خلاف ہے۔

تبرک کی شرائط

قرآن و حدیث سے ثابت ہر متبرک چیز خواہ وہ کوئی نشانی ہو یا جگہ یا کوئی ذات، شرعاً ان کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ تاہم اس امر کے لئے درج ذیل شرائط ضروری ہیں:

۱۔ تبرک اختیار کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ مؤثرِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ جس طرح تمام نعمتیں مثلاً رزق، صحت تندرستی، مدد و نصرت، رہائش اور لباس وغیرہ اس کی عطا سے ملتی ہیں اسی طرح متبرک اشیاء یا اشخاص میں خیر و برکت بھی اللہ تعالیٰ نے ہی ودیعت فرمائی ہے۔ مخلوق میں کوئی بھی ازخود خیر و برکت دینے یا شر و فساد دور کرنے سے عاجز ہے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا سے ان میں یہ تاثیر و برکت پائی جاتی ہے۔

۲۔ جن اشخاص یا آثار و اماکن اور اشیاء کو متبرک سمجھ کر ان سے برکت حاصل کی جاتی ہے، ضروری ہے کہ قرآن وسنت سے ان کا عنداللہ متبرک و افضل ہونا بھی ثابت ہوتا ہو۔ انبیاء و صالحین کے جن آثار کے ذریعے تبرک یعنی خیر و برکت و سعادت حاصل کی جاتی ہے اس کے متعلق صحیح عقیدہ یہ ہے کہ یہ آثار اور نشانیاں اس ذات اور شخص کی شرافت و بزرگی، نیکی و پارسائی اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے مشرف و مکرم اور قابلِ تعظیم و تکریم اور عند اللہ محبوب و مقرب ہیں۔

تبرک کی اَقسام (اِجمالی بیان)

شرعاً تبرک کی درج ذیل اَنواع و اَقسام ثابت اور جائز ہیں:

۱۔ ذاتِ رسول ﷺ سے تبرک

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اور بعد از وصال آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا شرعاً ثابت ہے۔

۲۔ ذواتِ انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے تبرک

انبیاء کرام اور صالحینِ عظام کی حیات اور بعد از وصال اُن کی ذوات اور آثار سے بھی برکت حاصل کرنا شرعاً ثابت ہے۔(۱)

۳۔ قرآن و حدیث سے تبرک

حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآن مجید بذاتِ خود بہت سی برکتوں اور سعادتوں کا باعث ہے۔ اس کی سُوَر اور آیات کی متعدد برکات احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہیں۔ اسی طرح حدیثِ مبارکہ سے برکت حاصل کرنا بھی ائمۂ صالحین کا معمول رہا ہے۔

۴۔ اَفعال و اَقوال سے تبرک

امتِ مسلمہ کو ہر طرح کی رحمت اور فیض سے مالا مال کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالی اور اس کے محبوب رسول حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اِس امت کو

(۱) نوٹ: حضور نبی اکرم ﷺ، انبیاء کرام اور صالحینِ عظام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام سے برکت حاصل کرنے کے دوران اِن کے درمیان حفظِ مراتب کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔ لہٰذا انتہائی احتیاط اور ادب کا مظاہرہ کیا جائے۔

احکام اور ترغیب کے ذریعہ ایسے اقوال اور افعال بجا لانے کو کہا گیا ہے جن پر صرف عمل پیرا ہونے سے ہی اسے خیر و برکت سے نواز دیا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، تلاوتِ قرآن کرنا، حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا، نعت پڑھنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، روزہ افطار کرانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا، کسی شخص کی حاجت پوری کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا، تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا، سچ بولنا، ایفائے عہد کرنا الغرض بے شمار ایسے امور ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے انسان کو خالقِ کائنات کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔

۵۔ مکان سے تبرک

مقدس مقامات سے برکت حاصل کرنا بھی شریعت سے ثابت ہے۔ ان بابرکت مقامات میں روئے زمین کی تمام مساجد، خصوصاً مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ قباء اور بعض مقدس شہر جیسے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام اور یمن شامل ہیں۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاءِ عظام کے مقاماتِ ولادت اور وصال سے بھی برکت حاصل کرنا اَز روئے شرع جائز ہے۔

۶۔ زمان سے تبرک

شریعت کی طرف سے امتِ مسلمہ کو بعض متبرک اوقات اور لمحات بھی نصیب ہوئے ہیں۔ ان میں ماہِ رمضان المبارک، آخری عشرہ کی پانچ طاق راتیں، شبِ قدر، شبِ برأت، شبِ میلاد النبی ﷺ، شبِ معراج النبی ﷺ، ہر رات کا آخری تہائی حصہ، یومِ جمعۃ المبارک، پیر کا دن، جمعرات کا دن، ذوالحجہ کے دس دن، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ کا دن، یومِ عاشورہ اور میلاد النبی ﷺ کے بابرکت ایام اور مقدّس راتیں شامل ہیں۔

۷۔ کھانے پینے کی اَشیاء سے تبرک

بعض کھانے پینے کی اشیاء بھی ایسی ہیں جن کو اسلام میں دیگر اشیاء سے متبرک مقام حاصل ہے۔ مثلاً زیتون کا تیل، دودھ، شہد، کھجور، کلونجی، آبِ زَم زَم، روزہ کے لئے سحری اور افطاری کی اشیاء اسی نوع میں شامل ہیں۔

۸۔ اَفعالِ باطنی سے تبرک

بعض افعال کا تعلق انسان کے قلب و روح سے ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے اُن پر عمل پیرا ہونے سے بھی مومن کو برکاتِ الٰہیہ سے نوازا جاتا ہے۔ ان باطنی اعمال میں محبتِ الٰہی، رضائے الٰہی، خشیتِ الٰہی، اطاعتِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ، تعظیمِ رسول ﷺ، نصرتِ رسول ﷺ، اطاعتِ رسول ﷺ، توکل علی اللہ، صبر، شکر، رضا، ریاضت، عبادت، مجاہدہ اور زہد و ورع جیسے امور شامل ہیں۔

درج بالا تبرک کی تمام انواع و اقسام قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔ ہر قسم اور نوع پر کافی دلائل موجود ہیں جن سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اللہ رب العزت کی برکت اور رحمت حاصل کرنے کے لئے اِن تمام امور کی طرف رجوع کرنا، انہیں اپنانا اور بجا لانا شریعتِ اسلامیہ کے تحت مسنون، مستحسن اور جائز ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار وہی شخص کرے گا جو قرآن و حدیث، صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور ائمہ رضی اللہ عنہم کے احوال و اقوال سے ناواقف ہوگا۔ حقیقت یہی ہے کہ درج بالا تمام اقسامِ تبرک **من حیث المجموع** امتِ مسلمہ کے عقائد کی عکاس ہیں۔

عقیدۂ تبرک میں احتیاط کے پہلو

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دینِ اسلام کو اعتدال پسندی سے نوازا ہے جس کی بدولت اس کے ہر امر میں افراط و تفریط کو نظرانداز کیا جائے گا اور ان کی ہر طرح سے حوصلہ شکنی کی جائے

گی۔ عقیدۂ تبرک میں بھی شریعت کے اِس اصول کو مدّنظر رکھا گیا ہے، لہٰذا اس میں درج ذیل پہلوؤں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ تبرک کے ہر اس عمل کو ناپسندیدہ، مکروہ اور بدعتِ ضلالۃ قرار دیا جائے گا جو اصلاً قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔

۲۔ جن اعمال پر شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے یا کراہت کا اظہار کیا گیا ہے ان کو ہرگز بھی متبرک نہ سمجھا جائے مثلاً اولیاء و صالحین کے مزارات کا عبادت کی نیت سے طواف وغیرہ۔

۳۔ آج کل معاشرے میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ شریعت سے نابلد بے عمل جاہل اور جعلی پیروں کو برکت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے ان سے بھی حتی الامکان دامن بچانا چاہیے۔

۴۔ عقیدۂ تبرک میں جہاں بعض لوگ جہالت کے باعث افراط کا شکار ہیں، وہیں بعض لوگ تعصب اور عناد کے باعث اولیاء و صالحین سے حصولِ برکت کو شرک اور بدعت قرار دیتے ہیں۔ اس انتہا پسندانہ رویے کی بھی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔

تبرک کے لغوی و شرعی مفہوم اور اس کی انواع پر سیر حاصل بحث سے تبرک کا حقیقی مفہوم نکھر کر سامنے آ گیا۔ اب ہم قرآن کی روشنی میں تبرک کی شرعی حیثیت بیان کریں گے جس سے اس کی اہمیت و فضیلت اُجاگر ہوگی۔

قرآن میں انبیاء علیہم السلام اور اَشیائے مقدّسہ کی برکت کا بیان

برکت اور تبرک متعدد آیاتِ قرآنی سے ثابت شدہ امرِ شرعی ہے۔ قرآن میں لفظِ برکت اپنے مشتقات سمیت معین شخصیات، زمان اور مکان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

برکت کے متعلق قرآنی تعلیمات کو ہم درج ذیل عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں:

ا۔ انبیاء کرام علیھم السلام کے بابرکت ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض انبیاء کرام علیھم السلام اُن کے متبعین اور اہل و عیال کا مبارک اور بابرکت ہونا بیان کیا ہے:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۔(۱)

''فرمایا گیا: اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان طبقات پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔''

۲۔ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہما السلام کے بارے میں فرمایا:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اِسْحٰقَ۔(۲)

''اور ہم نے اُن پر اور اسحاق (علیہ السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں۔''

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہلِ بیت کے لئے فرمایا:

رَحْمَتُ اللهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔(۳)

''اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔''

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بابرکت فرمایا ہے:

---

(۱) ہود، ۱۱: ۴۸

(۲) الصافات، ۳۷: ۱۱۳

(۳) ہود، ۱۱: ۷۳

وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ۔ (۱)

''اور میں جہاں کہیں بھی رہوں اس نے مجھے سراپا برکت بنایا ہے۔''

۲۔ قرآنِ حکیم کے بابرکت ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بے شمار صفات اور خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ قرآن کی ایک صفت اس کا بابرکت ہونا بھی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأنعام میں دو جگہ اِرشاد فرمایا:

وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ ۔ (۲)

''اور یہ (وہ) کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، بابرکت ہے۔''

۲۔ قرآن حکیم کو خوبیوں والی اور بابرکت کتاب کہا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ○ (۳)

''یہ کتاب برکت والی ہے۔ جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانش مند لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں○''

۳۔ اَماکنِ مقدّسہ کے بابرکت ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بعض خصوصی اَماکن اور زمین کے قطعات کا بابرکت ہونا بیان فرمایا ہے:

(۱) مریم، ۱۹: ۳۱

(۲) الأنعام، ۶: ۹۲، ۱۵۵

(۳) ص، ۳۸: ۲۹

۱۔ اللہ رب العزت نے خانہ کعبہ کو برکت والا گھر قرار دیا، فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ(۱)

''بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکزِ) ہدایت ہےo''

امام ابوبکر جصاص نے ''احکام القرآن (۲: ۳۰۳)'' میں اس آیت کی تشریح میں برکت اور تبرک کے تصور کو یوں واضح کیا ہے:

وقوله مباركًا يعنى أنه ثابت الخير والبركة، لأن البركة هى ثبوت الخير ونموه وتزيده، والبرك هو الثبوت يقال برك بركًا وبروكا إذا ثبت على حاله۔

''اللہ ﷻ کا مبارکاً فرمانا اس معنی میں ہے کہ وہ گھر خیر و برکت والا ہے کیونکہ کسی چیز میں خیر و بھلائی کا پایا جانا اور اس کی نشوونما اور اس میں اضافہ ہونے کا نام برکت ہے۔ برکت سے مراد جم کر بیٹھنا ہے۔ بَرَكَ برکاً و بروکًا اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اپنی جگہ جم کر بیٹھے۔''

۲۔ مسجدِ اقصیٰ کے گرد و نواح کو انبیاء کرام کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنا دیا۔ ارشاد فرمایا گیا:

سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔(۲)

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے

(۱) آل عمران، ۳: ۹۶

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱

حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے سفرِ معراج کے ضمن میں مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر فرمایا تو مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ اس کی وجہ فضیلت بھی بتائی کہ اس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں۔ ائمہِ تفسیر نے بابرکت ماحول کی وجہ بیت المقدس کے اردگرد پھل دار درخت اور جاری نہروں کے علاوہ زمانہ موسوی سے اس مسجد کو مہبطِ وحی اور مسکنِ انبیاء علیہم السلام کے طور پر بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

قيل بالثّمار وبمجاری الأنهار وقيل بمن دُفن حوله من الأنبياء والصالحين۔(۱)

’’یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اردگرد کو پھلوں اور نہروں کی وجہ سے بابرکت بنایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اردگرد انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین دفن ہیں اس وجہ سے یہ بابرکت ہے۔‘‘

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

بالثّمار والأنهار والأنبياء و الصالحين فقد بارك الله سبحانه حول المسجد الأقصى ببركات الدّنيا والآخرة۔(۲)

’’یعنی پھلوں، نہروں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی وجہ سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۰: ۲۱۲

(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۳: ۲۰۶

مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کے ماحول کو دنیا و آخرت کی برکتوں سے مالا مال فرمایا۔‘‘

آیتِ کریمہ کی مذکورہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ ائمہ تفسیر نے مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کے ماحول کو درج ذیل وجوہات کی بنا پر بابرکت قرار دیا ہے:

۱۔ پھلدار درختوں اور نہروں کا پایا جانا۔

۲۔ مساکنِ انبیاء علیہم السلام اور مسجدِ اقصیٰ کا کثیر انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہونا۔

۳۔ مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد مزاراتِ انبیاء علیہم السلام کی موجودگی۔

مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کا بابرکت ہونے کی بڑی وجہ مزاراتِ انبیاء علیہم السلام ہیں کیونکہ خوش ذائقہ پھلوں اور نہروں کا ہونا بھی انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کے باعث ہے۔

نصِ قرآنی سے جب ثابت ہوا کہ انبیاء و صالحین کی وجہ سے کسی جگہ کا بابرکت ہونا اور لوگوں کا تبرکاً اس مقدس مقام کی زیارت کے لئے جانا امرِ مستحسن ہے تو جس خطۂ زمین کو حضور تاجدارِ کائنات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا مدفن ہونے کا اعزاز نصیب ہوا وہ پوری کائنات سے بڑھ کر بابرکت و باسعادت کیوں نہ ہو؟ یقیناً ہے، یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جمہور اُمت روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کو دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر عزیز سمجھتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کی وجہ سے مسجدِ اقصیٰ کا اردگرد بابرکت ہونے کی تائید امام بغوی، ابنِ جوزی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی درج ذیل تفسیر سے بھی ہوتی ہے:

سماه مبارکًا لأنه مقر الأنبياء و مهبط الملائكة و الوحي۔(1)

(1) ۱۔ بغوی، معالم التنزیل، ۳: ۹۲
۲۔ ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۵:۵
۳۔ قاضی ثناء اللہ، التفسیر المظہری، ۵: ۳۹۹

''مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کو بابرکت اس لئے کہا گیا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سکونت اور نزولِ ملائکہ و وحی کا مقام ہے۔''

اس امر میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ نصِ قرآنی کے مطابق بیت المقدس کا گردونواح بابرکت ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ بابرکت کیوں ہے؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر نے جو بھی وجہ بیان کی اس میں نمایاں چیز نسبتِ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اگر وہاں نزولِ ملائکہ ہے تو وہ بھی نبیوں کی وجہ سے ہے اور اگر مزاراتِ انبیاء و صالحین ہیں تو ان کی نسبت بھی ان سے ہے حتی کہ اگر مبارک عبادت گاہ ہے تو وہ بھی نبیوں کی نسبت کی وجہ سے۔

امام نسفی، علامہ آلوسی اور زمخشری لکھتے ہیں:

يريد بركات الدين والدنيا لأنه متعبد الأنبياء عليهم السلام ومهبط الوحی۔(۱)

''اس سے مراد دین و دنیا کی برکتیں ہیں اس لئے کہ مسجدِ اقصیٰ انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ اور مقامِ نزولِ وحی الٰہی ہے۔''

۳۔ خطۂ شام کے بابرکت ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا۔(۲)

''اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سر زمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔''

---

(۱) ۱۔ نسفی، مدارك التنزيل وحقائق التأويل، ۲: ۲۷۸
۲۔ آلوسی، روح المعانی، ۱۵: ۱۱
۳۔ زمخشری، الکشاف، ۲: ۶۰۲

(۲) الأعراف، ۷: ۱۳۷

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر خطۂ شام کو برکت سے نوازے جانے کے بارے فرمایا:

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۱)

''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اور لوط (علیہ السلام) کو (جو آپ کے بھتیجے یعنی آپ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) بچا کر (عراق سے) اس سرزمین (شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں ۝''

خطۂ شام کو سرزمینِ انبیاء و صالحین کہا جاتا ہے۔ ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں جس خطۂ زمین کو برکت سے نوازے جانے کا بیان ہے وہ شام ہے۔

۱۔ اِمام فخر الدین رازی نے لکھا ہے:

وحقّت أن تكون كذلك فهي مبعث الأنبياء صلاة الله عليهم ومهبط الوحي۔ (۲)

''اور درست بات یہ ہے کہ ایسا ہی ہے کیونکہ یہ سرزمین انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور نزولِ وحی کا خطہ ہے۔''

۲۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے:

وبركاته الواصلة إلى العالمين أنّ أكثر الأنبياء عليهم السلام بعثوا فيه فانتشرت في العالمين شرائعهم وآثارهم الدينية، وهي البركات الحقيقيّة۔ (۳)

''اس سرزمینِ شام کی برکتیں تمام جہاں کو پہنچی۔ اس طرح کہ اکثر انبیاء علیہم السلام

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۷۱

(۲) رازی، التفسير الكبير، ۲۴: ۱۵۷

(۲) زمخشری، الكشاف، ۳: ۱۲۷

یہیں مبعوث ہوئے اور پوری دنیا میں ان کی شریعت اور دینی آثار پھیل گئے، اور یہی حقیقی برکات ہیں۔‘‘

۳۔ امام نسفی نے لکھا ہے:

أی أرض الشام برکتها أن أکثر الأنبیاء منها فانتشرت فی العالمین آثارهم الدینیة.(۱)

’’یعنی سرزمینِ شام کی طرف اور اس سرزمین کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یہاں ہوئی اور پھر ان کے دینی آثار دنیا میں پھیلے۔‘‘

خطۂ شام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مرکز رہا ہے لہٰذا ان کے مبارک قدموں کی وجہ سے یہ خطہ برکت والا ہوگیا۔ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ سرزمینِ شام اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں انبیاء و صالحین کی سرزمین ہے، اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی شام کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت ابنِ حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سَيَصِيْرُ الْأَمْرُ إِلَى أَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً. جُنْدٌ بِالشَّامِ وَجُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَجُنْدٌ بِالْعِرَاقِ. قَالَ ابْنُ حَوَالَةَ: خِرْ لِي يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَإِنَّهَا خِيْرَةُ اللهِ مِنْ أَرْضِهِ يَجْتَبِي إِلَيْهَا خِيْرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ فَأَمَّا إِذْ أَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ وَاسْقُوْا مِنْ غُدُرِكُمْ فَإِنَّ اللهَ تَوَكَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ.(۲)

’’عنقریب ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب تمہارے لشکر الگ الگ ہوجائیں

(۱) نسفی، مدارك التنزيل وحقائق التأويل، ۳: ۸۶

(۲) أبوداؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب في سکنى الشام، ۳: ۴، رقم: ۲۴۸۳

گے۔ ایک لشکر شام میں ہوگا تو ایک یمن میں اور ایک عراق میں۔ ابنِ حوالہ نے عرض کیا: یارسول اللہ اگر میں اُس وقت کو پاؤں تو فرمایئے میں کس لشکر میں جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سرزمین شام کو (سکونت کے لئے) اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قطعۂ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا، اگر تجھے یہ منظور نہ ہوتو پھر یمن کو اختیار کرنا اور اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ملکِ شام کی اور اہلِ شام کی کفالت فرمائی ہے۔''

فضیلتِ شام کے حوالے سے متذکرہ بالا نصِ قرآنی، حدیثِ مبارکہ اور ائمۂ تفسیر کی آراء سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت نے خود ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقامِ ہجرت ملکِ شام کو بابرکت بنایا اور پھر امت کو فتنوں کے دور میں اس مبارک سرزمین میں حسبِ استطاعت سکونت اختیار کرنے کی ترغیب بھی فرمائی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی پوری دنیا کا خالق و مالکِ حقیقی ہے پھر اس قادر و قیوم ذاتِ وحدہٗ لا شریک نے زمین کے ایک ٹکڑے کو مبارک قرار دیا۔ اس سے یہی بات مستنبط ہوتی ہے کہ خالقِ کائنات کی طرف سے عطا کردہ کسی بابرکت مقام یا ہستی سے اگر ایک بندہ مؤمن تبرک اختیار کرے تو یہ صحیح اور درست امر ہے اسے خلافِ شرع اور منافیٔ توحید قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۴۔ **یمن کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:**

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً (۱)

''اور ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی، (یمن سے شام تک) نمایاں (اور) متصل بستیاں آباد کر دی تھیں۔''

(۱) سبا، ۳۴: ۱۸

۵۔ عام زمین کو خیر کے اِعتبار سے کئی صورتوں میں متبرک بنایا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ۔ (۱)

’’اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا۔‘‘

۴۔ زمان کے بابرکت ہونے کا بیان

قرآن مجید میں بعض زمانوں کے بابرکت ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے، نزولِ قرآن کی رات (شبِ قدر) کے بارے میں فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ○ (۲)

’’بے شک ہم نے اسے ایک با برکت رات میں اتارا ہے، بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں○‘‘

اس آیت کے تحت شیخ ابنِ عربی لکھتے ہیں:

البركة: هي النماء والزيادة وسماها مباركة لما يعطى الله فيها من المنازل ويغفر من الخطايا ويقسم من الحظوظ ويبث من الرحمة وينيل من الخير وهي حقيقة ذلك وتفسيره۔ (۳)

(۱) حم السجدة، ۴۱: ۱۰

(۲) الدخان، ۴۴: ۳

(۳) ابن عربی، أحكام القرآن، ۴: ۱۱۷

''برکت کا معنی کسی چیز میں بڑھوتری اور اِضافہ ہے۔ نزولِ قرآن کی رات کو اس لئے مبارک قرار دیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بلند درجات عطا فرماتا ہے، گناہوں کی بخشش فرماتا ہے، سعادت و خوش قسمتی اور خیر وفضل تقسیم فرماتا ہے، اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور خیر و بھلائی عطا فرماتا ہے۔ یہی اس رات کے بابرکت ہونے کا حقیقی معنی اور اس کی تفسیر ہے۔''

۵۔ بعض اشیاء کے بابرکت ہونے کا بیان

قرآن مجید میں بعض اشیاء کے بابرکت ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کو بابرکت قرار دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ۔(۱)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال (جو نورِ محمدی ﷺ کی شکل میں دنیا میں روشن ہے) اس طاق (نما سینۂ اقدس) جیسی ہے جس میں چراغِ (نبوت روشن) ہے، (وہ) چراغ، فانوس (قلبِ محمدی ﷺ) میں رکھا ہے۔ (یہ) فانوس (نورِ الٰہی کے پَرتَو سے اس قدر منور ہے) گویا ایک درخشندہ ستارہ ہے (یہ چراغِ نبوت) جو زیتون کے مبارک درخت سے (یعنی عالمِ قدس کے بابرکت رابطہ وحی سے یا انبیاء و رسل ہی کے مبارک شجرۂ نبوت سے) روشن ہوا ہے نہ (فقط) شرقی ہے اور نہ غربی (بلکہ اپنے فیضِ نور کی وسعت میں عالم گیر ہے)۔''

۲۔ بارش کے پانی کو بھی مبارک قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا۔(۲)

(۱) النور، ۲۴: ۳۵

(۲) ق، ۵۰: ۹

''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا۔''

٦۔ نام کی نسبت سے حصولِ برکت

قرآن مجید میں ایک مقام پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سیدہ مریم علیہا السلام کا ذکر ہارون کی بہن کہہ کر ہوا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ۔ (۱)

''اے ہارون کی بہن!''

ائمۂِ تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ خاتون حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اور ان کے ایک بھائی کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسبت سے ''ہارون'' تھا اس لئے ان کو ہارون کی بہن کہا گیا۔

كان لها أخ من أبيها اسمه هارون لأن هذا الاسم كان كثيرًا في بني إسرائيل تبركاً باسم هارون أخي موسى۔ (۲)

''حضرت مریم علیہا السلام کے علاتی بھائی کا نام ہارون تھا کیونکہ بنی اسرائیل میں یہ نام رکھنے کا بہت رواج تھا۔ لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے نام کی نسبت سے تبرکاً اسے رکھتے تھے۔''

قرآن مجید میں بیان کردہ مبارک یا متبرک انبیاء علیہم السلام، خود قرآن حکیم، اماکنِ مقدّسہ، اشیاء اور زمان کی اِن اقسام سے معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے بعض کو خالقِ کائنات کی طرف سے بابرکت ہونے کا رتبہ ملا ہے جس کے باعث اُن کا مقام باقی تمام مخلوق سے جدا اور ممتاز ہو جاتا ہے۔

---

(۱) مریم، ۱۹:۲۸

(۲) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۱۱:۱۰۰

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود آثارِ انبیاء و رُسل اور صالحین کے مزارات اور مقدّس مقامات کو بابرکت قرار دیتا ہے اور اس برکت سے تبرک کی تعلیم دیتا ہے۔

اَنبیاء علیہم السلام نے خود واسطۂ تبرک اِختیار کیا

نصوصِ قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام نے تبرک و تیمّن کا واسطہ اختیار کیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عمل شرک اور خلافِ توحید نہیں۔ قرآنِ حکیم میں درج ذیل ارشادات اس کا بیّن ثبوت ہیں:

۱۔ قمیصِ یوسف علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا تبرک

سورۂ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کا طویل واقعہ بیان ہوا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے دھوکہ سے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا تو مصر کے چند تاجر انہیں اپنے ساتھ مصر لے گئے، جس کی وجہ سے باپ بیٹے کی جدائی میں کئی سال گزرے۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کی جدائی نہ بھولے تھے اور آنسو بہا بہا کر نابینا ہوگئے۔ کئی سال بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کے توسط سے باپ کی بینائی جانے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنا قمیص تبرک کے لئے اپنے والدِ محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات سورۂ یوسف میں یوں درج ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًاۚ(۱)

’’(یوسف علیہ السلام نے کہا:) میری یہ قمیض لے جاؤ، سو اِسے میرے باپ (یعقوب علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہوجائیں گے۔‘‘

(۱) یوسف، ۱۲: ۹۳

اس کے بعد کے واقعہ کو قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

فَلَمَّآ أَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ أَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا[1]

’’پھر جب خوش خبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والدِ گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان قمیص کا واسطہ قائم کیا جس کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی کھوئی ہوئی بینائی لوٹ آئی لہٰذا ان کا یہ عمل شرک نہ ہوا۔ ان آیاتِ مبارکہ سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹانے والی ذاتِ حقیقی خالقِ کائنات کی تھی۔ پس اُن کی بینائی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے لوٹی لیکن اس کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص بنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل جلالہ بغیر کسی واسطہ کے اُن کو بینا کرسکتا تھا لیکن اس واقعہ سے اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء سے مس شدہ چیز کی برکت کا اظہار فرمایا ہے۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کے لوٹ آنے سے اللہ تعالیٰ نے تاقیامت آنے والے انسانوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ اس دنیا میں بعض ذوات، اشیاء اور اماکن وغیرہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں غیر معمولی قدر ومنزلت رکھتے ہیں جن کو برکت سے نوازا گیا ہے۔ ان کی وجہ سے بیمار شفایاب ہوتے ہیں، دعائیں قبول ہوتی ہیں اور گناہوں کی بخشش ومغفرت ملتی ہے۔

۳۔ جس چیز کو انبیاء کرام اور صلحاءِ عظام سے نسبت ہوجائے اس سے تبرک کرنا توحید کے منافی نہیں کیونکہ قمیض بھیجنے والے بھی اللہ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام اور

(۱) یوسف، ۱۲: ۹۶

اس وسیلہ سے فائدہ اٹھانے والے بھی اللہ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام ہیں اور بیان کرنے والا ماحیٔ شرک یعنی قرآن ہے۔

۴۔ جَآءَ الۡبَشِیۡرُ کے اعتبار سے یہ تبرک اگرچہ ظاہراً بغیر النبی ہے لیکن فی الحقیقت یہ تبرک بآثار النبی ہے۔

۵۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیض ڈالتے وقت بشارت دینے والے نے زبان سے کچھ نہ کہا بلکہ صرف قمیض کی برکت سے بینائی لوٹ آئی جو تبرکِ نفسی کی طرف اشارہ ہے۔

٦۔ غیرِ نبی سے بھی برکت حاصل کرنا سنتِ انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں یہ امر بطورِ خاص توجہ طلب ہے کہ ایک پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام تبرک کا حکم دے رہے ہیں اور دوسرے پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام اس قمیض سے برکت حاصل کر رہے ہیں یعنی قمیض متبرَّك بهِ ہے۔ لہٰذا جب پیغمبر کی قمیض سے تبرک امرِ جائز ہے تو اس سے تبرک بآثار الانبیاء اور تبرک بالصالحین کا عقیدہ بھی از خود ثابت ہوجاتا ہے۔

۲۔ حجرۂ مریم علیہا السلام سے حضرت زکریا علیہ السلام کا تبرک

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں بے موسم پھلوں کو دیکھا تو اسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ○[1]

---

(۱) آل عمران، ۳: ۳۸

’’اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہےo‘‘

اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا واسطۂ تبرک و تیمّن اور واسطۂ توسل اختیار کرنا شرک نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو اللہ رب العزت خصوصیت کے ساتھ قرآن میں اس کا ذکر نہ فرماتا کیونکہ الفاظِ ربانی یوں ہیں: ﴿هُنَا لِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ﴾ یعنی اُسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔

۳۔ قدمینِ اِبراہیم علیہ السلام کا بابرکت ہونا

ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدم تعمیرِ کعبہ کے دوران جس پتھر پر لگے وہ بھی باعثِ خیر و برکت اور تکریم و تعظیم ہوا، لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى. (۱)

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کیلئے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنا لو۔‘‘

حدیثِ مبارکہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشانِ قدوم سے گہری مماثلت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس متبرک و مقدس پتھر پر یہ نشان دیکھ کر قریشِ مکہ سے پوچھا کرتے کہ کیا یہ قدموں کے نشان محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہیں؟ اس بات کی تصدیق ہونے پر وہ اس سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن یہودیوں کے بعض علماء نے مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر کچھ ایسی نشانیاں دیکھیں

(۱) البقرة، ۲: ۱۲۵

کہ وہ لوگ ان سے برکت حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ ان کو کتب سماویہ سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔

صالحین سے منسوب اَشیاء سے حصولِ برکت کا بیان

محولہ بالا ارشاداتِ قرآنی میں انبیاء اور صالحین کے آثار وتبرکات سے بذاتِ خود انبیاء علیہم السلام کا اورعوام الناس کے تبرک کا واضح ثبوت ہے۔ ذیل میں ہم قرآن وحدیث سے چند وہ حوالے درج کریں گے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آثارِ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء سے برکت حاصل کرنا سابقہ امم کا طریقہ تھا جس کو آقا ﷺ نے برقرار رکھا اور آپ ﷺ کے متبعین اسی منہاج پر گامزن رہے۔

ا۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے آثار سے تبرک

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات کا ذکر قرآنِ حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ایک خاص تاریخی پسِ منظر میں فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (۱)

’’اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا: اس کی سلطنت (کے مِنْ جانبِ اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا، اگر تم ایمان

(۱) البقرة، ۲: ۲۴۸

والے ہو تو بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے o‘‘

یہ امر واضح رہے کہ ہم نے مندرجہ بالا آیت کے ترجمہ میں ’تبرکات‘ کا لفظ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لیا ہے۔ ائمہِ تفسیر نے ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ ﴾ سے مراد تبرکات لیے ہیں جس کی تفصیل کم و بیش تفسیر کی ہر کتاب میں ہے۔ ذیل میں چند تفاسیر کے حوالہ جات دیئے جا رہے ہیں:

۱۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

قال أصحاب الأخبار: إن الله تعالٰی أنزل علی آدم عليه السلام تابوت فيه صور الأنبياء من أولاده فتوارثه أولاد آدم إلی أن وصل إلی يعقوب ثم بقي فی أيدي بني إسرائيل، فكانوا إذا اختلفوا فی شيء تكلم وحكم بينهم، وإذا حضروا القتال قدموه بين أيديهم يستفتحون به علی عدوهم۔[1]

’’مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک تابوت نازل فرمایا جس میں سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیھم السلام کی تصاویر تھیں۔ وہ تابوت اولادِ آدم میں وراثتاً منتقل ہوتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا، پھر یہ بنی اسرائیل کے قبضے میں رہا۔ جب کبھی ان کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو یہ تابوت کلام کرتا اور فیصلہ سناتا اور جب وہ کسی جنگ کے لئے جاتے تو اپنے آگے اس تابوت کو رکھتے جس کے ذریعے وہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتے۔‘‘

۲۔ امام بغویؒ معالم التنزیل میں آیت ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ ﴾ سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیھما السلام کے تبرکات لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) رازی، التفسیر الکبیر، ۶: ۱۴۹

﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ ﴾ يعني موسیٰ وهارون نفسهما. كان فيه لوحان من التوراة ورضاض الألواح التي تكسرت وكان فيه عصا موسیٰ ونعلاه وعمامة هارون وعصاه وقفيز من المن الذي كان ينزل علی بني اسرائيل.(۱)

﴿اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے﴾ آل سے مراد خود حضرت موسیٰ و ہارون علیہا السلام کے تبرکات ہیں اس میں تورات کی دو مکمل تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے کوٹے ہوئے ٹکڑے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصا اور (جنت کا کھانا) مَن جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا اس کا ٹکڑا بھی اس میں شامل تھا۔''

علاوہ ازیں ''تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس (۱: ۵)'' میں، امام طبری نے ''جامع البیان فی تفسیر القرآن (۲: ۶۱۴ ۳)'' میں، علامہ زمخشری نے ''الکشاف (۱: ۳۲۱)'' میں، علامہ ابنِ کثیر نے ''تفسیر القرآن العظیم (۱: ۳۰۲)'' میں، امام سیوطی نے ''الدر المنثور (۱: ۷۵۸)'' میں، امام آلوسی نے ''روح المعانی (۲: ۱۶۹)'' میں، علامہ شوکانی نے ''فتح القدیر (۱: ۲۶۷)'' میں، علامہ ابو سعود محمد عمادی نے إرشاد العقل السلیم إلی مزایا القرآن الکریم (۱: ۲۴۱)'' میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ''تفسیر المظھری (۱: ۳۴۹)'' میں زیرِ بحث آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ﴾ سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات لئے ہیں۔ ان تبرکات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین مبارک، حضرت ہارون علیہ السلام کا

(۱) ۱۔ بغوی، معالم التنزیل، ۱: ۲۲۹
۲۔ سیوطی، تفسیر الجلالین، ۱: ۵۴
۳۔ أبو اللیث سمرقندی، تفسیر سمرقندی، ۱: ۱۸۸

عصا اور عمامہ، ان کا لباس، تورات کے بعض اجزاء اور مَن کے ٹکڑے جو بنی اسرائیل پر (آسمان سے) نازل ہوتا تھا، شامل تھے۔

۳۔ مکتبِ دیوبند فکر سے تعلق رکھنے والے مولانا عبدالماجد دریا آبادی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلتَّابُوْتُ۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوتِ سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی اور قومی ورثہ تھا۔ اس میں تورات کا اصل نسخہ مع تبرکاتِ انبیاء محفوظ تھا۔ بنی اسرائیلی اس کو انتہائی برکت و مقدس سمجھتے تھے۔ سفر و حضر، جنگ و امن ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماءِ یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسبِ ذیل تھی:

طول ...... دوفٹ چھ انچ

عرض ...... ایک فٹ چھ انچ

بلندی ...... ایک فٹ چھ انچ

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے، مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین کر لے گئے تھے، اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بد طالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لیے نہایت درجہ بیتاب و مُضطرب تھے۔

طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (م ۹۳۳ ق م) تک رہا، اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اُسے بھی رکھ دیا تھا، اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا، یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکلِ سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔''(۱)

(۱) عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، ۱: ۴۵۹

۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''(اور جب اُن لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کی من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جاوے اُس وقت) اُن سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ اُن کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (بدوں تمہارے لائے ہوئے) آ جاوے گا جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے (یعنی تورات اور تورات کا من جانب اللہ ہونا ظاہر ہے) اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ غرض) اُس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔ اس (طرح سے صندوق کے آ جانے) میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین لانے والے ہو۔ اس صندوق میں تبرکات تھے۔''

مزید حاشیے میں لکھتے ہیں: قولہ تعالیٰ ﴿يَأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ﴾

''اِس میں اصل ہے آثارِ صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔''(1)

اس تفصیل سے مقصود یہ امر واضح کرنا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو اپنے انبیاء علیہم السلام کے تبرکات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی فوائد عطا فرمائے تھے جس پر قرآن مجید خود شاہد ہے تو کیا امتِ محمدی ﷺ کو حضور نبی اکرم ﷺ سے قلبی نسبت و تعلق اور سچی محبت و ادب کے ذریعے ظاہری و باطنی تبرکات و فیوضات نصیب نہیں ہوں گے؟ کیوں نہیں! یقیناً پہلی امتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر نصیب ہوں گے۔ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے فقط ذہنی اور فکری تعلق استوار کیا ہے مگر قلبی اور باطنی تعلق کمزور کر لیا ہے۔ جو لوگ آج بھی حضور ﷺ سے ایسا قلبی و

(1) اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، 1: 145

روحانی رشتہ قائم کر لیتے ہیں وہ اپنی زندگی میں اب بھی آپ ﷺ کے الطافِ کریمانہ اور فیوضاتِ رحیمانہ کے نظارے کرتے ہیں۔

۲۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے منسوب کنویں سے تبرک

اللہ رب العزت صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور اپنے مقرب بندوں کو ہی بابرکت نہیں بناتے بلکہ انہیں عطا کردہ چیزوں میں اتنی برکت اور تاثیر رکھ دیتے ہیں کہ اُن سے نسبت شدہ چیزوں کو بھی متبرک بنا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ تاریخ کے اوراق میں احادیثِ صحیحہ سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے منسوب کنوئیں کے بارے میں بھی ملتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام مبارک نبی تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزہ کے طور پر اونٹنی عطا فرمائی تھی لہٰذا اس کے بابرکت ہونے میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن بات صرف یہاں ختم نہ ہوئی بلکہ وہ اونٹنی جس کنوئیں سے پانی پیتی تھی اس کو بھی نبی کی نسبت سے متبرک بنا دیا گیا۔

تاریخی پسِ منظر یوں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ایک کنویں سے پانی پیتی تھی۔ ایک پورا دن اس کے لئے خاص تھا، قومِ صالح کو یہ ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے عذابِ الٰہی کی وعید کے باوجود اس اونٹنی کو ذبح کر ڈالا نتیجتاً اللہ رب العزت کا عذاب نازل ہوا اور پوری قوم ہلاک ہوگئی۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے جانثار صحابہ کے ہمراہ جب اس مقام پر سے گزر ہوا تو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو اس مقام سے آگاہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وادی سے تیزی کے ساتھ گزرنے کا حکم دیا اور تباہ شدہ قوم کے کنویں سے پانی پینے سے منع فرمایا نیز اس سے آٹا گوندھنے اور برتن دھونے سے بھی منع فرمایا بلکہ گوندھا ہوا آٹا اور جمع کیا ہوا پانی پھینکنے کا حکم دیا۔ اس کی بجائے انہیں اس مبارک کنویں کا پانی استعمال کرنے کی ترغیب دی جس سے حضرت

صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیا کرتی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّاسَ نَزَلُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَرْضَ ثَمُوْدَ الْحِجْرَ فَاسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا وَاعْتَجَنُوْا بِهِ، فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُهَرِيقُوا مَا اسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا وَأَنْ يَعْلِفُوْا الإِبِلَ الْعَجِيْنَ وَأَمَرَهُمْ أن يَسْتَقُوْا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِي كَانَتْ تَرِدُهَا النَّاقَةُ۔(۱)

''لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ثمود کی سرزمین حجر میں اُترے۔ اس کے کنوؤں سے پانی نکالا اور اس سے آٹا گوندھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اس وادی کے کنویں سے جو پانی نکالا ہے اسے پھینک دو اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا وہ اس (مبارک) کنویں سے پانی لیں جس پر حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی آتی تھی۔''

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر ''الجامع لأحكام القرآن'' میں سورۃ الحجر کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضور نبی اکرم علیہ السلام کے مندرجہ بالا اِرشاد سے تبرك بالآثار کا استنباط کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

أمره ﷺ أن يستقوا من بئر الناقة دليل على التبرك بآثار الأنبياء والصالحين وإن تقادمت أعصارهم وخيفت آثارهم۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب أحاديث الأنبياء، باب: قول الله تعالى: وَإِلَى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۳۱۹۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزهد والرقائق، باب: لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۰

(۱) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۴۷

''حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنویں سے پانی لو، انبیاء و صالحین کے آثار سے تبرک پر دلیل ہے اگرچہ زمانے گزر چکے ہوں اور ان کے مبارک آثار آنکھوں سے اوجھل ہو چکے ہوں۔''

اسی حدیث کی تشریح میں شارح صحیح مسلم امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ سے متعدد فوائد کا ثبوت ہے:

ومنها مجانبة آبار الظالمين والتبرك بآبار الصالحين ۔(۱)

''ان میں ظالموں کے منحوس کنوؤں سے اجتناب اور صالحین کے مبارک کنوؤں سے برکت حاصل کرنا مراد ہے۔''

امام نووی کی یہ تشریح دراصل سلف صالحین کے عقیدہ کی ترجمان ہے کہ کس طرح وہ صالحین اور ان کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے، لہٰذا قرآن و سنت پر مبنی صحیح سلفی عقیدہ یہی ہے کہ بعض مقامات بھی بابرکت ہوتے ہیں اور ان کا مبارک ہونا کسی نیک بندے یا کسی شعائر اللہ کی نسبت کے باعث ہوتا ہے۔ اب متذکرہ بالا آیتِ کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ جس طرح نیک بندگانِ خدا کی نسبت سے کوئی جگہ مبارک ہوسکتی ہے تو اس کے برعکس ظالم، نافرمان اور گستاخانِ رسول قوم کی وجہ سے کوئی خطہ منحوس بھی ہوسکتا ہے۔ جس طرح صالحین سے منسوب مبارک مقامات سے تبرک درست ہے اسی طرح ظالمین سے منسوب مقامات سے پناہ مانگنا بھی سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

کثیر احادیثِ مبارکہ سے تبرکاتِ صالحین کی اصل ثابت ہے۔ اس پر تفصیلی بحث اگلے ابواب میں ملاحظہ کریں۔

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۸: ۱۱۲

تبرک اختیار کرنے میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں ہے

انبیاء و صالحین کا واسطۂ تبرک اختیار کرنا نصوصِ قرآن اور کثیر احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ جب واسطہ تبرک قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو اسے ہرگز واسطہ شرکیہ نہیں گردانا جا سکتا۔

جمہور اُمت کا یہ عقیدہ ہے کہ آثار اور نشانیوں میں از خود کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ان مقدّس اماکن و مقامات کی تعظیم وتکریم کرنا اور اس سے خیر و برکت حاصل کرنا اِس وجہ سے ہے کہ یہ بہت سی خیر اور نیکیوں کا باعث، ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔ مقربینِ بارگاہِ الٰہی ان اماکن و مقامات میں مراقب ہو کر عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار کرتے رہے۔ ان عبادات کی وجہ سے ان میں ربِ رحمٰن کی رحمتوں اور عنایتوں کا نزول ہوتا رہا اور ملائکہ مقربین کی آمد ہوئی، پس اس لیے ربِ کائنات کی خصوصی رحمت نے ان اماکن اور آثار کو گھیرا ہوا ہے۔ اسی نسبت سے یہ برکت مقصود ہوتی ہے جس کو ان مقامات میں اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کیا جاتا ہے۔

مقدّس مقامات ہوں یا مقرب اشخاص، ان سے برکت انہیں بالذات مؤثر مان کر حاصل نہیں کی جاتی بلکہ ان مقامات پر حاضر ہو کر اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو کر دعا و استغفار کے ذریعہ مانگا جاتا ہے۔ ان مقامات میں جو عظیم واقعات پیش آتے ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے، مقرب ہستیوں کی ہمت و معرفت کا بیان ہوتا ہے جس سے قلب و باطن میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور حوصلوں کو جلا ملتی ہے۔ محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کے ساتھ ظاہری و باطنی قربت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، یہی تبرک ہے اور اسی کو جمہور امت نے اختیار کیا ہے۔ اس میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں ہاں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ان اماکن و اشخاص سے بالذات تاثیر کا عقیدہ رکھے تو یہ شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

فصل دُوُم

حیاتِ طیبہ میں آثارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبرک کا ثبوت

کتبِ احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام ﷡ حضور نبی اکرم ﷺ سے دعا کرانے کے علاوہ بھی بہت سی صورتوں میں آپ ﷺ سے تبرک حاصل کرتے تھے، مثلاً آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کو تبرکاً مس کرتے۔ آپ ﷺ کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرتے۔ جس پانی سے آپ ﷺ اپنا دستِ مبارک دھوتے اسے اپنے چہروں اور بدن کے حصوں پر مل کر برکت حاصل کرتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بچے ہوئے کھانے سے برکت حاصل کرتے، آپ ﷺ کے پسینہ مبارک، لعابِ دہن، موئے مبارک، انگوٹھی مبارک، بستر مبارک، چارپائی مبارک اور چٹائی مبارک سے برکت حاصل کرتے تھے۔ الغرض وہ ہر اس چیز سے برکت حاصل کرتے جس کی حضور ﷺ کے جسمِ اقدس سے تھوڑی یا زیادہ نسبت ہوتی بلکہ جن مبارک مکانوں اور رہائش گاہوں میں حضور نبی اکرم ﷺ نے سکونت اختیار فرمائی، جن مقدس جگہوں پر آپ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائیں، جن بخت رسا راہوں سے آپ ﷺ گزرے، ان کے گرد و غبار تک سے بھی انہوں نے برکت حاصل کی۔ اس حوالے سے تفصیلی مطالعہ کے لئے ہماری کتاب ''تبرک کی شرعی حیثیت'' ملاحظہ فرمائیں۔ چند احادیثِ مبارکہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

ا۔ اِسمِ محمد ﷺ سے حصولِ برکت

حضور نبی اکرم ﷺ کے دیگر شمائل و خصائص کی طرح آپ ﷺ کے نام مبارک کے فضائل و برکات بھی بے شمار ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حدیثِ قدسی بیان کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وعزتي وجلالي! لا أعذب أحدًا تسمى باسمك في النار ۔(۱)

''(اے حبیبِ مکرم!) مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم! میں کسی ایسے شخص کو آگ کا عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا۔''

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس حدیثِ مبارکہ میں نام سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا مشہور اسم گرامی ''محمد ﷺ'' یا ''احمد ﷺ'' ہے۔

۲۔ ایک روایت میں ہے کہ محمد نام رکھنے سے انسان میں برکت آ جاتی ہے اور جس گھر یا مجلس میں محمد نام کا شخص ہو وہ گھر اور مجلس بابرکت ہو جاتی ہے۔(۲)

۳۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اجتمع قوم قط في مشورة معهم رجل اسمه محمد، لم يدخلوه في مشورتهم إلا لم يبارك لهم ۔(۳)

''کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو جن کے اندر محمد نام والا کوئی شخص موجود ہو اور وہ اُسے اپنے مشورہ میں شامل نہ کریں تو اُن کے کام میں برکت نہیں ہوگی۔''

۴۔ امام مالکؒ کا قول ہے:

---

(۱) حلبی، إنسان العیون (السیرة الحلبیة)، ۱: ۱۳۵

(۲) ۱۔ شعرانی، کشف الغمة، ۱: ۲۸۳

۲۔ حلبی، إنسان العیون، ۱: ۱۳۵

(۳) ۱۔ خطیب بغدادی، موضح أوهام الجمع والتفریق، ۱: ۴۴٦

۲۔ حلبی نے ''إنسان العیون (۱: ۱۳۵)'' میں کہا ہے حفاظِ حدیث نے اِس روایت کی صحت کا اِقرار کیا ہے۔

ما كان في أهل بيت اسم محمد إلا كثرت بركته۔(۱)

''جس گھر میں بھی محمد نام کا شخص ہو اُس میں برکت پھیل جاتی ہے۔''

۵۔ اِمام حلبی ''اِنسان العیون (۱: ۱۳۶)'' میں روایت کرتے ہیں:

من كان له ذو بطن فاجمع أن يسميه محمدًا رزقه الله غلامًا، ومن كان لا يعيش له ولد فجعل لله عليه أن يسمى الولد المرزوق محمدا عاش۔(۲)

''جس کی بیوی حاملہ ہو اور وہ بچہ کا نام محمد رکھنے کا اِرادہ کرے تو اﷲ تعالیٰ اُسے بیٹا عطا کرے گا اور جس کا بچہ زندہ نہ رہتا ہو اور وہ اﷲ تعالیٰ کے بھروسہ پر اِرادہ کرلے کہ وہ ہونے والے بچہ کا نام محمد رکھے گا تو اُس کا بچہ زندہ رہے گا۔''

۲۔ جائے نماز سے حصولِ برکت

''صحیح بخاری'' میں حضرت عِتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور نماز پڑھانے کا واقعہ درج ہے، جسے ائمۂ حدیث نے تبرک کے باب میں حجت قرار دیا ہے۔ حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ، وَهُوَ مِنْ أَصحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَّهُ أَتَى رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي، فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ،

(۱) مناوی، فیض القدیر، ۵: ۴۵۳

(۲) اِسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۷: ۱۸۴

سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّي بِهِمْ، وَوَدِدْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَنَّكَ تَأْتِيْنِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: (سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ). قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَأَبُوبَكْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: (أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ). قَالَ: فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَكَبَّرَ، فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ(۱)

''حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ان انصاری صحابہ میں سے تھے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ وہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں؟ جب بارش ہوتی ہے تو وہ نالہ جو میرے اور ان کے درمیان ہے، بہنے لگتا ہے جس کے باعث میں ان کی مسجد تک نہیں جاسکتا کہ انہیں نماز پڑھاؤں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لے چلیں اور وہاں نماز پڑھیں تاکہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِن شاءَ اللہ میں کسی دن آؤں گا، حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ دوسرے دن صبح حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دن چڑھنے کے بعد میرے گھر تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حسبِ معمول اجازت طلب فرمائی میں نے حضور ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور نبی

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب: المساجد فی البیوت، ۱: ۱۶۴، رقم: ۴۱۵

اکرم ﷺ بیٹھے نہیں، فرمایا: تم کس جگہ پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں۔ میں نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور صف بنائی، حضور ﷺ نے دو رکعت (نفل) نماز پڑھی پھر سلام پھیرا۔‘‘

شارحِ ’’صحیح بخاری‘‘ امام ابنِ حجر عسقلانی نے اس حدیث کو آثارِ صالحین سے تبرک کے باب میں حجت قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وسؤاله النّبیّ ﷺ أن یصلّي فی بیته لیتّخذه مصلّی وإجابة النبيّ ﷺ إلی ذلك فهو حجّة فی التّبرّك بآثار الصّالحین ۔[1]

’’حضرت عتبان کا حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کرنا کہ ان کے گھر تشریف لاکر نماز ادا کریں تاکہ وہ اس جگہ کو اپنے لئے جائے نماز بنالیں اور حضور ﷺ کا ان کی التجا قبول کرنا آثارِ صالحین سے تبرک کے ثبوت کے لئے بیّن دلیل ہے۔‘‘

ابنِ عبدالبر ’’الموطأ‘‘ کی شرح ’’التمهید (٦: ٢٢٨)‘‘ میں لکھتے ہیں:

وفیه التبرّك بالمواضع التي صلّی فیها رسول الله ﷺ ووطئها وقام علیها۔

’’اس حدیثِ مبارکہ میں ان مقامات سے حصولِ برکت کا ثبوت ہے جہاں جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی، جہاں آپ ﷺ نے مبارک قدم رکھے اور جس جگہ آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے۔‘‘

(۱) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱: ۵۲۹

۳۔ وضو کے بچے ہوئے پانی سے حصولِ برکت

۱۔ حضرت ابوجُحَیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَاكَ الْوَضُوْءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ ...... الحديث۔[1]

''میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو چمڑے کے ایک سرخ خیمے میں دیکھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کا استعمال شدہ پانی لیتے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کے استعمال شدہ پانی کے حصول کے لئے کوشش کر رہے تھے جسے کچھ مل گیا اُس نے اپنے اُوپر مل لیا اور جسے اس میں سے ذرا بھی نہ ملا اُس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری حاصل کی۔''

مذکورہ حدیث کے تحت شارحِ ''صحیح بخاری'' حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وفی الحديث من الفوائد التماس البرکة مما لامسه الصالحون۔[2]

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ فی الثیاب، باب: الصلاۃ فی الثَّوبِ الأَحْمَرِ، ۱: ۱۴۷، رقم: ۳۶۹
اس حدیث کو امام بخاری نے "الصحیح" کی کتاب المناقب (رقم: ۳۳۷۳) میں بھی بیان کیا ہے۔
(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۵۷۴

’’اس حدیثِ مبارکہ میں کئی فوائد ہیں جن میں سے ایک حصولِ برکت کے لئے صالحین کے مس شدہ چیز کو ملنا ہے۔‘‘

۲۔ عروہ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے :

وَ إِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ كَادُوا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ جب وضو فرماتے تو ایسا لگتا تھا کہ لوگ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے آپس میں لڑ مریں گے۔‘‘

۳۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِمَكَّةَ وَ هُوَ بِالْأَبْطَحِ فِيْ قُبَّةٍ لَهُ حَمْرَآءَ مِنْ آدَمٍ قَالَ فَخَرَجَ بِلَالٌ بِوَضُوْئِهِ فَمِنْ نَّآئِلٍ وَ نَاضِحٍ۔ (۲)

’’میں مکہ مکرمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت مقامِ ابطح میں سرخ چمڑے کے ایک خیمہ میں قیام فرما تھے، اس موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر باہر نکلے پس لوگوں نے اس پانی کو مل لیا کسی کو پانی مل گیا اور کسی نے اس پانی کو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب: اسْتِعْمَالِ فضلِ وَضُوءِ النَّاسِ، ۱: ۸۱، رقم: ۱۸۶
۲۔ ابن حبان الصحیح، ۱۱: ۲۲۱، رقم: ۴۸۷۲
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۲۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب: سُتْرَةِ الْمُصَلی، ۱: ۳۶۰، رقم: ۵۰۲
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۶: ۱۵۳، رقم: ۲۳۹۴
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳۹۵، رقم: ۱۷۱۸

چھڑک لیا۔‘‘

صحیح مسلم کے شارح امام نوویؒ اس حدیثِ مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ففيه التبرك بآثار الصالحين واستعمال فضل طهورهم وطعامهم وشرابهم ولباسهم۔(۱)

’’پس اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین، ان کے وضو سے بچے ہوئے پانی، ان کے بچے ہوئے کھانے اور استعمال شدہ ملبوسات سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

۴۔ دستِ اَقدس کی برکتیں

حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھ ہزاروں باطنی اور روحانی فیوض و برکات کے حامل تھے۔ جس کسی کو آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے مَس کیا اُس کی قسمت ہی بدل گئی۔ وہ ہاتھ کسی بیمار کو لگا تو نہ صرف یہ کہ وہ تندرست و شفایاب ہوگیا بلکہ اس خیر وبرکت کی تاثیر تادمِ آخر وہ اپنے قلب و روح میں محسوس کرتا رہا۔ کسی کے سینے کو یہ ہاتھ لگا تو اُسے علم وحکمت کے خزانوں سے مالا مال کردیا۔ بکری کے خشک تھنوں میں اُس دستِ اقدس کی برکت اُتری تو وہ عمر بھر دودھ دیتی رہی۔ توشہ دان میں موجود گنتی کی چند کھجوروں کو اُن ہاتھوں نے مَس کیا تو اُس سے سالوں تک منوں کے حساب سے کھانے والوں نے کھجوریں کھائیں مگر پھر بھی اُس ذخیرہ میں کمی نہ آئی۔ بقول اعلیٰ حضرتؒ:

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

اُن ہاتھوں کی فیض رسانی سے تہی دست و بے نوا، دوجہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہوگئے۔ صحابہ کرام ﷺ نے اپنی زندگیوں میں بارہا ان مبارک ہاتھوں کی خیر و برکت کا

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۴: ۲۱۹

مشاہدہ کیا۔ وہ خود بھی اُن سے فیض حاصل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی فیض یاب کرتے رہے۔ اس حوالے سے متعدد روایات مروی ہیں ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جا تا ہے:

دستِ مصطفیٰ ﷺ سے برکت کا حصول۔ اہلِ مدینہ کا معمول

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ، فَمَا يُؤْتَى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيْهَا، فَرُبَّمَا جَاءُوْهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيْهَا. (۱)

''رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو خدّامِ مدینہ پانی سے بھرے ہوئے اپنے اپنے برتن لے آتے۔ آپ ﷺ ہر برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو دیتے۔ بسا اوقات سرد موسم کی صبح بھی ایسا ہی ہوتا اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ ٹھنڈے پانی والے برتنوں میں بھی ڈبو دیتے۔''

امام مسلم اس حدیث کو جس باب کے تحت لائے ہیں وہ ایمان افروز ہے جس سے ان کے اہلِ سنت و جماعت کے عقیدۂ راسخہ کا پتہ چلتا ہے:

باب قُرْبِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ النَّاسِ وَ تَبَرُّكِهِم بِهِ. (۲)

''لوگوں کا حضور نبی اکرم ﷺ سے قرب اور برکت حاصل کرنا۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب: قرب النبي ﷺ من الناس وتبرکھم بہ، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۴
۲۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۳۸۰، رقم: ۱۲۷۴
۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۵۴، رقم: ۱۴۲۹

(۲) مسلم، الصحیح، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۴

اس حدیث کے تحت امام نووی لکھتے ہیں:

وفيه التّبرّك بآثار الصّالحين وبيان ما كانت الصّحابة عليه من التّبرّك بآثاره ﷺ وتبرّكهم بإدخال يده الكريمة في الآنية۔(۱)

''اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین سے تبرک کا بیان ہے اور اس چیز کا بیان کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرتے تھے۔ مزید آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو برتن میں ڈبو کر اس سے تبرک کا بیان ہے۔''

۵۔ قدمین شریفین کی برکات

جس پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام قدم مبارک رکھ کر کعبہ تعمیر کرتے رہے وہ آج بھی صحنِ کعبہ میں مقامِ ابراہیم کے اندر محفوظ ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے لگنے سے وہ پتھر نرم ہوگیا اور اُن قدموں کے نقوش اُس پر ثبت ہو گئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے مبارک قدموں کو بھی یہ معجزہ عطا فرمایا کہ اُن کی وجہ سے پتھر نرم ہو جاتے۔ آپ ﷺ کے قدومِ مبارک کے نشان بعض پتھروں پر آج تک محفوظ ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے قدمین شریفین بڑے ہی بابرکت اور منبعِ فیوضات و برکات تھے۔ آپ ﷺ کے قدم مبارک اگر کسی سست رفتار کمزور جانور کو لگ جاتے تو وہ تیز رفتار ہو جاتا۔ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر حضور ﷺ کے مبارک قدموں کی برکت سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اُونٹ تیز رفتار ہو گیا تھا۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وَدَعَا لَهُ، فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ۔(۲)

---

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۵: ۸۲

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۲۹۹

''پس آپ ﷺ نے اپنے پائے مبارک سے اُسے ٹھوکر لگائی اور ساتھ ہی دُعا فرمائی، سو وہ اتنا تیز رفتار ہوا کہ پہلے کبھی نہ تھا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے فیوض و برکات بالخصوص آپ ﷺ کی عطا سے جو فائدہ ملتا اسے خاص الفاظ برکت کے ساتھ منسوب کرتے ہوئے کبھی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں یہ بات نہ آتی تھی کہ برکت عطا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ معاذ اللہ کہیں خلافِ توحید نہیں بلکہ اپنے قول وعمل سے اس چیز کا برملا اظہار ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کی برکت سے فلاں فائدہ ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے جب حضور ﷺ نے دوبارہ اپنے اس صحابی سے اونٹ کے بارے میں دریافت کیا کہ اب تیرے اُونٹ کا کیا حال ہے تو اُنہوں نے عرض کیا:

بِخَيْرٍ قَدْ أَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ ۔(۱)

''بالکل ٹھیک ہے، اُسے آپ صلی اللہ علیک وسلم کی برکت حاصل ہوگئی ہے۔''

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساقاة، باب: بیع البعیر واستثناء رکوبه، ۳: ۱۲۲۱، رقم: ۷۱۵

۳۔ نسائی، السنن، کتاب البیوع، باب: البیع یکون فیه الشرطُ فَیَصِحُّ البیعُ والشرطُ، ۷:۲۹۷، رقم: ۴۶۳۷

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب: استئذان الرجل الإمام، ۳: ۱۰۸۳، رقم: ۲۸۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساقاة، باب: بیع البعیر واستثناء رکوبه، ۳: ۱۲۲۱، رقم: ۷۱۵

۳۔ أبوعوانه، المسند، ۳: ۲۴۹، رقم: ۴۸۴۳

۶۔ موئے مبارک سے حصولِ برکت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات کو حاصل کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے تھے۔ جس چیز کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہو جاتی اسے وہ دنیا و مافیہا سے عزیز تر جانتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ شعور بیدار کر دیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار و تبرکات کو محفوظ رکھتے اور ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک، وضو کے مبارک پانی، لعابِ دہن، پسینہ مبارک سے اور جن جن چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مس کیا ہوتا ان سے برکت حاصل کرتے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَتَى مِنًى فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَ نَحَرَ ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ خُذْ. وَ أَشَارَ إِلَى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ ثُمَّ جَعَلَ يُعْطِيهِ النَّاسَ۔(۱)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرہ عقبہ پر گئے اور وہاں کنکریاں ماریں، پھر منی میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے وہاں قربانی کی اور حجام سے سر مونڈنے کو کہا اور اسی کو دائیں جانب کی طرف اشارہ کیا پھر بائیں جانب اشارہ کیا پھر اپنے مبارک بال لوگوں کو عطا فرمائے۔‘‘

علامہ شوکانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب: بیان أن السنۃ یوم النحر، ۲: ۹۴۷، رقم: ۱۳۰۵

قوله ثم جعل يعطيه للناس فيه مشروعية التّبرّك بشعر أهل الفضل ونحوه۔[1]

’’اس روایت میں صاحبِ فضل شخصیات کے بال اور اس طرح ان کی دیگر اشیاء سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لَمَّا رَمَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْجَمْرَةَ وَنَحَرَ نُسُكَهُ وَحَلَقَ، نَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ، ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ، ثُمَّ نَاوَلَهُ الشِّقَّ الْأَيْسَرَ، فَقَالَ: احْلِقْ. فَحَلَقَهُ، فَأَعْطَاهُ أَبَاطَلْحَةَ، فَقَالَ: اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ۔[2]

’’جب حضور نبی اکرم ﷺ نے مقامِ جمرہ پر کنکریاں ماریں اور اپنی قربانی کر لی تو آپ ﷺ نے سرِ انور کا دایاں حصہ حجام کے سامنے کر دیا سو اس نے بال مبارک مونڈ دیئے پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو وہ موئے مبارک عطا کئے، اِس کے بعد حجام کے سامنے بائیں جانب کی اور فرمایا:

---

(۱) ۱۔ شوکانی، نيل الأوطار، ۵، ۱۲۸

۲۔ شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود، ۵: ۳۱۷

(۲) ۱۔ مسلم الصحيح، كتاب الحج، باب: بيان أن السنة يوم النحر أن يرمى ثم ينحر ثم يحلق، ۲:۹۴۸، رقم: ۱۳۰۵

۲۔ ترمذی، السنن، كتاب الحج عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء بأي جانب الرأس يبدأ في الحلق، ۳:۲۵۵، رقم: ۹۱۲

۳۔ أبوداؤد، السنن، كتاب المناسك، باب: الحلق والتقصير، ۲:۲۰۳، رقم: ۱۹۸۱

یہ بھی مونڈو، اس نے ادھر کے بال مبارک بھی مونڈ دیئے، آپ ﷺ نے وہ بھی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا کئے اور فرمایا: یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔‘‘

امام ابنِ حجر عسقلانی نے اسی حدیث کو فتح الباری شرح صحیح البخاری میں بحوالہ مسلم ذکر کرکے لکھا ہے: وفيه التبرك بشعره ﷺ (اس حدیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ کے موئے مبارک سے تبرک کا ثبوت ہے)۔(۱)

۷۔ مبارک لعابِ دہن سے حصولِ برکت

مستند احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ بیماروں کو دم فرماتے وقت اپنا مبارک لعابِ دہن اپنی انگشتِ شہادت سے زمین پر ملتے اور اسے منجمد کر کے بیمار شخص کی تکلیف کی جگہ پر ملتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی شفایابی کی دعا فرماتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کسی انسان کو تکلیف ہوتی یا کوئی زخم ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ اپنا لعابِ دہن مٹی کے ساتھ ملا کر لگاتے اور اس کی شفایابی کے لئے یہ مبارک الفاظ دہراتے:

بِسمِ اللهِ! تُرْبَةُ أَرضِنَا، بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا، يُشفَى سَقِيْمُنا بِإِذْنِ رَبِّنَا(۲)

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۲۷۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الطب، باب: رقية النبي ﷺ، ۵: ۲۱۶۸، رقم: ۵۴۱۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب السلام، باب: استحباب الرقية من العين، ۴: ۱۷۲۴، رقم: ۲۱۹۴

۳۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الطب، باب: كيف الرقى، ۴: ۱۲، رقم: ۳۸۹۵

''اللہ کے نام سے شفا طلب کر رہا ہوں، ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے بعض کا لعاب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارے مریض کو شفا دیتا ہے۔''

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وانّما هذا من باب التّبرّك بأسماء الله تعالى وآثار رسوله ﷺ۔(۱)

''بیشک اس حدیث کا تعلق ان احادیثِ مبارکہ سے ہے جس میں اسماءِ الٰہی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار سے تبرک ثابت ہے۔''

امام ابنِ حجر عسقلانی نے اس حدیث کی تشریح میں یہ بھی لکھا ہے:

ثم أن الرقي والعزائم لها آثار عجيبة تتقاعد العقول۔(۲)

''اور بیشک دم اور اسماءِ مبارکہ کے اثرات اس قدر حیران کن ہیں جن کی حقیقت سے عقل ماؤف ہو جاتی ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو حضور ﷺ سے گھٹی دلواتے

مستند ترین کتبِ احادیث میں یہ مثالیں بھی بکثرت ہیں کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے گھٹی دلوانے اور اس کا نام رکھوانے کے لیے بارگاہِ رحمۃ للعالمین ﷺ میں حاضر ہوتے۔ آپ ﷺ اس نومولود کے منہ میں اپنا مبارک لعابِ دہن ڈالتے اور یوں اس بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچتی وہ تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کا مبارک لعابِ دہن ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ذَهَبْتُ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حِيْنَ وُلِدَ، وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي عَبَاءَةٍ يَهْنَأُ بَعِيْرًا لَهُ فَقَالَ: هَلْ مَعَكَ

(۱) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱۰: ۲۰۸

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۲۰۸

تَمْرٌ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَنَاوَلْتُهُ تَمَرَاتٍ، فَأَلْقَاهُنَّ فِي فِيْهِ فَـلَاكَهُنَّ، ثُمَّ فَغَرَفَا الصَّبِيِّ فَمَجَّهُ فِي فِيْهِ، فَجَعَلَ الصَّبِيُّ يَتَلَمَّظُهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: حُبُّ الْأَنْصَارِ التَّمْرَ. وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ۔(۱)

''جب حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو میں ان کو لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک چادر اوڑھے اپنے اونٹ کو روغن مل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر میں نے کچھ کھجوریں آپ ﷺ کو پیش کیں، آپ ﷺ نے انہیں اپنے منہ میں ڈال کر چبایا۔ پھر آپ ﷺ نے بچے کا منہ کھول کر اسے بچے کے منہ میں ڈال دیا تو بچہ اسے چوسنے لگا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصار کو کھجوروں سے محبت ہے۔ اور آپ ﷺ اس بچے کا نام عبد اللہ رکھا۔''

مذکورہ احادیث کے لیے امام مسلم نے عنوان باندھا ہے: بَابُ اسْتِحْبَابِ تَحْنِيْكِ الْمَوْلُوْدِ عِنْدَ وِلَادَتِهِ وَحَمْلِهِ إِلَى صَالِحٍ يُحَنِّكُهُ یعنی ''بچے کو پیدائش کے وقت گھٹی دینے اور کسی صالح شخص کے پاس لے جا کر گھٹی دلوانے کا بیان۔'' باب کے اس عنوان سے امام مسلم کا صحیح عقیدہ اور نظریہ معلوم ہو گیا کہ وہ صالحین سے تبرک کے قائل

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأداب، باب: استحباب تحنيك للولود عند ولادته وحمله إلى صالح يحنّكه، ۳: ۱۶۸۹، رقم: ۲۱۴۴
۲۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الأدب، باب: فى تفسير الأسماء، ۴: ۲۸۸، رقم: ۴۹۵۱
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۵، ۲۱۲، ۲۸۷، رقم: ۱۲۸۱۲، ۱۳۲۳۳، ۱۴۰۹۷

ہیں کیونکہ اس عنوان کے تحت اصلاً تو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث لا رہے ہیں۔ مگر جب عنوان قائم کیا تو عمومی رکھا اور صحیح عقیدے کی وضاحت بھی کر دی شارحینِ حدیث نے بھی اس حدیث سے آثارِ صالحین سے تبرک کا جواز ثابت کیا ہے۔

شارح مسلم امام نوویؒ اس حدیثِ مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

وفی هذا الحديث فوائد، منها: تحنيك المولود عند ولادته وهو سنة بالاجماع كما سبق. ومنها: أن يحنّكه صالح من رجل أو امرأة، ومنها التبرّك بآثار الصالحين وريقهم وكل شیء منهم۔(۱)

’’اس حدیث سے کئی فوائد اخذ ہوتے ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ نومولود بچے کو ولادت کے بعد گھٹی دی جائے اور یہ مسئلہ اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کسی صالح مرد یا خاتون سے اس نومولود کو گھٹی دلوانی چاہیے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آثارِ صالحین، ان کے لعاب اور ان سے منسوب ہر چیز سے تبرک حاصل کرنا ثابت اور جائز ہے۔‘‘

۸۔ پسینہ مبارک سے حصولِ برکت

حضور نبی اکرم ﷺ کے جسدِ اطہر سے ہمیشہ پاکیزہ خوشبو آتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خوشبو کو مشک وعنبر اور پھول کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔ وہ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے اور شادی بیاہ کے موقع پر اپنی بیٹیوں کے لئے آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو حاصل کرتے، اس سے برکت کی امید رکھتے اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس متاعِ عزیز کو سنبھال کر رکھتے۔

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۴: ۱۲۴

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور وہیں آرام فرمایا۔ جب وہ باہر سے آئیں تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسینہ مبارک آیا ہوا ہے جو چمڑے کے بستر پر جمع ہو گیا ہے۔ حضرت اُمّ سُلیم پسینہ مبارک پونچھ پونچھ کر ایک بوتل میں جمع کرنے لگیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَفَزِعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: مَا تَصْنَعِيْنَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ؟ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! نَرْجُو بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا، قَالَ: أَصَبْتِ۔(1)

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک اٹھ بیٹھے اور فرمایا: اے اُمّ سُلیم! کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم اس سے اپنے بچوں کے لئے برکت حاصل کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو نے ٹھیک کیا ہے۔''

امام مسلم نے ان روایات کو جمع کرکے باب کا عنوان ہی باب **طِيْبِ عَرَقِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالتَّبَرُّكِ بِهِ** (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پسینہ کی خوشبو اور اس سے تبرک) قائم کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تبرک کے باب میں ان کا عقیدہ وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام کا تھا۔

۹۔ مبارک ملبوساتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حصولِ برکت

۱۔ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا وصال فرما گئیں تو

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب: طيب عرق النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، والتبرك به، ۴: ۱۸۱۵، رقم: ۲۳۳۱
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۲۱، رقم: (۱۳۳۴، ۱۳۳۹)

آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

اغْسِلْنَهَا ثَـلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَآءٍ وَ سِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِي فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَأَعْطَانَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ تَعْنِي إِزَارَهُ۔(۱)

''اس کو تین یا پانچ دفعہ یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بار بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو اور آخر میں کچھ کافور رکھ دینا۔ جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا۔ (وہ فرماتی ہیں) جب ہم فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ پس آپ ﷺ نے اپنی مبارک چادر عنایت فرمائی اور فرمایا: اس کو کفن کے نیچے پہنانا۔''

اس حدیثِ مبارکہ کو بھی ائمۂ حدیث نے تبرک بالصالحین کی بنیاد قرار دیا ہے۔

(۱) امام ابنِ حجر عسقلانی اس حدیث کو تبرکِ صالحین کی بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو أصل في التّبرّك بآثار الصّالحين ۔(۲)

''یہ حدیث آثارِ صالحین سے تبرک کے ثبوت میں اصل ہے۔''

(۲) شارحِ ''صحیح مسلم'' امام نووی نے بھی اس حدیث سے تبرک کا استنباط کیا ہے،

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب: غسل المیت و وضوءہ بالماء والسدر، ۱: ۴۲۲، رقم: ۱۱۹۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب: نہی النساء عن اتباع الجنائز، ۲: ۶۴۶، رقم: ۹۳۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۱۲۹، ۱۳۰

وہ فرماتے ہیں:

ففيه التّبرّك بآثار الصّالحين ولباسهم ۔(۱)

''اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین اور ان کے استعمال شدہ کپڑوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔''

(۳) علامہ شوکانی نے بھی ابنِ حجر عسقلانی کے اِستنباط پر اعتماد کرتے ہوئے انہی کے الفاظ - کہ **وهو أصل فی التّبرّك بآثار الصّالحين** (۲) - کو نقل کیا ہے۔

۲۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک چادر پیش کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ زیب تن فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیك وسلم! کتنی حسین چادر ہے، مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عنایت فرمائی۔ حاضرین میں سے بعض نے اس کو اچھا نہیں سمجھا اور چادر مانگنے والے کو ملامت کی کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سائل کو واپس نہیں لوٹاتے تو تم نے یہ چادر کیوں مانگی؟ اس شخص نے جواب دیا:

إِنِّی وَاللهِ مَاسَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهَا، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُوْنَ كَفَنِي. قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ۔ (۳)

---

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۷: ۳

(۲) شوکانی، نیل الأوطار، ۴: ۶۴

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب: من استعد الكفن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم ينكر عليه، ۱: ۴۲۹، رقم: ۱۲۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اللباس، باب: لباس رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۲: ۱۱۷۷، رقم: ۳۵۵۵

←

''خدا کی قسم میں نے یہ چادر اس لئے نہیں مانگی کہ اسے پہنوں۔ میں نے (تو اس کی برکت کی امید سے) اس لئے مانگی ہے کہ یہ مبارک چادر میرا کفن ہو۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ یہ مبارک چادر بعد میں ان کا کفن بنی۔''

اس خوش بخت صحابی رضی اللہ عنہ کو ان کی خواہش کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک چادر میں کفن دے کر دفنایا گیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس حدیث کے فوائد میں یہ بھی لکھا ہے:

فيه التّبرّك بآثار الصّالحين ۔(۱)

''اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔''

۳۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ - جو جاںنثار صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے - نے عرض کیا:

أَعْطِنِي قَمِيْصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَمِيْصَهُ ۔(۲)

''مجھے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائیے تاکہ میں اپنے باپ کو اِس میں کفناؤں اور

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۶

اسی روایت کو امام بخاری نے ''الصحیح'' کی کتاب البیوع (رقم: ۱۹۸۷)، کتاب اللباس (رقم: ۵۴۷۳) اور کتاب الأدب (رقم: ۵۶۸۹) میں بھی بیان کیا ہے۔

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۱۴۴

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الکفن فی القمیص، ۱: ۴۲۷، رقم: ۱۲۱۰

آپ ﷺ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور اُس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے اُسے اپنی قمیص عطا فرما دی۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا عرض کرنا اور آپ ﷺ کا اپنے اس سچے صحابی کی دلجوئی کے لئے ان کے منافق باپ کو اپنی قمیص عطا فرمانا، تبرک کے ثبوت کے لئے اصل ہے، علامہ اسماعیلی نے اس روایت سے یہی استنباط کیا ہے اور امام ابنِ حجر عسقلانی نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے شرح بخاری میں اسے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واستنبط منه الإسماعيلی جواز طلب آثار أهل الخير منهم للتبرك بها وإن كان السائل غنيًا ۔(۱)

’’علامہ اسماعیلی نے اس روایت سے صالحین سے ان کے آثار کو برائے تبرک طلب کرنے کا جواز اخذ کیا ہے خواہ مانگنے والا مالدار کیوں نہ ہو۔‘‘

۱۰۔ مسواک مبارک سے حصولِ برکت

کتبِ صحاح میں سے سنن أبو داؤد اور دیگر کتبِ احادیث میں مسواک دھونے کے حوالے سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ يَسْتَاكُ فَيُعْطِيْنِي السِّوَاكَ لِاَغْسِلَهُ فَأَبْدَأُ بِهِ فَأَسْتَاكُ ثُمَّ أَغْسِلُهُ وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ۔(۲)

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۱۳۹

(۲) ۱۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الطهارة، باب غسل السواك، ۱: ۱۴، رقم: ۵۲

۲۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱: ۳۹، رقم: ۱۶۸

’’حضور نبی اکرم ﷺ مسواک کیا کرتے تھے سو آپ ﷺ مجھے مسواک دھونے کے لئے عنایت فرماتے تو میں دھونے سے پہلے اسی سے (تبرکاً) مسواک کرتی پھر اسے دھوکر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتی۔‘‘

اس روایت میں بھی تبرک کا واضح ثبوت ہے۔ شارحینِ حدیث نے مذکورہ روایت کی شرح میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل حصولِ برکت کے لئے تھا۔

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَأَبْدَأُ بِهِ: أی باستعماله فی فمي قبل الغسل ليصل برکة رسول الله ﷺ إليّ. والحديث فيه ثبوت التبرك بآثار الصالحين۔[1]

’’فَأَبْدَأُ بِهِ کا معنی یہ ہے کہ میں دھونے سے پہلے اسے استعمال کرتی تاکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی برکت مجھے حاصل ہو۔ اس حدیث میں آثارِ صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

۱۱۔ نعلینِ اَقدس سے حصولِ برکت

اَسلاف نے حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کے نقشے کی بہت سی برکات بیان کی ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالے ’’نیل الشفاء‘‘ میں نقشہ نعلِ مبارک کے برکات اور خواص تفصیل سے درج کیے ہیں وہ خود اپنی تصنیف ’نشر الطیب‘ میں لکھتے ہیں:

’’جب صرف ان الفاظ میں جو آپ کے معنٰی و مدح کی صورت و مثال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو ان الفاظ پر دال ہیں اور اس ملبوس میں جو آپ کی نعال

(۱) عظیم آبادی، عون المعبود، ۱: ۵۲

ہیں اور پھر ان نقوش میں جو ان نعال کی تمثال ہیں (میں اس قدر برکت ہے) سو خود آپ ﷺ کی ذات مجمع الکمالات و اسماء جامع البرکات سے توسل حاصل کرنا اور اس کے وسیلے سے دعا کرنے سے کیا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

نامِ احمد ﷺ چوں چنیں یاری کند
تاکہ نورش چوں مددگاری کند
نام احمد ﷺ چوں حصارے شد حصین
تاچہ باشد ذاتِ آں رُوح الامین علیہ السلام(۱)

معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک لباس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ نہ صرف دنیا میں لوگ اس کے اثر سے فیض یاب ہوتے رہے بلکہ بعد از وفات بھی اس کی برکات سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہا ہے اور پہنچتا رہے گا۔

۱۲۔ مبارک مشکیزہ سے حصولِ برکت

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مبارک دہنِ مصطفیٰ ﷺ سے مس شدہ مشکیزہ کا منہ حصولِ خیر و برکت کے لئے کاٹ کر محفوظ کیا جیسا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عمرہ اپنی دادی حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا، وَ عِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ، فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِي بَرَكَةَ مَوْضِعَ فِي رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔(۲)

(۱) اشرف علی تھانوی، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ: ۳۰۰

(۲) ۱۔ابن ماجه، السنن، كتاب الأشربة، باب: الشرب قائماً، ۲: ۱۱۳۲، رقم: ۳۴۲۳

←

’’حضور نبی اکرم ﷺ اُن کے ہاں تشریف لائے تو وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا جس سے آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے پانی نوش فرما لیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے دہنِ اقدس والی جگہ سے مشکیزے کا منہ حصولِ برکت کے لیے کاٹ کر رکھ لیا۔‘‘

۲۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ کا معمول بیان فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ، وَ فِي الْبَيْتِ قِرْبَةٌ مَعَلَّقَةٌ، فَشَرِبَ مِنْ فِيْهَا وَ هُوَ قَائِمٌ، قَالَ: فَقَطَعَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَ الْقِرْبَةِ فَهُوَ عِنْدَنَا۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو ان کے گھر میں (پانی کا) ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس مشکیزہ سے کھڑے کھڑے پانی نوش فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلیم

.... ۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الأشربة، باب: ما جاء فی الرخصة فی ذلك، ۴: ۳۰۶، رقم: ۱۸۹۲

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۱۳۸، رقم: ۵۳۱۸

امام ابنِ ماجه کی روایت کی سند صحیح ہے، جب کہ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۹، رقم: ۱۲۲۰۹

۲۔ أیضاً، ۶: ۴۳۱، رقم: ۲۷۴۶۸

۳۔ ترمذی، الشمائل المحمدیة، باب: صفة شرب رسول اللہ ﷺ، ۱: ۱۷۷، رقم: ۲۱۵

رضی اللہ عنہا نے (تبرکاً) اس مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا۔ پس وہ (اب بھی) ہمارے پاس موجود ہے۔‘‘

ان دونوں صحابیات نے مشکیزے کے ٹکڑوں کو اس لئے محفوظ کیا کہ انہیں محبوبِ کائنات ﷺ کے مبارک لبوں نے مس کیا تھا جس سے یہ ٹکڑے عام ٹکڑوں سے ممتاز ہو گئے تھے یعنی محض دہنِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو سما جانے کے بعد یہ ہمیشہ کے لیے خیر و برکت کا باعث بن گئے۔

خلاصۂ بحث ...... اَہم علمی نکات

درجِ بالا بارہ موضوعات کے تحت کثیر احادیثِ مبارکہ سے درج ذیل اہم علمی اور اعتقادی نکات ثابت ہوئے:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کے آثارِ مبارک سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہا ہے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا، آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں آپ ﷺ کے سامنے ہوا جس سے آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا بلکہ برقرار رکھا لہٰذا تبرک کے مشروع ہونے پر یہ ساری احادیث دلائلِ قاطعہ ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز اور مشروع نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے منع فرماتے اور اس سے روک دیتے لیکن آپ ﷺ سے ایسا کوئی بھی قول یا فعل صادر نہیں ہوا جیسا کہ اخبارِ صحیحہ اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جواز ثابت ہوا ہے۔

۳۔ یہ تمام رِوایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قوتِ ایمان اور حضور ﷺ سے ان کی شدید محبت، قربت، معیت، اطاعت اور متابعت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ موجودہ

دور میں بھی جس شخص کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا شدید حبّی اور قلبی تعلق ہوگا وہی آپ ﷺ کے آثارِ مبارکہ کی تعظیم بجا لائے گا اور ان سے فیض یاب ہوگا۔

۴۔ ان تمام احادیث کی شرح اور توضیح کرتے ہوئے جلیل القدر ائمہ حدیث امام مسلم، امام ابنِ عبدالبر، امام نووی، حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ تعالی نے اولیاء اور صالحین سے تبرک وحصولِ برکت کرنے کا جواز ثابت کیا ہے جو سلف صالحین کے تبرک پر عقیدہ صحیحہ کی غماز ہے۔

فصل سوُم

بعد اَز وصال آثارِ رسول اللہ ﷺ سے تبرک کا ثبوت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ جس چیز کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہو جاتی وہ اسے دنیا و ما فیہا سے عزیز تر جانتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے عمل کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ شعور بیدار ہو گیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار و تبرکات کو محفوظ رکھتے، ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اَدوار کے بعد نسل در نسل ہر زمانے میں اکابر ائمہ و مشائخ اور علماء و محدّثین کے علاوہ خلفاء و سلاطین بھی تبرکات و آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصی اہتمام کے ساتھ بڑے ادب و احترام سے محفوظ رکھتے اور اُن سے فیوض و برکات حاصل کرتے۔ خاص ایام پر بہت اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی زیارت کرائی جاتی، ان سے تبرک حاصل کیا جاتا، اور ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ ذیل میں اسی حوالے سے صحابہ و تابعین اور ائمہ کے معمولات و مشاہدات کا ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبرک کا معمول

ہر صحابئ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش ہوتی کہ ہر اس چیز سے نسبت جوڑی جائے جس کا کسی نہ کسی طرح آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رہا ہو۔ ائمۂ حدیث نے اس حوالے سے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے کہ وہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں کو اپناتے تھے۔ انہیں تو بس اتنی سی بات معلوم ہونے کی دیر ہوتی کہ یہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک عمل ہے پھر وہ عمر بھر یہی عمل بار بار دہراتے۔ حضور نبی

اکرم ﷺ مقامِ ذو الحلیفہ میں بجریلی زمین پر اپنا اونٹ بٹھاتے اور نماز ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی تبرکاً یہی دو عمل اپنا معمول بنا لیے۔

۱۔ حضرت نافع سے ’’صحیح مسلم‘‘ میں روایت ہے:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يُنِيْخُ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ الَّتِي كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُنِيْخُ بِهَا وَيُصَلِّي بِهَا.(۱)

’’حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ذوالحلیفہ کی اس کنکریلی زمین پر اپنا اونٹ بٹھاتے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ اپنا اونٹ بٹھاتے تھے اور اسی جگہ نماز پڑھتے تھے (جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی)۔‘‘

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال القاضی والنزول بالبطحاء بذی الحليفة فی رجوع الحاج ليس من مناسك الحج وإنما فعله من فعله من أهل المدينة تبرّكاً بآثار النبيﷺ ولأنها بطحاء مباركة.(۲)

’’قاضی نے کہا: حاجیوں کا ذو الحلیفہ پر ٹھہرنا مناسکِ حج میں سے نہیں یہ بعض اہلِ مدینہ کا عمل ہے جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار مبارک سے تبرک حاصل کرتے ہوئے کیا کیونکہ یہ مبارک وادی ہے۔‘‘

۲۔ حضرت محمد بن عمران انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمَرَ وَأَنَا نَازِلٌ تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ فَقَالَ:

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب: استحباب نزول ببطحاء ذي الحليفة والصلاة بها......، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۳۴۷

(۲) نووی، شرح صحيح مسلم، ۹: ۱۱۵

مَا أَنْزَلَكَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَقُلْتُ أَنْزَلَنِي ظِلُّهَا قَالَ عَبْدُاللهِ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا كُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مِنًي وَنَفَخَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فَإِنَّ هُنَاكَ وَادِيًا يُقَالُ لَه السُّرَّبَةُ وَفِي حَدِيْثِ الْحَارِثِ يُقَالُ لَهُ السُّرَرُ، بِهِ سَرْحَةٌ سُرَّ تَحْتَهَا سَبْعُوْنَ نَبِيًّا۔ (۱)

''میں مکۃ المکرّمہ کے راستے میں ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہرا ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: آپ اس درخت کے نیچے کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اس کے سایہ کی وجہ سے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آپ منیٰ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان ہوں اور آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا، وہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جس کو سُرَّبَہ یا سُرَرْ کہتے ہیں وہاں ایک درخت ہے جس کے نیچے ستر انبیاء علیہم السلام کی ناف کاٹی گئی (یعنی وہاں ان کی ولادت باسعادت ہوئی)۔''

(۱) امام ابنِ عبدالبر نے ''الموطا'' کی شرح ''التمهيد (۱۳: ٦٧)'' میں مذکورہ حدیث کے تحت لکھا ہے:

وفی هذا الحديث دليل على التّبرّك بمواضع الأنبياء والصّالحين ومقاماتهم ومساكنهم۔

''اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے رہنے والی جگہوں، مقامات اور

---

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، كتاب مناسب الحج، باب: ما ذكر فی منی، ۵:۲۴۸، رقم: ۲۹۹۵

۲۔ مالك، الموطأ، ۱:۴۲۳، رقم: ۹۴۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۱۳۸، رقم: ۶۲۳۲

ان کی رہائش گاہوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

(۲) امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

وفيه التّبرّك بمواضع النبيّين ۔ (۱)

’’پس اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے قیام گاہوں سے تبرک کا ثبوت بھی ہے۔‘‘

(۳) امام سیوطی نے ’’سنن نسائی‘‘ کی شرح میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

يعني أنهم ولدوا تحتها فهو يصف بركتها (۲)

’’اس سے مراد یہ ہے کہ اس درخت کے نیچے انبیاء علیہم السلام کی ولادتِ مبارکہ ہوئی پس انہوں نے اس درخت کی برکت کو بیان کیا۔‘‘

۳۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيْقِ فَيُصَلِّي فِيْهَا وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيْهَا وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ ۔ (۳)

’’میں نے حضرت سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (حرمین کے) راستے میں کچھ جگہوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور وجہ یہ بیان کرتے تھے

(۱) زرقانی، شرح الزرقانی، ۲: ۵۳۰

(۲) سیوطی، شرح السیوطی، ۵: ۲۴۹

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاة، باب: المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ، ۱: ۱۸۳، رقم: ۴۶۹

کہ ان کے والدِ گرامی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) ان مقامات میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔‘‘

اس روایت میں اماکنِ مقدسہ سے تبرک کا ثبوت ہے۔ شارحِ ’’صحیح بخاری‘‘ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

ومحصل ذلك أن ابن عمر كان يتبرّك بتلك الأماكن ۔(۱)

’’اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اِن اماکنِ مقدسہ سے تبرک حاصل کرتے تھے۔‘‘

۲۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کے کمبل سے تبرک

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ کمبل محفوظ تھا جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال مبارک ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حسبِ خواہش اس کی زیارت کرایا کرتی تھیں۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا كِسَاءً مُلَبَّدًا وَقَالَتْ: فِي هَذَا نُزِعَ رُوْحُ النَّبِيِ ﷺ۔(۲)

’’حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک موٹا کمبل نکال کر ہمیں دکھایا اور فرمایا: حضور ﷺ کا وصال مبارک اس مبارک کمبل میں ہوا تھا۔‘‘

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۵۶۹

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الخمس، باب: ما ذکر عن درع النبی ﷺ، ۳: ۱۱۳۱، رقم: ۲۹۴۱

امام بخاریؒ کا عقیدہ

امام بخاریؒ، صحیح بخاری میں ''کتاب الخمس'' کے جس باب کے تحت مذکورہ بالا حدیث لائے ہیں۔ اس کا عنوان قائم کر کے انہوں نے لفظِ تبرک استعمال کیا ہے:

بَابُ مَا ذُكِرَ مِنْ دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَصَاهُ وَسَيْفِهِ وَقَدَحِهِ وَخَاتَمِهِ وَمَا اسْتَعْمَلَ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ مِنْ ذَلِكَ مِمَّا لَمْ يُذْكَرْ قِسْمَتُهُ وَمِنْ شَعَرِهِ وَنَعْلِهِ وَآنِيَتِهِ مِمَّا يَتَبَرَّكُ بِهِ أَصْحَابُهُ وَغَيْرُهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ ﷺ۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات مثلاً زرہ، عصا، تلوار، پیالہ اور انگوٹھی اور ان میں سے جن چیزوں کو حضور ﷺ کے بعد خلفاء نے استعمال کیا جنہیں تقسیم نہیں کیا گیا، اور حضور ﷺ کے موئے مبارک اور نعل مبارک اور برتن کا بیان جن سے حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر لوگ برکت حاصل کرتے تھے۔''

امام بخاری کا اس عنوان سے باب باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی استعمال کردہ مقدس اشیاء سے حصولِ برکت خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

۳۔ موئے رسول ﷺ کی تبرکاً حفاظت کا اہتمام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کو تبرکاً حاصل کیا بعد میں خصوصی اہتمام کے ساتھ انہیں محفوظ کیا اور نسلاً بعد نسلٍ اُمت میں موئے مبارک محفوظ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب فرض الخمس، باب: ۵

چلے آ رہے ہیں۔ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب ﷺ بیان کرتے ہیں:

أَرْسَلَنِي أَهْلِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ، وَقَبَضَ إِسْرَائِيْلُ ثَـلَاثَ أَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ فِيْهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَهُ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا۔(۱)

''مجھے میرے گھر والوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس (چاندی سے بنا ہوا) پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا۔ (اسرائیل نے تین انگلیاں پکڑ کر اس پیالے کی طرح بنائیں) جس میں نبی اکرم ﷺ کا موئے مبارک تھا، اور جب کبھی کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس (پانی کا) برتن بھیج دیتا۔ پس میں نے برتن میں جھانک کر دیکھا تو میں نے چند سرخ بال دیکھے۔''

حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والمراد أنه كان من اشتكى أرسل إناء إلى أم سلمة فتجعل فيه تلك الشعرات وتغسلها فيه وتعيده فيشربه صاحب الإناء أو يغتسل بِهِ استشفاء بها فتحصل له بركتها۔(۲)

''اس حدیثِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ کوئی برتن

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب اللباس، باب: ما يذكر في الشيب، ۵: ۲۲۱۰، رقم: ۵۵۵۷

۲۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۱۷۳، رقم: ۱۴۵

۳۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۶: ۲۱

(۲) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱۰: ۳۵۳

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیجتا۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ان مبارک بالوں کو اس میں رکھ دیتیں اور اس میں بار بار دھوتیں، پھر وہ بیمار شخص اپنے اس برتن سے پانی پیتا یا مرض کی شفاء کے لئے غسل کرتا تو اسے اُن موئے مبارک کی برکت حاصل ہو جاتی (یعنی وہ شفایاب ہو جاتا)۔''

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

أنّ أم سلمة كان عندها شعرات من شعر النبي ﷺ حمر في شئ مثل الجلجل وكان الناس عند مرضهم يتبركون بها ويستشفون من بركتها۔ (1)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک چاندی کی بوتل میں تھے۔ جب لوگ بیمار ہوتے تو وہ ان بالوں سے تبرک حاصل کرتے اور ان کی برکت سے شفا پاتے۔''

(۱) موئے رسول ﷺ - دنیا کے جملہ خزانوں سے عزیز تر

اکابر ائمہ کرام موئے رسول ﷺ کی اس حد تک قدر و قیمت کرتے تھے کہ انہیں دنیا و مافیہا کے خزانوں سے بڑھ کر موئے رسول ﷺ سے محبت تھی۔

امام ابنِ سیرین بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ: عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ، أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ، أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ، فَقَالَ: لَأَنْ تَكُوْنَ عِنْدِي شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ

(۱) عینی، عمدة القاری، ۲۲: ۴۹

الدُّنيَا وَمَا فِيهَا۔(۱)

’’میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمارے پاس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند موئے مبارک ہیں جن کو ہم نے انس رضی اللہ عنہ یا ان کے اہلِ خانہ سے حاصل کیا ہے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مبارک بالوں میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہوتا تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا۔‘‘

ایک اور روایت میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَأَنْ يَكُوْنَ عِنْدِي مِنْهُ شَعَرَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ صَفْرَاءَ وَبَيْضَاءَ أَصْبَحَتْ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ وَفِي بَطْنِهَا۔(۲)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے ایک بال کا میرے پاس ہونا مجھے زمین کے تمام ظاہری اور پوشیدہ خزانوں، سونے اور چاندی کے حصول سے زیادہ محبوب ہے۔‘‘

(۲) وصال کے بعد موئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حصولِ برکت

حضرت ثابت بُنانی بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هَذِهِ شَعَرَةٌ مِنْ شَعَرِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَضَعْهَا تَحْتَ لِسَانِي، قَالَ:

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب: الماء الذی یغسل به شعر الإنسان، ۱: ۷۵، رقم: ۱۶۸
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۶۷، رقم: ۱۳۱۸۸
۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۲۰۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۵۶، رقم: ۱۳۷۱۰
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۴۲۷، رقم: ۴۰۳۲

فَوَضَعْتُهَا تَحْتَ لِسَانِهِ، فَدُفِنَ وَهِيَ تَحْتَ لِسَانِهِ۔[(۱)]

''یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ کا ایک بال مبارک ہے، پس تم اسے (تدفین کے وقت) میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ وہ کہتے ہیں: میں نے وہ بال مبارک آپ رضی اللہ عنہ کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور انہیں اس حال میں دفنایا گیا کہ وہ بال ان کی زبان کے نیچے تھا۔''

(۳) جنگ میں فتح کے لئے موئے مبارک کا وسیلہ

حضرت صفیہ بنتِ نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک تھے۔ ایک دفعہ دورانِ جہاد وہ ٹوپی گر پڑی وہ اس کو لینے کے لئے تیزی سے دوڑے جبکہ اس معرکے میں بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لم أفعلها بسبب القَلَنْسُوة، بل لما تضَمَّنَتْه من شَعرِه ﷺ لئلا أُسْلَب بركتها وتقع في أيدي المشركين۔[(۲)]

''میں نے صرف ٹوپی کے حاصل کرنے کیلئے اتنی تگ و دو نہیں کی تھی بلکہ اس لئے کہ اس ٹوپی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ کفار و مشرکین کے ہاتھ لگ جائے۔''

(۴) حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا نے جبۂ رسول ﷺ کو تبرکاً محفوظ رکھا

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت عبد اللہ سے

(۱) عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۱: ۱۲۷

(۲) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۲: ۶۱۹
۲۔ عینی، عمدة القاری، ۳: ۳۷

روایت ہے کہ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کسروانی طیلسان کا جبہ نکال کر دکھایا جس کے گریبان اور آستینوں پر ریشمی کپڑا لگا ہوا تھا۔ پس آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں:

هَذِهِ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى يُسْتَشْفَى بِهَا.(۱)

’’یہ مبارک جبّہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی وفات تک محفوظ رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو اسے میں نے لے لیا۔ یہی وہ مبارک جبّہ ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ زیبِ تن فرماتے تھے، سو ہم اسے دھوکر اس کا پانی (تبرکًا) بیماروں کو شفاء یابی کے لئے پلاتے ہیں۔‘‘

امام نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وفی هذا الحديث دليل على استحباب التبرك بآثار الصالحين وثيابهم.(۲)

’’اس حدیث میں آثارِ صالحین اور ان کے ملبوسات سے حصولِ تبرک کے جائز و پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے۔‘‘

۵۔ حضور ﷺ کے پیالہ سے تبرک

لبِ رسول ﷺ نے جس برتن کو مس کیا وہ بھی بڑا بابرکت ہو گیا۔ صحابہ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللباس والزينة، باب: تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال، ۳: ۱۶۴۱، رقم: ۲۰۶۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۴۷، رقم: ۲۶۹۸۷
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۴: ۹۸، رقم: ۲۶۴

(۲) نووی، شرح صحيح مسلم، ۱۴: ۴۴

کرام ﷺ ایسے برتنوں کو بطور تبرک اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور پانی پلانے کے لئے ایسے برتنوں کا استعمال باعثِ برکت و سعادت گردانتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو مجھے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ملے اور انہوں نے کہا:

اِنْطَلِقَ إِلَى الْمَنْزِلِ فَأَسْقِيَكَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ۔(۱)

''میرے ساتھ گھر چلیں میں آپ کو اس پیالہ میں پلاؤں گا جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے پیا ہے۔''

حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حضور علیہ السلام کا مبارک پیالہ محفوظ تھا بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وہ پیالہ ان سے مانگ لیا تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے وہ پیالہ ان کو دے دیا۔

(۱) حضور ﷺ کے پیالہ کی حفاظت کا خصوصی اہتمام

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا پیالہ بھی محفوظ تھا جس میں حضور ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا۔ سوئے اتفاق سے جب وہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس کی مرمت کا خصوصی اہتمام کیا۔

عاصم، امام ابنِ سیرین سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ قَدْحَ النَّبِيِّ ﷺ انْكَسَرَ فَاتَّخَذَ مَكَانَ الشَّعْبِ سِلْسَلَةً مِنْ فِضَّةٍ.

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب: ما ذکر النبی ﷺ وحض علی النفاق أهل العلم، ۶: ۲۶۷۳، رقم: ۶۹۱۰
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۳۴۹، رقم: ۱۰۷۰۸

قَالَ عَاصِمٌ: رَأَيْتُ الْقَدَحَ وَشَرِبْتُ فِيْهِ۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے (اسے جوڑنے کے لئے عام چیز کی بجائے) جوڑ پر چاندی کے تار لگا دیئے۔ عاصم (راوی) کہتے ہیں: خود میں نے اس پیالے کی زیارت کی ہے اور اس میں پیا ہے۔''

(۲) پیالۂ رسول ﷺ کے پانی سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا حصولِ برکت

حجاج بن حسان بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَدَعَا بِإِنَاءٍ وَفِيْهِ ثَلَاثُ ضِبَابِ حَدِيْدٍ وَحَلْقَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ، فَأُخْرِجَ مِنْ غِلَافٍ أَسْوَدَ وَهُوَ دُوْنَ الرُّبُعِ وَفَوْقَ نِصْفِ الرُّبُعِ، فَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَجُعِلَ لَنَا فِيهِ مَاءٌ فَأُتِيْنَا بِهِ فَشَرِبْنَا وَصَبَبْنَا عَلَى رُؤُوْسِنَا وَوُجُوْهِنَا وَصَلَّيْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ۔ (۲)

''ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ آپ نے ایک برتن منگوایا جس میں لوہے کے تین مضبوط دستے اور ایک چھلا تھا۔ اس برتن کو سیاہ غلاف سے نکالا گیا جو درمیانے سائز سے کم اور نصف چوتھائی سے زیادہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس میں ہمارے لیے پانی ڈال کر لایا گیا تو ہم نے پانی پیا اور

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الخمس، باب: ما ذکر من درع النبی ﷺ، ۳: ۱۱۳۱، رقم: ۲۹۴۲
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۸۷، رقم: ۸۰۵۰
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱: ۲۹، رقم: ۱۱۱۔۱۱۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۸۷، رقم: ۱۲۹۷۱
۲۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۵: ۲۱۶، رقم: ۱۸۴۵
۳۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۶: ۷

اپنے سروں اور چہروں پر ڈالا اور حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔‘‘

اس صحیح حدیثِ مبارکہ سے صحابہ کرام ﷺ کی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بعد از وصال گہری تعظیم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے درج ذیل پہلو نمایاں معلوم ہوئے:

۱۔ خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالک ﷺ نے حضور ﷺ سے مس کردہ مبارک برتن کو محفوظ رکھا۔

۲۔ اس مبارک برتن سے وہ دوسروں کو فیضِ رسول ﷺ سے مستفید کرتے۔

۳۔ تابعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی فیض حاصل کرنے کے لئے اُس مبارک برتن میں سے نہ صرف پیتے بلکہ اپنے سروں اور چہروں پر بھی ڈالتے۔

۴۔ اہم بات یہ کہ حصولِ برکت کے اس سہانے موقع پر تابعین حضور ﷺ کی بارگاہِ قدسیہ میں درود و سلام بھی پیش کرتے، یوں وہاں محفلِ درود بھی قائم ہوتی۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ اتنے اہتمام کرنے کے باوجود صحابہ کرام ﷺ اور تابعینِ عظام میں سے کبھی کسی نے ایک دوسرے پر شرک اور بدعت کا فتویٰ نہیں لگایا، کیونکہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی اس حقیقی تعلیم سے آشنا تھے کہ آثارِ رسول ﷺ سے بعد از وصال بھی برکت حاصل کرنا ہرگز بھی منافیٔ توحید اور شرک نہیں۔

۶۔ نعلینِ مبارک سے تبرک

جن پاپوش کو حضور نبی اکرم ﷺ کے پھولوں سے نرم و نازک تلووں نے مس کیا اور جنہیں آپ ﷺ کے مبارک قدمین شریفین سے نسبت ہوگئی وہ بھی بڑے بابرکت ہو گئے، صحابہ کرام ﷺ نے ان نعلینِ مبارک کو تبرکاً محفوظ رکھا اور ہمیشہ ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ نے اس کی تاج شاہی سے بڑھ کر تعظیم کی

کیونکہ حضور ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت اور آپ ﷺ سے منسوب اشیاء کی تعظیم و تکریم ہی ایک بندہ مؤمن کی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علماء متقدمین و متاخرین نے نعلینِ پاک کے متعلق متعدد کتب تالیف کی ہیں مثلاً:

۱۔ مولانا شہاب الدین احمد مقری نے ''**فتح المتعال فی مدح النعال**'' نامی کتاب لکھی۔

۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ''**نیل الشفاء بنعال المصطفٰی** ﷺ'' رسالہ لکھا جو کہ ان کی کتاب ''زاد السعید'' میں موجود ہے۔

۷۔ نقشِ نعلینِ مبارک سے حصولِ برکت

نقشِ نعلینِ مبارک کے حوالے سے امام ابنِ فہد مکی اور دیگر ائمہ کی ایک کثیر تعداد نے اپنا اپنا یہ تجربہ بیان کیا کہ یہ جس لشکر میں ہوگا وہ فتح یاب ہوگا۔ جس قافلے میں ہوگا وہ بحفاظت اپنی منزل پر پہنچے گا۔ جس کشتی میں ہوگا وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی، جس گھر میں ہوگا وہ جلنے سے محفوظ رہے گا، جس مال و متاع میں ہوگا، وہ چوری سے محفوظ رہے گا اور کسی بھی حاجت کے لئے صاحبِ نعلین (حضور نبی اکرم ﷺ) سے توسل کیا جائے تو وہ پوری ہو کر رہے گی اور اس توسل سے ہر تنگی فراخی میں تبدیل ہو گی۔

نقشِ نعلین پاک کی آزمائی ہوئی فوائد و برکات میں سے یہ بھی ہے کہ جو شخص اس کو حصولِ برکت کی نیت سے اپنے پاس محفوظ رکھے تو وہ شخص ظالم کے ظلم سے، دشمنوں کے غلبہ سے، شیاطین کے شر اور ہر حاسد کی نظرِ بد سے حفاظت میں رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی حاملہ عورت شدت دردِ زہ میں اس کو اپنے دائیں پہلو پر رکھے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و مشیت سے اس خاتون پر آسانی فرمائے گا۔ اس نقشِ مقدس کی برکتوں میں سے یہ بھی

ہے کہ اس کے ذریعہ نظرِ بد اور جادوٹونے سے آدمی امان میں رہتا ہے۔ برکاتِ نعلینِ پاک کے حوالے سے بہت سے واقعات کو امام مقری نے اپنی کتاب ''**فتح المتعال فی مدح النعال**'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ اَنور سے تبرک

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور پر تبرک اور توسل کے لئے حاضر ہونا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات سے ثابت ہے۔ حضرات شیخین کریمین کا قبرِ انور کے قرب میں دفن ہونے کی خواہش، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی لوگوں کو قبرِ انور پر حاضری کی تلقین، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت بلال اور حضرت ابوایوب انصاری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حاضری کے معمولات صحتِ روایات کے ساتھ ثابت ہیں۔

آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے اَدبی کی سزا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام واجباتِ ایمان میں سے ہے۔ ادب و احترام کا یہی تقاضا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سننِ مقدسہ، احادیثِ مبارکہ حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک کے باب میں بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ اس طرح اہلِ بیتِ اطہار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کی محبت و ادب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نسبت سے ضروری ہے۔ ایسے امور کے ملحوظ رکھنے سے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو بہت سی ظاہری و باطنی برکات سے نوازتا ہے۔ اس کے برعکس ان کی بے ادبی کرنے سے بہت سی آفات و بلیات نازل ہوتی ہیں جن کا عام لوگوں کو ادراک نہیں ہوتا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ ''الشفا'' میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن جَهْجَاهَا الغفَارِيَّ أَخَذَ قضيبَ النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من يد عثمان رضی اللہ عنہ،

وتناوله لِيكسِره على رُكبته، فصاح به الناسُ، فأخذته الأكِلَة في رُكبته فقطعها، وَمَاتَ قَبْلَ الْحَولِ.(۱)

''جَھجاھا غفاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کا عصا مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑنے کی (مذموم) کوشش کی۔ لوگوں نے شور مچا کر اسے روک دیا۔ پھر (اس کو اس بے ادبی کی غیبی سزا اس طرح ملی کہ) اس کے گھٹنے پر پھوڑا نکلا جو ناسور بن گیا جس کی وجہ سے اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور وہ ایک سال سے کم عرصہ میں مر گیا۔''

نوٹ: مزید تفصیلات کے لئے راقم کی کتاب ''تبرک کی شرعی حیثیت'' ملاحظہ کریں۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ تمام روایاتِ صحیحہ جو احادیثِ مبارکہ کی معتبر ترین کتب سے ماخوذ ہیں، اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظام اور ائمہ کبار حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد از وصال بھی آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے منسوب ہر شے کی اسی طرح بے حد تعظیم کی جس طرح وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں اِن کی تکریم کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو تبرکاتِ نبی ﷺ کی حفاظت کا اس قدر اہتمام فرماتے اس سے ان کا مقصد انہیں برائے نمائش محفوظ رکھنا نہیں تھا بلکہ وہ انہیں منبعِ فیوض و برکات اور دافعِ آفات و بلیات سمجھتے تھے۔ ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے۔ ان رِوایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابرینِ اُمت نے ان آثار و تبرکات سے نہ صرف یہ کہ فیوض و

(۱) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۲: ۶۲۱
۲۔ بخاری، التاریخ الصغیر، ۱: ۷۹، رقم: ۳۱۱
۳۔ عسقلانی، الاصابة فی تمییز الصحابة، ۱: ۵۱۹

برکات حاصل کئے بلکہ مقاصدِ جلیلہ بھی پورے کئے۔

جمہور صحابہ اور کثیر تابعین سے مروی مذکورہ روایات اور اِن پر ابنِ عبد البر، قاضی عیاض، نووی، ابنِ حجر عسقلانی، بدرالدین عینی، سیوطی، زرقانی اور دیگر اجل ائمہ کے تبصروں اور آراء سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اُن عظیم ہستیوں کے نزدیک انبیاءِ عظام اور صالحینِ کبار کے آثار سے اُن کی حیات میں اور بعد از وصال فیوض و برکات حاصل کرنا ہرگز بھی شرک کے دائرہ میں نہیں آتا۔

جو شخص بھی صحابہ، تابعین اور اکابرینِ امت کے اس عقیدہ صحیحہ کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت راہِ ضلالت پر چل رہا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝[1]

’’اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۝‘‘

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں صراطِ مستقیم پر استقامت سے چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

(1) النساء، 4: 115

فصل چہارُم

آثارِ اَولیاء و صالحین سے تبرک

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات میں اور بعد اَز وصال آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام کی سنت سے ثابت ہے جس پر پچھلے ابواب میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ یہ سلسلۂ تبرک صرف آقا علیہ السلام کی ذات تک محدود نہیں رہا بلکہ آپ ﷺ کی صحبت اور معیت سے فیض یاب ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر ان سے نسبتِ غلامی رکھنے والے تابعین الغرض آج تک آپ ﷺ کی امت میں جتنے اکابر اولیاء، صالحین، محدّثین، فقہاء، مفسرین گزرے ہیں اُن کے متعلقین اُن کے آثار سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہر ولی اور صالح شخص سے اُن کے متعلقین نے اُن کی حیات میں اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی قبور سے برکت حاصل کی ہے۔ زیرِ نظر فصل میں احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اولیاء اور صالحین کے بابرکت ہونے کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اوراق سے ایسے چند واقعات درج کئے جا رہے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ اکابرینِ اُمت اور عامۃ الناس کا کئی صدیوں سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ صالحین کے آثار و تبرکات سے فیوض و برکات حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے رہے ہیں۔

۱۔ برکاتِ اَولیاء کے سبب فتح و نصرت اور رِزق کی فراہمی

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے کثیر ارشاداتِ عالیہ میں اولیاء اور صلحاء کے وجود کو اپنی امت کے لئے بابرکت فرمایا ہے۔ ذیل میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ

صَاحَبَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ.(1)

’’لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب لوگوں کی ایک بڑی جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہا ہو؟ پس وہ لوگ کہیں گے: ہاں (ایسا شخص ہمارے درمیان موجود ہے)۔ تو انہیں (اس صحابیٔ رسول ﷺ کی وجہ سے) فتح عطا کر دی جائے گی۔ پھر لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب لوگوں کی ایک بڑی جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی صحبت پائی ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ پھر انہیں (اس تابعی کی وجہ سے) فتح عطا کر دی جائے گی۔ پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک کثیر جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی صحبت پانے والوں کی صحبت پائی ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں، تو انہیں (تبع تابعی کی وجہ سے) فتح عطا کر دی جائے گی۔‘‘

(1) ١- بخاري، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب: فضائل أصحاب النبي ﷺ، ٣: ١٣٣٥، رقم: ٣٤٤٩
٢- مسلم، الصحيح، كتاب: فضائل الصحابة، باب: فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، ٤: ١٩٦٢، رقم: ٢٥٣٢
٣- أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ٧، رقم: ١٠٥٦

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق میں تھے کہ آپ کے پاس اہلِ شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ اہلِ شام پر لعنت بھیجیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، میں لعنت نہیں بھیجتا کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

الأَبْدَالُ يَكُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَ هُمْ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا، كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ، أَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْقَى بِهِم الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ، وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِم الْعَذَابُ۔(۱)

’’شام میں (ہمیشہ) چالیس ابدال موجود رہیں گے، ان میں سے جب بھی کوئی مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو ابدال بنا دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اہلِ شام بارش سے سیراب کیے جاتے ہیں، دشمنوں پر ان کو ابدال کے وسیلے سے فتح عطا کی جاتی ہے اور ان کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے۔‘‘

ملا علی قاری ’’مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح (۱: ۴۶۰)‘‘ میں مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أی ببرکتهم أو بسبب وجودهم فيما بهم يدفع البلاء عَنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔

’’ابدالوں کی برکت اور ان میں ان کے وجود کے سبب اُمتِ محمدیہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔‘‘

متعدد احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر ہر زمانہ میں اللہ رب العزت کے کچھ اولیاء، صالحین اور مقرب یافتگان بندے موجود ہوتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۲

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۶۳، رقم: ۱۰۳۹۰

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۴: ۲۱۱

اپنے اِن صالح بندوں کی برکات کے سبب سے امتِ مسلمہ کو فتح و نصرت، بارش اور رزق سے نوازنے کے ساتھ ساتھ اِن سے اپنے عذاب کو بھی رفع فرماتا ہے۔

۲۔ اَجسادِ اولیاء کو تبرکاً بوسہ دینا

تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں جن کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امتِ مسلمہ کے ہر دور میں اکابر اولیاء اور عامۃ الناس اپنے زمانہ کی متبرک اور مقدس شخصیات کے ہاتھ، پاؤں اور سَر چوم کر اُن کے فیوض و برکات کو سمیٹتے رہے ہیں۔ ذیل میں اسی حوالے سے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبد الرحمٰن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ’ربذۃ‘ کے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، تو میں اُن کے پاس آیا اور ہم نے ان کو سلام کیا۔ پس انہوں نے اپنے ہاتھ باہر نکال کر کہا:

بايعت بهاتين نبيّ اﷲ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فأخرج كفًا له ضخمة كأنها كف بعير فقمنا إليها فقبّلناها (۱)

’’میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی ہے تو انہوں نے اپنی بھاری بھرکم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کو بوسہ دیا۔‘‘

۲۔ امام ابونعیم اصبہانی نے بھی حضرت یونس بن مَیْسَرَہ سے مروی اسی طرح کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز یزید بن اسود عائدین کے پاس گئے۔ اُن کے پاس حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ تشریف لائے:

فلما نظر إليه مدّ يده فأخذ يده فمسح بها وجهه وصدره لأنه بايع رسول اﷲ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۲)

(۱) بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۸، باب تقبيل اليد، رقم: ۹۷۳

(۲) أبو نعيم أصبهاني، حلية الأولياء، ۹: ۳۰۶

''پس جب حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو اپنا ہاتھ آگے کیا، انہوں نے ہاتھ لے کر (حصولِ برکت کے لئے) اپنے چہرے اور سینے پر مَلا کیونکہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اسی ہاتھ سے) بیعت کی تھی۔''

۳۔ اکابر تابعین میں سے حضرت ثابتؒ نے ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ

أَمَسَسْتَ النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بيدك؟ قال: نعم! فقبّلها ۔[1]

''کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے چھوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! پس ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو چوما۔''

۴۔ یحییٰ بن ذماری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مل کر کہا:

بايعت بيدك هذه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ فقال: نعم، قلت: أعطني يدك أقبّلها فأعطانيها فقبّلتها ۔[2]

''آپ نے اس ہاتھ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پس میں نے کہا کہ اپنا ہاتھ میری طرف کریں کہ میں اسے بوسہ دوں تو انہوں نے اس کو میری طرف کیا سو میں نے اسے بوسہ دیا۔''

۵۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رأيت عليًا يقبّل يد العباس ورجليه.[3]

''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور

---

(۱) بخاری، الأدب المفرد، باب تقبيل اليد، ۱: ۳۳۸، رقم: ۹۷۴

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۹۴، رقم: ۲۲۶
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۴۲

(۳) بخاری، الأدب المفرد، باب تقبيل اليد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۶

پاؤں کو بوسہ دیا۔‘‘

سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر افضلیت حاصل ہے مگر چچا اور صالح ہونے کی وجہ سے آپ نے اُن کے ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ لیا۔

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے امام عالی مقام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی اور اُن سے عرض کیا:

أرني الموضع الذي قبّله رسول الله ﷺ، فرفع الحسن ثوبه، فقبّل سرّته۔(۱)

’’آپ مجھے وہ جگہ دکھائیں جہاں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے بوسہ لیا ہے، امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم سے کپڑا سرکا دیا تو انہوں نے آپ کی ناف کا بوسہ لیا۔‘‘

ذہن نشین رہے کہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں، اس قدر عظیم البرکت شخصیت ہونے کے باوجود بھی انہوں نے اہلِ بیتِ اطہار سے فیض اور برکت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔

۷۔ صاحبِ ’’الصحیح‘‘ امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا:

دعني حتى أقبّل رجليك، يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدّثين وطبيب الحديث في علله۔(۲)

’’اے استاذوں کے استاذ، سید المحدّثین اور عللِ حدیث کے طبیب! آپ مجھے

(۱) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۹:۹۴، رقم: ۴۶۷۷

(۲) ابن نقطه، التقييد لمعرفة رواة السنن والمسانيد، ۱:۳۳

اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔‘‘

۸۔ عظیم نقاد محدّث امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ جب ابومسہر عبد الاعلیٰ دمشقی غسانی (م ۲۱۸ھ) مسجد میں تشریف لاتے تو

اصطفّ الناس یسلّمون علیه ویقبّلون یده[1]

’’لوگ صف در صف اُن کو سلام کرتے اور اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے۔‘‘

۹۔ علامہ ابنِ جوزی اور امام ذہبی، امام ابو قاسم سعد بن علی بن محمد زنجانی (م ۴۷۱ھ) کے متعلق لکھتے ہیں:

کان إذا خرج إلی الحرم، یخلون المطاف ویقبّلون یده أکثر من تقبیل الحجر۔[2]

’’جب وہ حرم میں تشریف لاتے تو لوگ طواف کو چھوڑ دیتے اور حجرِ اسود کو چومنے سے بھی بڑھ کر اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔‘‘

۱۰۔ حافظ ابنِ کثیر، فقیہ زاہد ابوجعفر شریف حنبلی کے بارے میں درج کرتے ہیں:

یدخل علیه الفقهاء وغیرهم، ویقبّلون یده ورأسه[3]

’’فقہاء اور دیگر حضرات اُن کے پاس آتے تو (برکت کی غرض سے) اُن کے ہاتھ اور سر کا بوسہ لیتے۔‘‘

۱۱۔ علامہ ابن العماد حنبلی، زاہد ابوبکر بن عبدالکریم حنبلی (م ۶۳۵ھ) کے ترجمہ میں

---

(۱) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۱: ۷۳

(۲) ۱۔ ابن جوزی، صفة الصفوة، ۲: ۲۶۶، رقم: ۲۲۴

۲۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ، ۳: ۱۱۷۵، رقم: ۱۰۲۶

(۳) ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۱۲: ۱۱۹

لکھتے ہیں:

كان شيخاً صالحاً متديناً ورعاً، منقطعاً عَن النَّاسِ في قريته يقصده الناس لزيارته والتبرك به ۔(۱)

’’آپ بزرگ، صالح، دین دار اور زاہد شخص تھے، اپنی بستی میں لوگوں سے تنہا رہتے تھے، لوگ اُن کی زیارت کے لئے اور اُن سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے اُن کے پاس حاضر ہوتے۔‘‘

مندرجہ بالا تمام آثار اور واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ آج بھی اگر کوئی مرید، شاگرد یا سالک اپنے شیخ، مربی اور مرشد کے ہاتھ، پاؤں اور سَر کا بوسہ لے تو وہ شرک نہیں ہوگا بلکہ عین صحابہ کرام ﷺ کی سنتِ فعلی اور سلف صالحین کی اتباع ہوگی۔ اگر شیخ یا کسی بزرگ و متبرک ہستی کے تبرکاً ہاتھ پاؤں چومنے کی کوئی ممانعت ہوتی یا اس میں کسی شرک کا شائبہ پایا جاتا تو تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کے جانثار صحابہ اور بعد میں آنے والے اُن کے متبعین ائمہ کرام کبھی بھی اس عمل کو بجا لانے کی جرأت نہ کرتے۔ چونکہ اس پر کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی لہٰذا اگر آج ہم میں سے بھی کوئی شخص حصولِ برکت کی نیت سے اپنے شیخ کے ہاتھ پاؤں چومے گا تو وہ اتباعِ صحابہ ہی پر عمل کر رہا ہوگا۔

۳۔ تبرکاً صالحین کی دست بوسی سے متعلق اَئمہ اَربعہ کی تصریحات

مذاہبِ اربعہ کے فقہاء ائمہ نے اولیاء اور صالحین کے ہاتھوں اور پاؤں کو برکت حاصل کرنے کی غرض سے چومنے کو جائز، مستحب اور مسنون قرار دیا ہے۔ اس پر درج ذیل اقوالِ فقہاء ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اَحناف کا مؤقف

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی (م ۱۰۸۸ھ) رقم طراز ہیں:

(۱) ابن العماد، شذرات الذهب، ۳: ۱۷۱

لا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك ۔[1]

''حصولِ برکت کی غرض سے عالم اور زاہد شخص کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔''

(۲) مالکیہ کا موقف

علامہ ابنِ بطال بکری قرطبی نے تقبیلِ ید پر امام مالک کا فتویٰ بیان کیا ہے:

إنما كرهها مالك إذا كانت على وجه التكبر والتعظم، وأما إذا كانت على وجه القربة إلى الله لدينه أو لعلمه أو لشرفه فإن ذلك جائز ۔[2]

''اگر تکبر اور بڑائی کے پیشِ نظر کسی کا ہاتھ چوما جائے تو امام مالک نے اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن اگر یہ عمل کسی شخص کے دین، علم اور شرف کے باعث اللہ رب العزت کے ہاں قربت چاہنے کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔''

(۳) شوافع کا موقف

شارحِ ''صحیح مسلم'' امام محیی الدین نووی شافعی (م ٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

(الرابعة) يستحبّ تقبيل يد الرجل الصالح والزاهد والعالم ونحوهم من أهل الآخرة ۔[3]

''(چوتھا مسئلہ) صالح، زاہد، عالم اور ان جیسے دیگر آخرت کی فکر رکھنے والے اشخاص کا ہاتھ چومنا مستحب ہے۔''

---

(۱) حصکفی، در المختار، ٦: ٣٨٣

(۲) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ١١: ٥٧

(۳) نووی، المجموع شرح المہذب، ۴: ٦١٥

(۴) حنابلہ کا مؤقف

علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی (م ۱۰۵۱ھ) صالحین کے ہاتھوں کو چومنے کے بارے لکھتے ہیں:

ولا بأس بتقبيل الرأس واليد لأهل العلم والدين ونحوهم.(۱)

''اہلِ علم و دین اور اِن جیسی دیگر شخصیات کا سَر اور ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔''

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئی علامہ بہوتی آگے لکھتے ہیں:

يباح تقبيل اليد والرأس تديناً وإكراماً واحتراماً مع أمن الشهوة.(۲)

''کسی کی دینداری، اکرام اور احترام کے سبب سَر اور ہاتھ چومنا مباح ہے بشرطیکہ شہوتِ نفسانی سے محفوظ ہو۔''

مذاہبِ اربعہ کے اَجل ائمہ کی درج بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ امتِ مسلمہ کے کسی صالح، متقی، پرہیزگار، زاہد، عالم اور دیندار شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر کو حصولِ برکت کے لئے چومنا مسنون، مستحب اور مباح ہے۔ کسی بھی شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے کو اُس صورت میں مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کے باعث غرور، تکبر، بڑائی اور نفسانی خواہشات کی رو میں بہکنے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی مرید یا شاگرد محض تبرک کی نیت سے اپنے شیخ اور استاذ کا ہاتھ پیر چومتا ہے تو وہ جائز ہے۔

۴۔ اَجسادِ اولیاء سے منسوب اَشیاء سے تبرک

۱۔ (امام شافعی کے شاگرد) ربیع بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی مصر

(۱) بہوتی، کشاف القناع عن متن الإقناع، ۲: ۱۵۶

(۲) بہوتی، کشاف القناع عن متن الإقناع، ۲: ۱۵۷

تشریف لائے تو انہوں نے مجھ سے کہا: میرا یہ خط سلامتی سے ابو عبداللہ احمد بن حنبل تک پہنچا دو اور مجھے جواب لا کر دو۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں وہ خط لے کر بغداد پہنچا تو نمازِ فجر کے وقت امام احمد بن حنبل سے میری ملاقات ہوئی۔ جب وہ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو میں نے خط اُن کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ یہ خط آپ کے بھائی شافعی نے آپ کو مصر سے بھیجا ہے۔ امام احمد نے مجھ سے کہا: کیا تو نے اسے پڑھا ہے؟ میں نے کہا: نہیں! انہوں نے مہر توڑ کر اسے پڑھا تو ان کی آنکھیں بھر آئیں، میں نے پوچھا: ابوعبداللہ کیا ہوا، اس میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا: امام شافعی نے مجھے لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ہے کہ ابوعبداللہ کو خط لکھو، اسے سلام لکھ کر کہو کہ تمہیں عنقریب آزمایا جائے گا اور تمہیں خلقِ قرآن (کے باطل عقیدہ) کی دعوت دی جائے گی سو تم اسے قبول نہ کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز باعزت عالم دین کے طور پر اٹھائے گا۔ اس کے بعد ربیع بیان کرتے ہیں:

فقلت له: البشارة يا أبا عبدالله، فخلع أحد قميصه الذي يلي جلده فأعطانيه، فأخذت الجواب، فخرجت إلى مصر وسلمته إلى الشافعي. فقال: أيش الذي أعطاك. فقلت: قميصه. فقال الشافعي: ليس نفجعك به، ولكن بلّه وادفع إلي الماء لأ تبرك به. (1)

’’میں نے اُن سے کہا: ابوعبداللہ! آپ کو تو خوشخبری ملی ہے۔ انہوں نے اپنے جسم سے مَس کردہ قمیص اتار کر مجھے عنایت کی، میں اُن سے جواب لے کر مصر میں امام شافعی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: انہوں نے تمہیں کوئی چیز عطا کی ہے؟ میں نے کہا: اپنی قمیص، امام شافعی نے فرمایا: ہم تمہیں اس کے بارے زیادہ تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے، مگر اتنا کردو کہ اسے گیلا کرکے ہمارے حوالے کرو تاکہ ہم اس سے برکت حاصل کریں۔‘‘

(۱) تاج الدین سبکی، طبقات الشافعية الكبرى، ۲: ۳۶

۲۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) اپنے زمانہ کے اولیاء کے پاس تبرک کے لئے حاضر ہوئے، امام احمد بن عبداللہ عجلی نے کوفہ کے ایک عبادت گزار محدّث عمرو بن قیس الملائی کوفی کے ترجمہ میں لکھا ہے:

كان سفيان يأتيه يسلّم عليه يتبرك به ـ (۱)

''سفیان ثوری اُن کے پاس حاضر ہوتے، انہیں سلام کہتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔''

۳۔ سلطان محمود غزنوی کو سومنات کی جنگ میں حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ کے جبے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت عطا فرمائی تھی۔ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ تذکرۃ الأولیاء کے صفحہ نمبر ۳۴۴ پر بیان کرتے ہیں:

''سلطان محمود غزنوی کے پاس حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ کا جبّہ مبارک تھا۔ سومنات کی جنگ میں ایک موقع پر خدشہ ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی، سلطان محمود غزنوی اچانک گھوڑے سے اتر کر ایک گوشے میں چلے گئے اور وہ جبّہ ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گئے اور دعا مانگی:

اللّهم، انصرنا على هؤلاء الكفّار ببركة صاحب هذه الخرقة، و كل ما يحصل لي من أموال الغنيمة فهو صدقة على الفقراء (۲)

''یا اللہ! اس جبّے والے کی برکت سے ہمیں کافروں پر فتح و نصرت عطا فرما اور جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا وہ سب درویشوں پر صدقہ ہوگا۔''

اس کے بعد شیخ فرید الدین عطارؒ بیان کرتے ہیں:

''اچانک دشمن کی طرف سے شور اُٹھا اور تاریکی چھا گئی اور کافر آپس میں ایک

(۱) عجلی، معرفة الثقات، ۲: ۱۸۲

(۲) فرید الدین عطار، تذکرة الأولیاء: ۳۴۴

دوسرے کو قتل کرنے لگے اور مختلف حصوں میں بٹ گئے۔ لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہو گئی۔ اس رات محمود غزنوی نے حضرت ابو الحسن خرقانیؒ کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا:

یا محمود، لم تعرف مکانة خرقتنا فی حضرة الله ﷻ، لو سألت الله ﷻ فی تلك السّاعة إسلام جمیع الکفار لأسلموا ۔(۱)

''اے محمود! تم نے دربارِ الٰہی میں ہمارے جبّے کی قدر نہ کی۔ اگر تم اللہ ﷻ سے اُس لمحے تمام کافروں کے لیے قبولیتِ اسلام کی درخواست کرتے تو (اس کی برکت سے) وہ سب اِسلام قبول کر لیتے۔''

۵۔ قبورِ اولیاء و صالحین سے تبرک

جمہور امتِ مسلمہ میں حصولِ برکت کا ایک ذریعہ قبورِ اولیاء و صالحین پر حاضری بھی رہا ہے۔ تاریخِ اسلام میں شاید ہی کوئی ایسی بابرکت ہستی گزری ہوگی جس کی قبر مبارک پر عامۃ الناس اور اکابرینِ امت نے حاضری نہ دی ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر اہلِ بیتِ نبوی ﷺ، صحابہ کرام ﷺ، صالحین، زاہدین، محدّثین اور اولیاء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کی قبور پر حاضری امتِ مسلمہ کی تاریخ کا حصہ رہی ہے۔ اس پر تفصیلات کتاب ھذا کے باب ''توحید اور زیارت'' میں ملاحظہ کریں دلیل کے طور پر چند صالحین کی قبور پر عامۃ الناس اور ائمہ کی حاضری کے واقعات درج ذیل ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ کا امامِ اعظمؒ کی قبر سے تبرک

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) اور بہت سے ائمہ کی تحقیق کے مطابق امام شافعیؒ جب بغداد میں ہوتے تو حصولِ برکت کی غرض سے امامِ اعظم ابو حنیفہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے۔ خطیب بغدادیؒ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے مزار کی برکات کے بارے میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) فرید الدین عطار، تذکرة الأولیاء: ۳۴۵

إنّي لأتبرّك بأبي حنيفة، وأجيء إلى قبره في كلّ يوم – يعني زائرًا – فإذا عُرضت لي حاجة صلّيت ركعتين، وجئتُ إلى قبره، و سألت الله تعالى الحاجة عنده، فما تبعد عنّي حتى تقضى۔(۱)

’’میں امام ابوحنیفہ کی ذات سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور اس کے پاس (کھڑے ہوکر) حاجت برآری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے نہیں ہٹتا یہاں تک کہ (قبر کی برکت کے سبب) میری حاجت پوری ہوچکی ہوتی ہے۔‘‘

(۲) امام علی رضا بن موسیٰ کی قبر سے تبرک

مشہور محدّث امام ابنِ حبان (م ۳۵۴ھ) حضرت امام علی رضا بن موسیٰ کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد زرته مرارًا كثيرة، وما حلّت بي شدّة في وقت مقامي بطوس، وزرت قبر علي بن موسى الرضا صلوات الله على جده وعليه ودعوت الله تعالىٰ إزالتها عنّي إلا استجيب لي، وزالت عنّي تلك الشدّة وهذا شئ جرّبته مراراً فوجدته كذلك، أماتنا الله على محبة المصطفى وأهل بيتهصلى الله وسلم عليه وعليهم أجمعين۔(۲)

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱: ۱۲۳
۲۔ابن حجر ہیتمی، الخیرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم: ۹۴
۳۔ابن عابدین شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ۱: ۴۱
۴۔ زاھد کوثری، مقالات: ۳۸۱

(۲) ابن أبي حاتم رازی، کتاب الثقات، ۸: ۴۵۷، رقم: ۱۴۴۱۱

’’میں نے اُن کے مزار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے، شہر طوس قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، اللہ تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی، اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بار ہا آزمایا تو اسی طرح پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم اور آپ کے اہلِ بیت صلی اللہ وسلم علیہ وعلیھم أجمعین کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔‘‘

(۳) سید المحدّثین امام بخاریؒ کی قبر سے تبرک

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید المحدّثین امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵٦ھ) کی قبر مبارک سے تبرک کا ایک واقعہ درج کیا ہے:

ابو الفتح نصر بن حسن السکتی سمرقندی نے بیان کیا کہ ایک بار سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہوئی تو لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی پس انہوں نے کئی بار نمازِ استسقاء ادا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ اسی اثناء اُن کے پاس ایک صالح شخص جو ’’صلاح‘‘ کے نام سے معروف تھا، سمرقند کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا: میں آپ سے اپنی ایک رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا:

أرى أن تخرج ويخرج الناس معك إلى قبر الإمام محمد بن إسماعيل البخاري، وقبره بخرتنك، ونستسقي عنده فعسى الله أن يسقينا. قال: فقال القاضي: نعم، ما رأيت. فخرج القاضي والناس معه، واستسقى القاضي بالناس، وبكى الناس عند القبر وتشفعوا بصاحبه. فأرسل الله تعالى السماء بماء عظيم غزير، أقام الناس من أجله بخرتنك سبعة أيام أو نحوها لا يستطيع أحد الوصول إلى سمرقند من كثرة المطر وغزارته، وبين خرتنك

وسمرقند نحو ثلاثة أميال۔[1]

’’میری رائے ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر مبارک پر حاضری دینی چاہیے، ان کی قبر خرتنک میں واقع ہے، ہمیں قبر کے پاس جا کر بارش طلب کرنی چاہیے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب کردے۔ قاضی نے کہا: آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔ پس قاضی اور اس کے ساتھ تمام لوگ وہاں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، قاضی نے لوگوں کے ساتھ مل کر بارش کے لئے دعا کی، لوگ قبر کے پاس رونے لگے اور اللہ تعالیٰ کے حضور صاحبِ قبر کی سفارش کرنے لگے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت (اپنے صالح بندہ کی برکت کے سبب) وافر پانی کے ساتھ بادلوں کو بھیج دیا، تمام لوگ تقریباً سات دن تک خرتنک میں رکے رہے، اُن میں سے کسی ایک میں بھی کثیر بارش کی وجہ سے سمرقند پہنچنے کی ہمت نہ تھی حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔‘‘

۶۔ قبورِ اولیاء اور صالحین سے تبرک پر ائمہ کے اقوال

قبورِ صالحین سے تبرک کو اطراف واکناف کے علماء کی طرف سے جواز کی سند حاصل ہے۔ اس پر چند ائمہ کرام کے درج ذیل اقوال ہیں۔

۱۔ حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) **إحياء علوم الدين** میں **آداب السفر** کے ضمن میں فرماتے ہیں:

ويدخل في جملته زيارة قبور الأنبياء عليهم السلام، وزيارة قبور الصحابة والتابعين وسائر العلماء والأولياء، وكل من يتبرك بمشاهدته في حياته يتبرك بزيارته بعد وفاته۔[2]

(۱) ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۱۲: ۴۶۹

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۴۷

''سفر کی دوسری قسم میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ، تابعین اور دیگر علماء و اولیاء کے مزارات کی زیارت بھی داخل ہے۔ ہر وہ شخص کہ جس کی زندگی میں زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے، وفات کے بعد بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔''

۲۔ امام ابن الحاج فاسی (م ۷۳۷ھ) نے اپنی کتاب المدخل میں مزاراتِ اولیاء سے برکت حاصل کرنے پر لکھا ہے:

وما زال النّاس من العلماء والأكابر كابرًا عن كابر مشرقاً ومغرباً يتبرّكون بزيارة قبورهم ويجدون بركة ذلك حسًّا ومعنًى ۔(۱)

''مشرق و مغرب کے علماء اور اکابر مزاراتِ اولیاء کی زیارت سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں اور حسی اور معنوی طور پر اس کی برکت پاتے رہے ہیں۔''

۳۔ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ زیارتِ قبور کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے قبورِ اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

وأما الأولياء فإنهم متفاوتون في القرب من الله تعالىٰ، ونفع الزائرين بحسب معارفهم وأسرارهم۔(۲)

''اولیاء کو اللہ رب العزت کے ہاں قربت کے لحاظ سے مختلف مقام حاصل ہوتے ہیں، (اس وجہ سے) زائرین کو (اُن کی قبور کی زیارت کے وقت) اُن کے معارف اور اسرار کے حسبِ حال نفع حاصل ہوتا ہے۔''

کیمیا پیدا کن اَز مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

(۱) ابن الحاج، المدخل، ۱: ۲۴۹

(۲) ابن عابدین، حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار، ۲: ۲۴۲

ہم نے گذشتہ فصول میں برکت اور تبرک کا صحیح تصور قرآن و حدیث اور ائمہ و محدثین کے اقوال و معمولات کی روشنی میں بیان کیا۔ جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اللہ رب العزت کے فضل اور عطاء سے بعض ہستیاں، ان کے آثار اور مقامات فیض رساں اور بابرکت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک اہلِ ایمان نہ صرف یہ کہ آثارِ انبیاء و اولیاء سے حصولِ برکت کو سعادت سمجھتے ہیں بلکہ کسی صالح بزرگ ہستی، متبرک مقام اور آثار سے حصولِ فیض اور برکت کے لئے دور دراز علاقوں کا سفر بھی اختیار کرتے رہے ہیں۔ جسے وہ منافی توحید نہیں سمجھتے تھے او نہ کسی نے اس عملِ خیر کو شرک بدعت قرار دیا۔

معتبر کتب سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اولیاء عظام اور محدّثین کبار کی قبورِ مبارکہ پر حاضری دینا، زیارت کرنا اور اُن سے برکت حاصل کرنا عام مسلمانوں اور اکابرینِ امت کا طریقہ رہا ہے۔ جلیل القدر محدّثین، فقہاء اور صالحین اپنے زمانہ کے اور ما قبل زمانہ کے اکابر شیوخ وصوفیاء کی قبور پر حصولِ برکت کے لئے اور حلِ مشکلات کے لئے حاضر ہونے کو اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔ عامۃ الناس اور اکابر اِن بابرکت قبور کو مستجاب الدعاء ٹھہراتے تھے اور وہاں پہنچ کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اُن کی برکت کے سبب سے بارش، شفایابی اور دیگر مشکلات کا حل طلب کرتے تھے۔

سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ وہ ائمہ جو امت کے لئے اصولِ دین مرتب کرتے رہے ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ وہ صالحین کی قبروں سے حصولِ برکت کو سعادت سمجھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے اگر اس عمل میں ذرا بھر بھی شرک و بدعت کا شائبہ ہوتا تو وہ ہر گز اس پر کاربند نہ ہوتے۔

باب پنجم

وسائط شرعیہ

فصل اَوّل: عالمِ اَمر سے عالمِ حشر تک خالق و مخلوق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ

فصل دوم: واسطۂ رسالت ﷺ کی دینی اَہمیت

فصل سوم: وسائط کی اقسام

عصرِ حاضر میں مذہبی عقائد کے باب میں جہاں کئی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں وہاں واسطہ کے تصور پر بہت سی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں دانستہ پیدا کی گئی ہیں۔ مغرب میں بالخصوص اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں بالعموم توحید اور شرک مسلمانوں کے ہاں مناظروں کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔ ان کا زیادہ تر اہتمام وہ لوگ کرتے ہیں جن کا علم سطحی نوعیت کا ہے اور وہ شرعی اُمور کو گہرائی سے دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ وہ محض رائے زنی سے غلط عقیدہ گھڑ لیتے ہیں۔ ایک خاص مکتبہ فکر کے علماء نے اپنی کتابوں میں اس خود ساختہ غلط نظریے کا قرآنی آیات کی غلط تشریح پر مبنی یہ تصور دیا ہے کہ شریعت میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہماری دعائیں، التجائیں اور مناجات سنتا ہے، وہ کسی واسطے کا محتاج نہیں، پس جہاں واسطہ اور توسُّل کا ذکر آ جائے وہ اسے توحید کے منافی سمجھنے لگتے ہیں اور فی الفور شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ آیات کی مَن مانی تاویل کر کے واسطہ کا یہ معنی مراد لیتے ہیں جیسے کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حائل کر دیا گیا ہو، حالانکہ یہ تصوّر جہالت یا کم علمی کی پیداوار ہے اور اسے وہی پیش کر سکتا ہے جسے حقیقتِ توحید اور حقیقتِ شرک کا صحیح ادراک نہ ہو۔ اس باب میں قرآن حکیم سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سرِفہرست یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ م مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰى ط اِنَّ اللهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ط اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○[1]

’’(لوگوں سے کہہ دیں:) سُن لو! طاعت و بندگی خالصۃً اللہ ہی کے لئے ہے،

---

(۱) الزمر، ۳۹:۳

اور جن (کفّار) نے اللہ کے سوا (بتوں کو) دوست بنا رکھا ہے، وہ (اپنی بُت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے ہیں کہ) ہم اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرّب بنا دیں، بیشک اللہ اُن کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں فرماتا جو جھوٹا ہے، بڑا ناشکرگزار ہےo‘‘

کفار ومشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اصنام اَرْبَابٌ مِنْ دُوْنِ اللهِ ہیں۔ وہ اپنی بت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔ چونکہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہوئے شرک فی الالوھیت کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کے اس عمل کو شرک قرار دیا گیا۔

ہمارے نزدیک صحیح عقیدہ یہی ہے کہ کفار ومشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے کسی کی عبادت کرنا واسطۂ شرکیہ ہے۔ تاہم قرآنِ حکیم کی اس آیت پر مسلمانوں کے جائز شرعی واسطہ اور وسیلہ کو قیاس کرنا باطل ہے۔ انبیاء و اولیاء کا واسطہ اختیار کرنے والے ہرگز شرک کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق انعام یافتہ بندوں کی معیّت اختیار کرتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مشرکین اور مسلمانوں کے عمل میں بعدالمشرقین ہے۔ ان کا آپس میں کوئی بھی جوڑ نہیں۔ کیونکہ انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اور واسطہ اختیار کرنے والے ان کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی، شریک اور کسی بھی درجہ میں ان کی عبادت اور اُلوہیت کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کو اِلٰہ بھی مانتے ہیں اور معبود بھی۔

معترضین اپنے مؤقف کی تائید میں قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ۝ (۱)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۝''

پس ان لوگوں کے مطابق جب وہ ذات اس قدر قریب ہے تو پھر اس تک رسائی کے لئے کوئی واسطہ ہے نہ واسطے کی ضرورت، لہٰذا جو شخص واسطہ مقرر کرتا ہے وہ صریحاً شرک کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ﷻ اپنی شان کے مطابق ہر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ واجب الوجود اور قائم بالذات ہے۔ فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ (البقرہ، ۲:۱۱۵) اسی کی شان ہے ۔ اس صفتِ مطلقہ میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ قادرِ مطلق ہے۔انسان جو کچھ جس وقت بھی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی انسان اگر بارگاہِ الٰہی کا تقرّب حاصل کرنا چاہے تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن مجید میں موجود ہے خود باری تعالیٰ نے وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، اس کا تفصیلی بیان باب دوم میں عقیدۂ توحید اور توسل کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ کا مطلقاً انکار ایک انتہائی موقف ہے۔جو سراسر غلط، خلافِ شریعت اور خلافِ توحید رجحان کا غماز ہے۔ **ثانیاً** ایسی ہٹ دھرمی اور شدت عموماً جہالت اور کساوت کی پیداوار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واسطہ محض ایک تعلق اور رابطہ ہوتا ہے۔اس تعلق اور واسطے کو ماننا جس طرح شرک نہیں اسی طرح اس کی افادیت اور مؤثریت کا سرے سے انکار کر دینا توحید بھی نہیں۔

۱۔ واسطہ کا لغوی معنی و مفہوم

واسِطة وَسَطَ سے مشتق ہے جس کا معنی اہلِ لغت نے یوں لکھا ہے:

وَسَطَ الشيء: مَا بَيۡنَ طَرَفِيۡهِ. (۲)

(۱) ق، ۵۰:۱۶

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۷: ۴۲۶

''کسی چیز کے وسط سے مراد دو کناروں کا درمیانی حصہ ہے۔''

پس واسطہ کا معنی ہوا ایسی چیز جو بیچ میں ہو اور اس کا دو الگ چیزوں سے رابطہ ہو۔

اصل میں واسطہ اس اعلی جوہر کو بھی کہا جاتا ہے جو ہار کے درمیان میں ہوتا ہے۔ صحاح میں ہے:

وواسطة القلادة: الجوهر الذی فی وسطها وهو أجودها. (۱)

''ہار میں وسط سے مراد وہ جوہر ہے جو اس کے درمیان میں ہو اور اس کا عمدہ ترین حصہ ہو۔''

ثالث کو بھی الوَسَاطَۃُ اور اَلْوَسِیْطُ کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی متنازع فریقین کے درمیان تصفیہ کرکے ان کا آپس میں رابطہ کرواتا ہے۔

اسی طرح الوَاسِطُ کا معنی دروازہ بھی ہے۔ دروازہ بھی کسی عمارت یا کمرہ کے اندر اور باہر رابطہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بھی واسطہ ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ بِوَاسِطَۃِ الشَّئِی بذریعہ فلاں چیز یا بِوَاسِطَۃِ فُلَانٍ ''بتوسط فلاں شخص''

یعنی واسطہ میں سبب اور ذریعہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

وَهُوَ وَاسِطة لکذا ای علّة. (۲)

''وہ کسی کام کا واسطہ ہے یعنی اس کا ذریعہ اور سبب ہے۔''

اسی طرح وَبِوَاسِطَۃِ کذا کا معنی ہے ای بعلّة کذا. (۳)

''کسی کام کے واسطہ سے مراد اس کام کا ذریعہ اور سبب بننا ہے۔''

(۱) ۱۔ جوہری، الصحاح، ۲: ۶۸۷

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۷: ۴۲۹

(۲) بطرس بستانی، محیط المحیط، ۹۶۸

(۳) بطرس بستانی، محیط المحیط، ۹۶۸

اس لغوی وضاحت سے معلوم ہوا کہ واسطہ درحقیقت دو چیزوں کے درمیان رابطے اور تعلق کا نام ہے یعنی واسطہ دو علیحدہ ذاتوں کو ملانے اور جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ یہ ذریعہ دو بندوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، بندے اور خالق کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، اللہ ﷻ اور نبی کے درمیان بھی ہوسکتا ہے اور نبی اور امتی کے درمیان بھی۔ شرعی اِصطلاح میں اس درمیانی ذریعہ اور واسطہ کو وسیلہ، توسُّل اور توسُّط بھی کہا جاتا ہے۔ یہی توسُّل اور توسُّط کسی کے قُرب کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ واسطہ کا حقیقی تصور اور اُس کی اَہمیت

مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق، واسطے اور رابطے پر مبنی ہے، اس رابطے اور واسطے کی نفی توحید کی نفی ہے۔ اس واسطے کو قرآن کی زبان میں نبوت و رسالت کہا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے وحی کا انکار کیا اور رسالت کے منکر ہوگئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے منکر کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال یوں دی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا أَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○(۱)

’’اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ آپ فرما دیجئے: وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی؟ تم نے جس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے ہیں تم اسے (لوگوں پر) ظاہر (بھی) کرتے

(۱) الانعام، ۶: ۹۱

ہو اور (اس میں سے) بہت کچھ چھپاتے (بھی) ہو اور تمہیں وہ (کچھ) سکھایا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ فرما دیجئے: (یہ سب) اللہ (ہی کا کرم ہے) پھر آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں کہ وہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں o‘‘

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ چاہے تو وحی کو لوگوں کے دلوں میں براہِ راست القاء کرسکتا ہے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے اور بندوں کے درمیان انبیاء و رسل علیہم السلام کو واسطہ بنایا اور ان انبیاء و رسل پر بھی عموماً فرشتوں کے واسطے سے وحی نازل فرمائی۔ اس لئے ایسے غلط عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے اور ایسی نام نہاد توحید پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے جس میں انسان ان شرعی واسطوں کا بھی منکر ہوجائے جو جزوِ ایمان ہیں۔ واسطۂ نبوت و رسالت کا انکار ہو یا واسطۂ وحی کا انکار۔ یہ توحید کا بھی انکار ہے، رسالت کا بھی انکار ہے اور ایمان سے محرومی کی علامت بھی۔

۳۔ واسطہ کی شرعی حیثیت

ایک بندۂ مومن کا مقصودِ حیات، اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور اسکی رضاء و خوشنودی کا حصول ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جا بجا متلاشیانِ حق کو اپنے حضور تک تقرب اور رسائی کا وسیلہ تلاش کرنے کے بارے رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ توسُّل اور توسُّط کا حکم فرمایا ہے۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰـأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ابْتَغُوْآ إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo(۱)

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤo‘‘

(۱) المائدہ، ۵: ۳۵

اس آیتِ کریمہ میں چار چیزوں کا بیان ہے:

۱۔ ایمان

۲۔ تقویٰ

۳۔ حصولِ توسُّل و توسُّط

۴۔ جہاد فی سبیل اللہ

سب سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا اور ایمان کے بعد تقویٰ کا حکم دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو بنیادی اور اساسی خصوصیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے واسطہ اور وسیلہ تلاش کرنے کا حکم کیوں فرمایا: حالانکہ اِتَّقُوا اللهَ کے الفاظ بندۂ مؤمن کے تمام اعمالِ صالحہ کومحیط ہیں۔ اس کے باوجود تیسرا حکم آیتِ مذکورہ میں تلاشِ وسیلہ کا ہے۔ ارشاد فرمایا: وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (اور اس (کےحضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو)۔‘‘

بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ میں تلاشِ وسیلہ سے فقط ایمان اور اعمالِ صالحہ مراد لیا ہے۔ جبکہ اکثر علماء نے آیتِ کریمہ کے ان الفاظ سے مراد انبیاء، صلحاء اور اولیاء کی ذواتِ مقدّسہ کو لیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اِتَّقُو اللهَ میں ایمان، اعمالِ صالحہ اور عبادات سب شامل ہیں۔ قُرب وحضورِ الٰہی کا وسیلہ، جہاں اعمالِ صالحہ اور ایمان بنتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء بطریقِ اُولیٰ وسیلہ ہیں۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے القول الجمیل ‘میں وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد جبکہ شاہ اسمٰعیل دہلوی نے ’صراطِ مستقیم‘ میں وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

بدون مرشد راہ یابی نادِر است۔[1]

’’مرشد کی راہنمائی کے بغیر (ہدایت ربانی) کا ملنا شاذ و نادر ہے۔‘‘

چوتھا حکم جہاد کا ہے۔ جہاد بھی اسلام کی اشاعت و ترویج، دین کے احیاء و اقامت، احکامِ الٰہیہ کے نفاذ اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے وسیلہ بنتا ہے۔ جب ایک ہی آیتِ

(۱) ۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، القول الجمیل: ۳۴

۲۔ شاہ اسمعیل دہلوی، صراطِ مستقیم: ۵۸

کریمہ میں مذکور چار چیزوں ......ایمان، تقویٰ، وسیلہ اور جہاد ......میں سے تین چیزیں ......ایمان، تقویٰ، جہاد......شرک اور بدعت نہیں بلکہ جائز امور ہیں تو وسیلہ بھی آیت میں بیان کردہ دیگر چیزوں کی طرح حکمِ قرآنی اور امرِ شرعی ہے اس کا تعلق بھی ہرگز شرک اور بدعت سے نہیں بلکہ یہ حکمِ الٰہی ہے۔قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر تلاشِ وسیلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

۲. أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○[1]

’’یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں (یعنی ملائکہ، جنات، حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہم کے بت اور تصویریں بنا کر اُنہیں پوجتے ہیں)، وہ (تو خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے (بارگاہِ الٰہی میں) زیادہ مقرب کون ہے اور (وہ خود) اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور (وہ خود ہی) اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (اب تم ہی بتاؤ کہ وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں، وہ تو خود معبودِ برحق کے سامنے جھک رہے ہیں۔) بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔‘‘

۴۔ اللہ تعالیٰ نے رسالت کوخود واسطہ بنایا

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی بات ہر شخص سے براہِ راست نہیں کہی حالانکہ ایسا کرنا اس کی قدرتِ مطلقہ کے لیے ناممکن نہیں تھا۔ وہ چاہتا تو براہِ راست ہر شخص کے دل میں اپنی وحدانیت کی بات القا کر دیتا۔ وہ ہر شخص کی فطرت (nature) میں یہ عقیدہ ودیعت (inherent) کر دیتا کہ وہ خلقی طور پر (by birth) جوں جوں جوان ہوتا، اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا اور اس پر اس کا اعتماد قائم ہوتا چلا جاتا اس طرح یہ علم ہر انسان کو

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۵۷

بلاواسطہ (Directly) بھی عطا ہو سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں۔ اس نے کسی کو یہ علم بلاواسطہ نہیں دیا اللہ ﷻ کی یہ عادت نہیں کہ وہ کسی فرد بشر سے براہِ راست خطاب فرمائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ O(۱)

''اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہِ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرما دے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طورِ سینا پر کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ الٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہو گا)، بیشک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔''

اس مقام پر قابلِ فہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دستور اور قاعدے کا اعلان کیا کہ اس کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی انسان سے بغیر وحی کے کلام کرے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت تھی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ قدرت کے باوجود ایسا نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی طاقت اور اختیار میں سب کچھ ہے مگر اس کے اپنے ارشاد کے مطابق وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ O(۲)

''بیشک آپ کا رب جو ارادہ فرماتا ہے کر گزرتا ہے۔''

یہ بھی اس کی شان ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ O(۳)

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۵۱
(۲) ھود، ۱۱:۱۰۷
(۳) البقرہ، ۲:۲۰

''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

وہ کسی عام فردِ بشر سے ہمکلام نہیں ہوا، اس لیے نہیں کہ ایسا کرنا اس کی طاقت سے باہر تھا بلکہ اس لئے کہ کسی فردِ بشر کو یہ مجال، طاقت اور صلاحیت (capability) حاصل نہیں ہے کہ وہ بلاواسطہ اس سے کلام کر سکے۔ اللہ ﷻ نے بندوں سے کلام کرنے کا صرف ایک ہی واسطہ اختیار فرمایا ہے جو کہ وحی ہے اور وحی جس پر بھیجی جاتی ہے وہ نبی ہوتا ہے۔ اِس تفصیل کی روشنی میں اِرشادِ اِلٰہی کا معنی یہ ہوا کہ کسی بشر میں یہ ہمت نہیں کہ وہ بغیر واسطۂ نبوت کے اللہ ﷻ اس سے ہم کلام ہو۔ اس آیتِ مبارکہ کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست بشر سے گفتگو کے امکان کو رد فرمایا اور معاً بعد وحی کے تین طریقے بیان فرما دیئے جن کے توسط سے اللہ ﷻ نے انبیاء و رُسل علیھم السلام سے گفتگو فرمائی اور یہی تین طریقے وحی کے معروف طریقے ہیں۔

(۱) وہ براہِ راست کلام فرمائے

(۲) حجاب کے پیچھے سے کلام فرمائے

(۳) اپنا رسول یعنی فرشتہ بھیج کر جس کو اس کا اذن ہو اس سے کلام فرمائے۔

اللہ ﷻ اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کیلئے ان تین صورتوں میں سے جو صورت چاہے اختیار فرمائے لیکن چوتھا کوئی براہِ راست یا بالواسطہ طریقہ نہیں جس کے ذریعے اُس نے اپنے بندوں سے کلام فرمایا ہو۔ الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہے۔

۵۔ واسطۂ رسالت سے متعلق اَئمہ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ اپنا حکم اپنے بندوں تک پہنچانے کیلئے واسطۂ رسالت بروئے کار لاتا ہے مگر وہ اس کا محتاج نہیں۔ وہ اس مقصد کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو منتخب کر کے اپنی وحی کے لئے مقرر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ نبی اور رسول کہلاتا ہے۔ گویا ''رسالت'' ہے ہی اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے

درمیان واسطہ جسے مرسِل (اللہ تعالیٰ) مرسَل الیہ (مخلوق) کی طرف بھیجتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ واسطۂ رسالت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وبالجملة فينبغي للعاقل أن يعلم أن قيام دين الله في الأرض إنما هو بواسطة المرسلين صلوٰة الله وسلامه عليهم أجمعين، فلولا الرسل لما عُبِد الله وَحْدَه لا شريك له ولما عَلِم الناس أكثر ما يستحقه سبحانه من الأسماء الحسنٰى والصفات العلى، ولا كانت له شريعة في الأرض. (۱)

''خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک صاحب عقل و خرد شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے دین کا قیام صرف رسولوں کے واسطہ ہی سے ہے۔ اگر رسول نہ آتے تو اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت نہ کی جاتی اور نہ ہی لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ علیا کیا ہیں جن کا وہ مستحق ہے اور نہ ہی اس کی شریعت زمین پر قائم ہوتی۔''

علامہ ابن قیمؒ جوزیہ، علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ آپ ایک عظیم حنبلی فقیہ ہیں۔ آپ اپنی کتاب طریق الهجرتين و باب السعادتين میں انبیاء کو واسطہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ويكفي في فضلهم (أي: الأنبياء) وشرفهم أن الله سبحانه وتعالى اختصهم بوحيه، وجعلهم أمناء على رسالته، وواسطة بينه وبين عباده. (۲)

''انبیاء علیھم السلام کے فضل اور شرف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ ﷻ نے انہیں اپنی وحی کے ساتھ مختص کیا ہے، اور اپنی رسالت کے ساتھ اَمین بنایا ہے،

---

(۱) ابن تيمة، الصارم المسلول، ۲۴۹

(۲) ابن قيم، طريق الهجرتين وباب السعادتين، ۱:۵۱۵

اور اِنہیں اپنے اوراپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے‘‘

عمدۃ المفسرین علامہ احمد صاوی مالکی علیہ الرحمۃ ہر اُمت کے لیے انبیا کو اور تمام انبیا کے لئے حضور ﷺ کو واسطہ قرار دیتے ہوئے تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں:

فَالْأَنْبِيَاءُ وَسَائِط لأُمَمِهِمْ فِي كُلّ شَيْءٍ وَوَاسِطَتُهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ. (۱)

’’انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اُمتوں کے لئے ہر شے میں واسطہ ہیں اور انبیاء کا واسطہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔‘‘

علامہ صاوی حضور ﷺ کو اَلْوَاسِطَةُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَهُوَ الْوَاسِطَةُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ حَتّٰى آدَمَ. (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ہر واسطہ کا واسطہ ہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کا بھی واسطہ ہیں۔‘‘

اَئمہ و محدّثین نے اِس اَمر کی صراحت کی ہے کہ محض عقل کے بل بوتے پر معرفت الٰہی ممکن نہیں، یہ رسول ہی تھے جن کے واسطہ سے لوگ دین سے آشنا ہوئے۔ ہمارے عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کی اساس اس پر قائم ہے کہ واسطۂ نبوت و رسالت ناگزیر اور اٹل حقیقت ہے۔

۶۔ قبل از اسلام یہود کا عقیدہ

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل یہود، مشرکینِ عرب پر فتح حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ اور واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) صاوی، تفسیر صاوی ۱: ۱۰۷

(۱) صاوی، تفسیر صاوی، ۱:۲۲

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا.(۱)

’’حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان پر اترنے والی کتاب ’’قرآن‘‘ کے وسیلے سے) کافروں پر فتحیابی (کی دعا) مانگتے تھے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں یہودیوں کا ایک عمل بیان ہوا ہے جس کی قرآن مجید نے تصدیق فرمائی اور جملہ محدثین و مفسّرین کرام نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب گزشتہ اُمتوں کا ہمارے آقا و مولیٰ حضور نبی اکرم ﷺ سے توسُّل کرنا ثابت ہے تو پھر اس امت کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنا تو بطریقِ اولیٰ جائز اور درست عمل ہے۔

۷۔ واسطہ کی تقسیم

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ ہر واسطہ شرک نہیں ہوتا بلکہ صرف واسطۂ تعبد یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حصولِ تقرب کے لئے (بطورِ وسیلہ) کسی کی عبادت کرنا شرک ہے جیسے کفار و مشرکین بت پرستی کے جواز کے لئے عبادت کا واسطہ اختیار کرتے تھے۔ بنیادی طور پر وسائط کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ واسطۂ شرعیہ

۲۔ واسطۂ شرکیہ

واسطۂ شرعیہ کا مفہوم

ہر اس عمل اور فعل کو اختیار کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، وہ فی نفسہٖ تقرب الی اللہ کے لئے واسطۂ شرعی کا حکم رکھتا ہے۔ واسطۂ شرعی کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔ واسطہ کی حقیقت و اہمیت سے عدمِ آگاہی کے سبب مطلقاً یہ حکم لگا دینا کہ ہر واسطہ شرک ہے قطعاً درست نہیں مثلاً دورانِ نماز استقبالِ قبلہ (قبلہ کی طرف منہ کرنا) واسطۂ شرعیہ ہے۔ اس واسطہ کے ذریعہ کعبہ کی عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اس کی طرف

(۱) البقرہ، ۲: ۸۹

منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی جاتی ہے۔

واسطہ شرکیہ کی تعریف

ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت ﷺ کے بغیر واسطہ اختیار کرنا شرعی نہیں بلکہ شرکیہ واسطہ ہے مثلاً کفار و مشرکین کا اپنے معبودانِ باطلہ یعنی لات وعزیٰ وغیرہ کی عبادت و پرستش کرنا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا شرکیہ واسطہ ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص انبیاء و اولیاء کا واسطہ اس غلط تصور کی بنیاد پر اختیار کر لیتا ہے کہ جس طرح انسانوں کے معاشرے میں وزراء کی سفارش کے بغیر بادشاہ کے یہاں کوئی کام نہیں بنتا اسی طرح واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ بھی نہ دعائیں سنتا ہے اور نہ عبادت قبول کرتا ہے، ایسا عقیدہ رکھنا بلاشبہ شرک ہے کیونکہ بادشاہ اور وزیر کے باہمی تعلق کو اللہ تعالی اور انبیاء واولیاء کرام کے تعلق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بادشاہ یا حکمران اپنے وزراء کی اعانت ومشاورت کا حاجت مند ہوتا ہے، اس باہمی تعلق میں دونوں انسان ہیں اور دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ ان حقوق میں سے ایک اعانت ومشاورت کا حق ہے جن کا بادشاہ بطورِ انسان محتاج اور ضرورت مند ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات قادرِ مطلق ہے، وہ احکم الحاکمین ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی برگزیدہ ہستی خواہ نبی ہو یا ولی وہ کسی کی معاونت، مشاورت اور حکم و تجویز کا محتاج نہیں اور نہ کسی کا اللہ تعالی پر کوئی حق ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء اکرام کے توسُّل کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے، یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ جبر واکراہ منوانے پر کوئی بھی قادر نہیں ہے۔ اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے فضل و کرم اور اپنی شانِ عطا سے نوازتا ہے۔ وہ محض اپنے فضل و کرم سے ان کی دعاؤں کی شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص شفیع اور غالب کا عقیدہ رکھ کر واسطہ اختیار کرے تو ایسی صورت میں ہم اسے واسطۂ شرعیہ نہیں واسطۂ شرکیہ کہیں گے۔

آئندہ فصول میں وسائط پر قدرے تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

فصل اَوّل

عالمِ اَمر سے عالمِ حشر تک
خالق و مخلوق کے درمیان
واسطۂ عظمیٰ

آیاتِ بینات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں واسطہ اور وسیلہ بنانا اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی سنت ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود ذات و صفات اور افعال میں سے کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب واسطہ بن سکتی ہے؟ ان شرعی وسائط کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے لیکن یہاں ہم سب سے پہلے کائنات ہست و بود کی سب سے بڑی ہستی ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی اِس حیثیت کا مطالعہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ بنایا۔ عالمِ امر و خلق ہو یا عالمِ ارواح، عالمِ دنیا ہو یا عالمِ برزخ یا عالمِ حشر، ازل سے ابد تک ہر جگہ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مقدّسہ ہی ہمیں نظر آتی ہے جو ہر ہر لمحے پر مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ بن رہی ہے۔

ذیل میں ہم بالترتیب ان تمام مراحل اور ان میں حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطۂ جلیلہ کی مرکزی حیثیت کا بالاختصار تذکرہ کر رہے ہیں۔

ا۔ تخلیقِ کائنات اور واسطۂ رسالت محمدی ﷺ

قرآن و حدیث اور ان کی تشریحات وتوضیحات کا تمام ذخیرہ چھان لیں ہمیں از اوّل تا آخر ایک ہستی، ایک ذات اور ایک شخصیت دکھائی دیتی ہے جو اس پوری بزم کون و مکان میں محبوبیت عظمیٰ کے مقام پر فائز ہے اور وہ ہے ...... ہمارے آقائے نامدار حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کی ذاتِ اقدس ...... تمام خلق میں کوئی آپ ﷺ سے بڑھ کر کیسے ہوتا کہ خالق نے تو اس عالم و ارض و سماء میں جن و انس اور موت وحیات کا نظام بنایا ہی انہی کے لیے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی کا مضمون ملاحظہ

کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وعزتی و جلالی لولاك ما خلقت الجنّة ولولاك ما خلقت الدّنيا. (۱)

''میری عزت وعظمت کی قسم، اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو جنت کو بھی پیدا نہ کرتا اور اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو پھر دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔''

ایک اور حدیث جسے کثیر ائمہ ومحدثین نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ. (۲)

''محبوب! اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو کائنات ہست و بود کو بھی وجود میں نہ لاتا۔''

معروف مفسر امام آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) نے تفسیر روح المعانی میں حقیقت محمدیہ ﷺ کے بیان میں اس حدیث کو بیان کیا ہے پھر اسی روایت کو سورۃ الفتح کی آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا میں ''لَکَ'' کی تفسیر میں لکھا ہے:

أن لام (لَكَ) للتعليل و حاصله أظهرنا العالم لأجلك و هو فی معنی ما يرونه من قوله سبحانه (لولاك لولاك ما خلقت الأفلاك). (۳)

''(لَکَ) میں لام تعلیل کے لئے ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ہم نے عالم کو آپ کی خاطر ظاہر کیا، اس کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیان ہوا ہے کہ

(۱) ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۲۲۷، رقم: ۸۰۳۱

(۲) ۱۔ عجلونی، كشف الخفاء، ۲: ۲۱۴، رقم: ۲۱۲۳

۲۔ آلوسی، تفسير روح المعانی، ۱: ۵۱

(۳) آلوسی، تفسير روح المعانی، ۲۶: ۱۲۹

(اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس کائنات کو پیدا نہ کرتا۔‘‘

معلوم ہوا کہ مفسرین اور دیگر ائمہ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ الفاظ میں فرق تو ہوسکتا ہے لیکن معناً یہ روایت بالکل درست ہے، نورِ نبی ﷺ کی اوّلیتِ تخلیق کے حوالے سے ذخیرۂ کتبِ احادیث میں کئی روایات ملتی ہیں۔ علامہ عجلونی (۱۱۶۲ھ) نے مذکورہ بالا روایت کے بارے میں لکھا ہے۔

و أقول لكن معناه صحيح و إن لم يكن حديثاً.[1]

’’میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حدیث نہ بھی ہو تو بھی یہ روایت معناً صحیح ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کے باب میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ائمۂ عقائد کے نزدیک آپ ﷺ کے نور کی (تخلیق کے اعتبار سے پوری کائنات پر) حقیقی اوّلیت ہر قسم کے شک و شبہ اور اختلاف سے بالاتر ہے۔

وہ ائمہ جو عقائد میں سند کا درجہ رکھتے ہیں جن کی عمریں توحید اور شرک کا صحیح مفہوم سمجھانے میں صرف ہوئیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نورِ محمدی ﷺ کو سب سے پہلے تخلیق کیا گیا انہی ائمہ میں سے ایک امام ابو الحسن اشعری ہیں جو عقائد میں امام علی الاطلاق ہیں، حدیث نور کی شرح میں وہ فرماتے ہیں:

الله تعالى نور، كالأنوار، والرّوح النّبوية القدسيّة لمعة من نوره والملئكة شرر تلك الأنوار، وقال ﷺ أوّل ما خلق الله نوری ومن نوری خلق كل شئ.[2]

’’اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی روحِ مقدّسہ اسی نور کی ایک چمک ہے اور فرشتے انہی انوار کا پرتو ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ

(۱) عجلونی، كشف الخفاء، ۲: ۲۱۴، رقم: ۳۱۲۳

(۲) فاسی، مطالع المسّرات: ۲۶۵

نے میرا نور پیدا کیا اور باقی ہر چیز میرے نور سے پیدا کی۔‘‘

اَئمۂ کاملین اور اجل محدثین و مفسرین کرام نے تخلیقِ محمدی ﷺ کے حوالے سے مروی احادیث کو قبول کر کے اپنی گراں قدر تصانیف میں جگہ دی ہے اور پھر ان کی تشریح و تعبیر کر کے یہ ثابت کیا کہ آقائے دوجہاں ﷺ تمام مخلوقات سے نہ صرف افضل و برتر ہیں بلکہ وجہ تخلیقِ کائنات بھی آپ ﷺ ہیں یعنی کائنات کو وجود میں لانے کا واسطہ بھی آپ ﷺ ٹھہرے، بقول مولانا ظفر علی خان ؎

گر ارض و سما کی محفل میں لَوْلَاكَ لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں (۱)

تخلیقِ کائنات میں واسطۂ رسالت ﷺ کو ایک نعتیہ شعر میں اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ نے کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے (۲)

۲۔ عالمِ اَرواح اور واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ

عالمِ اَرواح میں جب تمام اَنبیاء کرام علیہم السلام کو خلعتِ نبوت سے مشرف فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے نہ صرف واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ کی اہمیت و افادیت بیان فرمائی بلکہ اس واسطۂ عظمیٰ کو ہی نبوت و رسالت کے مناصبِ جلیلہ کی تفویض کا ذریعہ قرار دیا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ

(۱) مولانا ظفر علی خان
(۲) احمد رضا خاں، حدائق بخشش، ۱: ۶۲

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○[1]

’’اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اِقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں○‘‘

اللہ تعالیٰ جب تمام پیغمبروں سے مناصبِ نبوت و رسالت کا حلف لے رہا تھا تو اس مجلسِ جلالت و مرتبت اور علوِ شان کا عالم کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ انسانی عقل و شعور کی حدِ ادراک سے باہر ہے۔ لیکن ہماری عقلِ ناقص اس اُلوہی مجلس کی عظمت و شان کے ایک پہلو کا یوں اندازہ لگا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انبیاء و رسل علیھم السلام کے اس مقدّس اجماع میں اپنی شان کے لائق اپنے رسولِ اعظم و آخر ﷺ کی قدر و منزلت کا اظہار فرمایا۔ اسی قدر و منزلت کے اظہار کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان کی شرط عائد فرما کر انبیاء و رسل علیھم السلام کو اس واسطہ کی اہمیت باور کروائی۔ اس مجلس میں بڑے اِہتمام سے اس حلف کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کو بطورِ خاص بتایا گیا کہ تمہیں نبوت و رسالت کی عظیم نعمت اور جلیل القدر منصب دیا جارہا ہے اس شرط کے ساتھ کہ تم میں سے ہر ایک کی رسالت و نبوت بالواسطہ میرے محبوب خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے چراغِ نبوت و رسالت سے مستنیر اور مستفیض ہوگی۔

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۸۱

چنانچہ کسی نبی علیہ السلام کو بھی عالمِ ارواح میں اس وقت تک نبوت عطا کی گئی، نہ کسی رسول علیہ السلام کو شعور رسالت سے بہرہ ور کیا گیا۔ جب تک کہ اسے نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ کا شعور نہیں دے دیا گیا بلکہ ہر نبی کو نبوت و رسالت کے اقرار و اِدراک سے بھی پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرایا گیا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر نبی کو پہلے نبوتِ مصطفوی ﷺ پر ایمان لانا ضروری تھا، اور اس ایمان لانے کے توسُّل اور توسُّط کے طفیل حضراتِ انبیاء علیھم السلام کو منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا۔اسی لئے امام بوصیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بحرِ جود وسخا سے انبیاء علیھم السلام بھی دامنِ مراد بھرتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ(۱)

(تمام انبیاء علیھم السلام حضور نبی اکرم ﷺ کے بحرِ کرم و عطا اور ابر رحمت سے چلو بھریا مانندِ قطرۂ آب کے خواست گار ہیں۔)

اس واسطۂ عظمیٰ ﷺ کی تصدیق کر کے ہی انبیائے کرام علیھم السلام میں سے ہر ایک اپنی اپنی نبوت سے سرفراز ہوئے۔ انہیں یہ نعمتِ رسالت عمومی حیثیت سے نہیں ملی تھی بلکہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنے کے لئے آپ ﷺ کے شایانِ شان تمام ارواحِ انبیاء کرام علیھم السلام کی مجلس منعقد فرمائی اور سب سے وعدہ لے کر نہ صرف انہیں ایک دوسرے کا شاہد بنایا بلکہ خود کو اپنے محبوب ﷺ کی نبوت کے گواہوں میں شامل ہونے کا اعلان فرما دیا۔

۳۔ عالم دنیا اور واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ

عالمِ دنیا میں جب اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات یعنی انسان کی تخلیق کا آغاز

(۱) بوصیری، قصیدۃ بردۃ

فرمایا تو سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر انہیں مسجودِ ملائکہ بنایا اور انہیں حقائق اشیاء کا علم عطا فرما کر فرشتوں پر فضیلت عطا کی۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اس برگزیدہ بشر اوّل کو نبوت کی نعمت سے سرفراز فرما کر آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ وہاں قدرت کی طرف سے آپ کو ایک امتحان میں ڈالا گیا جس کے نتیجے کے طور آپ کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا، یہ سارے واقعات قرآن حکیم میں بالتفصیل بیان ہوئے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی پھر اس کو معاف کیا گیا لیکن یہ معافی انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطۂ جلیلہ کے طفیل نصیب ہوئی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لی، فقال الله: يا آدم، و كيف عرفت محمداً ولم أخلقه؟ قال: يا رب لأنك لما خلقتنى بيدك، و نفخت فيَّ من روحك، رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبًا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحبّ الخلق إليك، فقال الله تعالىٰ: صدقت يا آدم، إنه لأحب الخلق إليّ، و إذ سألتنى بحقّه فقد غفرت لك، و لو لا محمد ما خلقتك۔ (1)

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۶۸۲، رقم: ۴۲۲۸

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۶: ۳۱۳، رقم: ۶۵۰۲

اس روایت کو ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸: ۲۵۳) میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق الکبیر (۷: ۴۳۷) میں، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ، (۱: ۸۱) میں، سیوطی نے الخصائص الکبریٰ، (۱: ۱۲) اور الدر المنثور (۱: ۱۴۲) میں، حلبی نے انسان العیون (۱: ۳۵۵) میں اور قسطلانی نے المواہب اللدنیۃ (۱: ۸۲) میں روایت کیا ہے۔

''جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ اُلوہیت میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میں تجھ سے بواسطہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما دے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ ابھی میں نے ان کو (دنیا میں) پیدا بھی نہیں کیا؟ عرض کیا: اے میرے رب! میں نے انہیں اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے میرے اندر روح پھونکی، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا: **لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔ سو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے مقدس نام کے ساتھ ایسی ہستی کے نام کو ملایا ہے جو تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیاری ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے صحیح سمجھا، واقعی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔''

۴۔ عالمِ برزخ اور واسطۂ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابتدائے کائنات سے اختتام تک ہر مرحلۂ حیات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ہونا صحیح اَحادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ عالمِ اَمر اور دنیا میں جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسطہ ہیں اسی طرح عالمِ برزخ میں بھی واسطۂ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناگزیر ہے۔ یعنی قبر میں نجات بھی واسطۂ رسالت کے بغیر نہیں مل سکتی۔ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قبر میں تین سوالات پوچھے جائیں گے (۱) بتا تیرا رب کون ہے؟ (۲) تیرا دین کیا ہے اور آخر میں تیسرا سوال ہوگا (۳) اس ہستی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ محققین علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے دو سوالات کے جوابات درست دے بھی دے لیکن اگر تیسرا جو لازمی سوال ہے اس میں ناکام رہا تو پھر دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ احادیثِ

مبارکہ سے اس بات کی قطعی تائید ملتی ہے۔ بخاری شریف اور دیگر کتبِ صحاح میں بشمول مسند احمد بن حنبل میں اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی آقائے دو جہاں ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ قبر میں فیصلہ کن سوال صرف آپ ﷺ کے بارے میں ہوگا۔ ان کتب میں صرف ایک سوال کا ذکر ہے جو آقائے دو جہاں ﷺ کی پہچان کے بارے میں ہوگا اور یہی نجات کی شرط اور واسطہ ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ ﷺ، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهُ. فَيُقَالُ لَهُ: أُنْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَكَ اللهُ بِهِ مَقْعَداً مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيعاً. قَالَ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِي! كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ! فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ.(۱)

''بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے لواحقین واپس چلے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ۱: ۴۶۲، رقم: ۱۳۰۸،

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب التی یصرف بها فی الدنیا أهل الجنة وأهل النار، ۴: ۲۲۰۰، رقم: ۲۸۷۰

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب السنة، باب فی المسألة في القبر وعذاب القبر، ۴: ۲۳۸، رقم: ۴۷۵۲

جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر کہتے ہیں: تو اس شخص یعنی (سیدنا محمد ﷺ) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ اگر مومن ہو تو کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے کہا جائے گا: (اگر تو ایمان نہ لاتا تو تیرا ٹھکانا جہنم میں ہوتا) جہنم میں اپنے اس ٹھکانے کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے (نیک اعمال کے سبب) اس کے بدلے جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے۔ پس وہ دونوں کو دیکھتا ہوگا، اور اگر منافق یا کافر ہو تو اس سے پوچھا جائے گا: تو اس شخص (یعنی سیدنا محمد ﷺ) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ وہ کہتا ہے: مجھے تو معلوم نہیں، میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جائے گا: تو نے نہ جانا اور نہ پڑھا۔ اسے لوہے کے گُرز سے مارا جائے گا تو وہ (شدت تکلیف سے قبر میں) چیختا چلاتا ہے جسے سوائے جنات اور انسانوں کے سب قریب والے سنتے ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: الْمُنْكَرُ، وَ الآخَرُ: النَّكِيْرُ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: مَا كَانَ يَقُوْلُ: هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ هَذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِيْنَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيْهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ، فَيَقُوْلُ: أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ؟ فَيَقُوْلَانِ: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِي لَا يُوْقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتَّى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ وَ إِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ:

سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ الْتَئِمِي عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ فِيْهَا أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ. (۱)

’’جب میت کو یا تم میں سے کسی ایک کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے نیلگوں آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ وہ دونوں اس میت سے پوچھتے ہیں۔ اس عظیم ہستی (رسولِ مکرم ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ شخص وہی بات کہتا ہے جو دنیا میں کہا کرتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ﷺ ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بیشک حضور نبی اکرم ﷺ اس کے (خاص) بندے اور رسول ہیں۔ فرشتے کہیں گے ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا پھر اس کی قبر کو لمبائی و چوڑائی میں ستر ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور نور سے بھر دیا جاتا ہے پھر اسے کہا جاتا ہے: (آرام سے) سو جا، وہ کہتا ہے میں واپس جا کر گھر والوں کو بتا آؤں۔ وہ کہتے ہیں نہیں، (اب تو نئی نویلی) دلہن کی طرح سو جاؤ، جسے گھر والوں میں سے اسے محبوب ترین شخص ہی اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (روزِ محشر) اُسے اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر وہ شخص منافق ہو تو (سوالات کے نتیجے میں) کہے گا: میں نے ایسا ہی کہا جیسا میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا، میں نہیں جانتا (وہ صحیح تھا یا غلط)۔ پس وہ دونوں فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم ایسا

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب: ما جاء فی عذاب القبر، ۳: ۳۸۳، رقم: ۱۰۷۱
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۳۸۶، رقم: ۳۱۱۷

ہی کھو گے۔ پس زمین سے کہا جائے گا کہ اس پر تنگ ہو جا پس وہ اس پر اکٹھی ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں داخل ہو جائیں گی وہ مسلسل عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس ٹھکانے سے اٹھائے گا۔‘‘

مذکورہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قبر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی پہچان کا لازمی سوال ہو گا اور اس میں کامیابی ہی نجات کا باعث ہو گی۔ معلوم ہوا کہ عالمِ برزخ میں نجات کا واسطہ و وسیلہ بھی ذاتِ رسالتمآب ﷺ ہی ہیں پس جو شخص دنیا میں ذاتِ رسالتمآب ﷺ سے اپنا تعلق مضبوط کرے گا اسے عالمِ برزخ میں بھی اسی واسطہ کے باعث نعمتوں بھرا جنت کا ٹھکانا نصیب ہو گا۔

۵۔ عالمِ حشر اور واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ کی ناگزیریت

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ روزِ قیامت بھی شدت تکلیف میں تمام لوگ جمع ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئیں گے اور آپ ﷺ کو حضورِ الٰہ میں واسطۂ شفاعت بناتے ہوئے عرض کریں گے کہ ہمارے لیے اللہ کریم کے حضور سفارش کریں تاکہ حساب و کتاب کا مرحلہ جلدی شروع ہو اور ہم اس جان لیوا تکلیف سے نجات پائیں۔ اس روز ربِ ذوالجلال آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ یہ وہ اعلیٰ اور ارفع مقام ہے جو صرف آپ ﷺ کی شانِ نبوت کے لیے مختص ہے چنانچہ آپ ﷺ کے اس مقام و مرتبہ پر فائز ہونے سے جمیع امم کو فائدہ ہو گا۔ آپ ﷺ لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور آپ ﷺ کے واسطۂ عظمیٰ سے لوگوں کو نجات ملے گی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○[1]

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۹

''یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمٰی جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے) پر فائز فرمائے گا۔''

احادیثِ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ ﷺ کی خاطر حساب و کتاب شروع فرمائے گا۔ حضرت آدم بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ النَّاسَ يَصِيْرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثاً، كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا يَقُوْلُوْنَ: يَا فُلَانُ اشْفَعْ، يَا فُلَانُ اشْفَعْ حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذٰلِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ. (۱)

''روزِ قیامت سب لوگ گروہ در گروہ ہو جائیں گے۔ ہر امت اپنے اپنے نبی کے پیچھے ہو گی اور عرض کرے گی: اے فلاں! شفاعت کیجئے، اے فلاں! شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی بات حضور نبی اکرم ﷺ پر آ کر ختم ہو گی۔ پس اس روز شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُو يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسَى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ. (۱)

''قیامت کے روز سورج لوگوں کے بہت قریب آ جائے گا یہاں تک کہ پسینہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا، ۴: ۱۷۴۸، رقم: ۴۴۴۱
۲۔ النسائی، السنن الکبری، سورة الإسراء، ۶: ۳۸۱، رقم: ۲۹۵

نصف کانوں تک پہنچ جائے گا لوگ اس حالت میں (پہلے) حضرت آدم علیہ السلام سے مدد مانگنے جائیں گے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، اور بالآخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگیں گے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس کائناتِ ہست و بود کے ہر مرحلے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ ہے۔ یہ کائنات اپنے وجود اور ارتقاء میں اسی واسطۂ جلیلہ کی محتاج ہے۔ ایمان کا سفر بھی از اوّل تا آخر ہر ہر لمحہ واسطۂ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستنیر ہے۔ انسان اپنے آغاز سے انجام تک اور قبر سے حشر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ممتاز اور مشرف ہو گا۔ کفر اور ایمان کے درمیان جاری زندگی کے حسین انجام کا فیصلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی بنیاد پر ہو گا۔

فصل دُوُم

واسطۂ رِسالت ﷺ کی دینی اَہمیت

گزشتہ صفحات میں جس طرح ہم اس حقیقت سے روشناس ہوئے کہ عالمِ امر سے عالمِ خلق تک اور عالمِ ارواح سے عالمِ حشر تک، انبیاء و رسل ہوں یا عام انسان، ہر کسی کو حسبِ حال ہر اہم مرحلے پر واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ سے اکتسابِ فیض کی ضرورت پڑتی رہی اور پڑتی رہی گی۔ جس طرح ہر موڑ پر اور ہر قدم پر نظامِ قدرت کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ محتشم رسولِ معظم نبیٔ اکرم ﷺ کا واسطۂ جلیلہ باعثِ نجات و برکت بنایا ہے بالکل اسی طرح مسلمان ایمان کے حصول سے لے کر اس کی حفاظت و اِرتقاء اور اعمال و افعال کی قبولیت تک، ہر لمحہ رسول اللہ ﷺ کے توسّط، توسّل اور تعلقِ محبت کا محتاج ہے۔ ذیل میں ہم اس کی مزید تفصیلات زیرِ بحث لاتے ہیں۔

۱۔ واسطۂ رسالت ﷺ کے بغیر توحید ایمان نہیں بن سکتی

قرآنِ مجید میں کفار و مشرکین کے تصورِ توحید اور وجودِ باری تعالیٰ سے متعلق ان کے عقیدے کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُونَo اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌo وَلَئِنْ سَأَلْتَهُم مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَo[1]

---

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۱-۶۳

''اور اگر آپ اِن (کفّار) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تابع فرمان بنا دیا تو وہ ضرور کہہ دیں گے: اللہ نے، پھر وہ کدھر الٹے جا رہے ہیںo اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے، اور جس کے لئے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہےo اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اُتارا پھر اس سے زمین کو اس کی مُردنی کے بعد حیات (اور تازگی) بخشی تو وہ ضرور کہہ دیں گے اللہ نے، آپ فرما دیں: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر (لوگ) عقل نہیں رکھتےo''

اِن آیاتِ مبارکہ سے پتہ چلا کہ کفار کا عقیدۂ توحید چونکہ خودساختہ اور اِقرارِ رسالت سے خالی ہے اس لیے وہ ایمان نہیں بن سکتا کیونکہ توحید بننے کے لئے واسطۂ رسالت شرط ہے۔ وہ عقیدہ جو واسطۂ رسالت سے حاصل ہو وہی ایمان بنتا ہے جیسے سورۂ نجم میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo(۱)

''اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔''

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے کلام کرنے کو کسی بھی ذاتی خواہش سے مبرا قرار دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ ﷺ اپنی زبانِ حق ترجمان سے بیان کرتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔ ان پر جو وحی نازل ہوتی ہے اسے وہ من وعن آگے منتقل (communicate) کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام و پیغام پہنچانے کے لئے آپ ﷺ کی نبوت کو واسطہ بنایا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) النجم، ۵۳: ۳۔۴

وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ.(۱)

''اور (جو لوگ) اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دیئے اور ان کا حال سنوار دیا۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے ایک معیارِ ایمان قائم کر دیا وہ یہ کہ جو کچھ اس نے اپنے محبوب محمد ﷺ پر نازل کیا وہی حق ہے اور جو گفتۂ حق انہوں نے اپنی زبان سے بیان کر دیا ''وَهُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ'' (وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے) اور حق بات کے سوا اور کچھ نہیں جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے کہ زبانِ رسالتمآب ﷺ سے سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی بات صادر نہیں ہوئی۔

۲۔ ہدایت پر استقامت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

جس طرح ہدات پانے کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ کی ضرورت ہے اسی طرح ہدایت پر قائم رہنے اور استقامت حاصل کرنے کے لئے بھی بارگاہِ اُلوہیت میں صرف ایک واسطہ اور ذریعہ ہے اور وہ ہے واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا:

وَ كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَ أَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللهِ وَ فِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَ مَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللهِ فَقَدۡ هُدِيَ إِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ○(۲)

''اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود

(۱) محمد، ۴۷:۲

(۲) آل عمران، ۳: ۱۰۱

ہیں، اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔‘‘

یہ آیتِ کریمہ بھی توسُّط پر دلالت کرتی ہے۔ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسا واسطہ اور ذریعہ ہیں جس کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر راہِ ہدایت کی روشنی عطا فرماتا ہے۔ جبکہ وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ کفر کی طرف پلٹ کر نہ جانا بھی رسول ﷺ کے وسیلہ اور واسطہ سے ہے۔ یعنی ہدایت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ کے وسیلہ سے اور اس ہدایت پر استقامت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے۔ اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے۔ وہ براہِ راست ہدایت دے سکتا ہے مگر جب وہ خود فرماتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے ہمیں ہدایت پر قائم رکھے گا تو اس سے ہمارے لئے یہی ثابت ہوا کہ واسطۂ رسالت ﷺ ہی ہمارے لئے دین و دنیا میں ڈھال ہے۔ دنیا میں کفر کے ارتکاب سے اور آخرت میں عذابِ جہنم سے۔

سورۂ انفال میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيْهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○(۱)

’’اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت سے عذاب ٹال دینے کی دو وجوہات

(۱) الانفال، ۸: ۳۳

بیان فرمائیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی ان میں موجودگی

۲۔ اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت

سب سے پہلے امت کے اندر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو عذاب سے ڈھال قرار دیا۔ اس کے بعد اپنے حضور طلبِ مغفرت کو عذاب ٹلنے کا سبب فرمایا۔ بارگاہِ اُلوہیت میں طلبِ مغفرت سے بھی مقدم رسول ﷺ کا واسطہ بیان کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب تک رسول ﷺ موجود ہیں ان کے وسیلہ سے امت پہ عذاب نہیں آ سکتا۔ بعض لوگ اس سے ظاہری حیاتِ طیبہ مراد لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ درست نہیں۔ یہاں بالکل ایسی کوئی بات نہیں کہ ظاہری حیاتِ مبارکہ میں تو توسُّل جائز ہو اور بعد از ممات ناجائز ہو جائے بلکہ یہاں مطلقاً آپ ﷺ کی موجودگی کا ذکر ہے کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک قائم ہے اور آپ ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ بھی حیات ظاہری کی طرح اب بھی جائز ہے۔

۳۔ حصولِ تقویٰ کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

تمام عباداتِ الٰہیہ کا مقصد حصولِ تقویٰ ہے، جیسے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیّت کا مقصد بیان فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ (۱)

”اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ o“

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۳

لیکن یہ تقویٰ کیسے حاصل ہو؟ انسان کیسے متقی بن سکتا ہے؟ اگر تقویٰ تمام نیکیوں کی اصل ہے تو اس سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ ذہن سے اٹھنے والے ایسے سوالات کا جواب ہمیں قرآن حکیم کی اس ایک آیت سے مل جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (۱)

’’اور جو شخص سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ ہی تو متقی ہیں ○‘‘

اس آیتِ کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے اکثر مفسرین نے بالاتفاق اَلَّذِیْ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی مراد لی ہے۔ یہاں بطورِ استشہاد چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ’’وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ‘‘ کے تحت مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور ابنِ زید سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ هو رسول الله ﷺ. (۲)

’’وہ ذات جو صدق لے کر آئی اس سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔‘‘

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اسی طرح توضیح فرمائی ہے۔

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ النبی ﷺ ﴿وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ أبو بکر رضی اللہ عنہ. (۳)

’’یعنی اَلَّذِیْ سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ اور صَدَّقَ به سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘

(۱) الزمر، ۳۹: ۳۳
(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۴
(۳) سیوطی، الدر المنثور، ۷: ۲۸۸

اہلِ علم جانتے ہیں کہ ''اُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ'' کلمۂ حصر ہے، قرآن حکیم تقویٰ کے مفہوم کو متعین کرنے کے بعد ان کلمات کو بطورِ حصر لا کر میعارِ تقویٰ کو واضح کرتے ہوئے یہاں ایک شرط لگا رہا ہے، جس کو پورا کئے بغیر کوئی شخص بھی تقویٰ کا دعویدار نہیں ہوسکتا۔ جو اس شرط کو پورا کرے گا وہی متقی ہوگا اور جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ اگر عبادت و ریاضت کے پہاڑ بھی اپنے کندھوں پر اٹھاتا پھرے، متقی نہیں بن سکتا۔

تقویٰ کی شرط

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی شرط ہے جس پر تقویٰ کا انحصار ہے ارشاد فرمایا گیا: الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ، وہ ذاتِ محمدی ﷺ جو سچائی لے کر آئی اور جس نے اس سچائی کی تصدیق کی، اُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ، وہی متقی ہیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیلاً ذکر ہو چکا کہ اس آیت کے پہلے حصے سے مراد تو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ''اُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ'' میں بھی آپ ﷺ شامل ہیں کیونکہ نبی خود بدرجہ اولیٰ اپنی نبوت کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ تفاسیر میں اس آیت کے تحت اس کی بھی وضاحت ملتی ہے مثلاً تفسیر روح البیان میں ہے۔

> ودلت الآية على انّ النبي عليه السلام يصدق أيضاً بما جاء به من عند الله ويتلقاه بالقبول كما قال الله تعالى: ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ. (البقره، ۲: ۲۸۵)'' (۱)

> ''یہ آیتِ کریمہ اس بات کی شاہد ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی اس حقیقت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں، جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت فرمائی گئی، اور آپ ﷺ بھی (دوسروں کی طرح) اس پر ایمان لائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(وہ) رسول (ﷺ) اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی

(۱) إسماعيل حقي، تفسير روح البيان، ۸: ۱۰۸

تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔‘‘

مگر توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ کو متقی کہنا آپ ﷺ کے کمال کا اظہار ہے؟ آیتِ مبارکہ کا مدعا یہاں ہرگز یہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی ذآتِ بابرکات تو متقی گر ہے۔ آپ ﷺ تو تقویٰ کی دولت تقسیم فرماتے ہیں بلکہ آپ ﷺ تقویٰ کی وہ بنیاد لے کر زینت آراء بزمِ کون و مکاں ہوئے جس سے خود تقویٰ کو وجود ملا۔ لہٰذا یہاں بات اُس شخص کی ہورہی ہے جو اس سچائی کو بہ دل و جان تسلیم کرے گا اور اس کی تصدیق کرے گا۔

تصدیق کیا ہے؟

اب لفظِ صدق پر غور کرنے سے اس شرط کی نوعیت اور ضرورت مزید واضح ہوجائے گی۔ تصدیق عربی لفظ ’’صَدَقَ‘‘ سے باب تفعیل کے وزن پر ہے۔ اس کے معنٰی ’’دل کی گہرائیوں سے کسی چیز کو تسلیم کر لینے اور مان لینے کے ہیں۔ مفردات میں امام راغبؒ نے صدق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

الصِّدْقُ مُطابقةُ القَوْل الضمير والمخبرعنه معاً.ومتٰى انحرم شرط من ذالك لم يكن صِدْقًا تاماً. (۱)

’’صدق کے معنی ہیں دل و زبان کی ہم آہنگی اور بات کا نفسِ واقع کے مطابق ہونا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو کامل صدق باقی نہیں رہتا۔‘‘

لہٰذا، اس سچائی کو اس حیثیت سے ماننا ہی حقِ تقویٰ ہے۔ بالکل اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر واضح کیا اور تقویٰ کو تصدیق کرنے والوں کے ساتھ مختص کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) راغب الأصفهانی، المفردات فی غریب القرآن: ۲۷۷

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (۱)

''یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۝''

توضیحات بالا سے یہ واضح ہوا کہ آیتِ متذکرہ میں اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جن افراد نے میرے محبوب ﷺ کی لائی ہوئی سچائی کی بلا تامل تصدیق کر دی وہی صحیح معنوں میں متقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں بزرگی پائے ہوئے ہیں یہی وہ شرط ہے جو تقویٰ کے لئے ضروری ہے۔ معلوم ہوا حصولِ تقویٰ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور ان پر ایمان بنیادی چیز ہے۔

۴۔ محبتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

تقویٰ کا ماحصل رضائے الٰہی کا حصول ہے اور یہی انسانی زندگی کا نصب العین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے بغیر انسان کو اس کا قرب و رضا میسرنہیں آ سکتا۔ قرآن مومنین کی علامت بیان کرتے ہوئے یہ شہادت فراہم کر رہا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (۲)

''اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

لیکن کیا قرآن اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا طریقہ یا راستہ بھی بتاتا ہے یعنی کوئی آدمی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ قربان جائیں قرآن کی عظمت پر جو قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے، فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

(۱) البقرہ، ۲: ۱۷۷

(۲) البقرہ، ۲: ۱۶۵

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo[1]

’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ سے بے شمار مفاہیم اور حکمتیں مترشح ہیں لیکن یہاں سرِدست یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ

- اگر کوئی یہ دعویٰ رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کر کے اس کی رضا حاصل کرے اور اس کے قرب و وصال کی لذتوں سے لطف اندوز ہونا چاہے کہ یہی مقصود بندگی ہے تو یہ صرف اور صرف واسطۂ رسول ﷺ سے مشروط ہے۔
- حضور نبی اکرم ﷺ کی کامل اتباع اور تعلقِ غلامی انسان کو محبّ کے مقام سے اٹھا کر محبوبِ الٰہی بنا دیتی ہے۔
- حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطۂ اطاعت میں آنے سے پہلے انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتا تھا مگر جب غلامی اختیار کر لی تو اب نہ صرف محبت کرنے لگا بلکہ اس کا محبوب بن گیا اور اللہ جل مجدہ اس انسان کا محبّ بن گیا۔ کہاں وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خواہش کرتا تھا اور کہاں یہ مقام جہاں خدا خود اس کا محبّ بن کر ہر آن اس کی رضا چاہتا ہے؟ پھر وہ بندہ صرف بندہ نہیں، عبدہٗ اور محبّ نہیں بلکہ محبوب بن جاتا ہے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

کیا یہ سب رفعتیں، عظمتیں اور بندہ نوازیاں حضور نبی اکرم ﷺ سے جبی تعلق

(۱) آلِ عمران، ۳: ۳۱

اور توسط کا ثمر نہیں ہیں؟ یقیناً ہیں۔

۵۔ اطاعتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

محبتِ الٰہی بندے سے اطاعتِ الٰہی کا تقاضا کرتی ہے۔ تقویٰ کے عمومی تصور کے مطابق اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی تقویٰ ہے۔ قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر اطاعتِ الٰہی کی تلقین فرمائی ہے اور اس کو کامیابی کی شرط قرار دیا ہے۔

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ.[1]

’’اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں رسولوں کی بعثت کا سبب بیان کیا گیا ہے جو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِتا کہ اللہ کے حکم سے جو کچھ وہ کہیں اسے مانا جائے اور قبول کیا جائے اور ان کی اطاعت کی جائے۔ اس آیتِ کریمہ میں اس تصور کو ذہن میں راسخ کیا گیا ہے کہ نبی اور رسول علیہم السلام ہی اللہ تعالیٰ کی بات انسانوں تک پہنچانے کیلئے درمیانی واسطہ اور ذریعہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے اذن سے لوگوں تک پہنچائیں اور وہ جو کہیں اس کو سچ مانا جائے اور اس پر عمل کیا جائے کیونکہ وہی حق ہے۔ رسولوں کی جماعت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جاننے، ماننے اور ایمان لانے کا واحد ذریعہ (Source) ہے، گویا توحید اور ایمان باللہ کا تحقق صرف اور صرف نبوت و رسالت کے واسطے سے ہوتا ہے۔

۲۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی واضح الفاظ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو ہی اپنی اطاعت قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

(۱) النساء، ۴: ۶۴

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ.[1]

’’جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔‘‘

یہاں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیے جانے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی بات کو مانا جائے تبھی ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد خصوصی طور پر اطاعت رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی یا جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس آیتِ مبارکہ نے ایک بڑی قرآنی حقیقت (Qur anic fact) کو یہ کہہ کر متحقق کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا بلاواسطہ ذریعہ سوائے واسطۂ رسالت کے اور کوئی نہیں ہے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو تو یہ سمجھ کر کیا کرو کہ ہم صرف رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے ، بلکہ یہی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور حضور نبی اکرم ﷺ کی اِطاعت کے بغیر محض ایک مجرد خیال (Abstr act idea) رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ ﷻ پیکرِ محسوس نہیں ہے۔ نہ تو اس کی بات کسی کو سنائی دیتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا فعل کسی کو دکھائی دیتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم (اطاعت) پر عمل اسی طرح ہوسکتا ہے کہ بس اسی طرح آنکھیں بند کرکے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و غلامی کی جائے یہ جانتے ہوئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی ہے اور آپ ﷺ سے بغاوت و سرکشی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بغاوت و سرکشی ہے۔ حدیثِ صحیح کے الفاظ اس حقیقت کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ.[1]

---

۱) بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب اقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ۶:۲۶۵۵، رقم: ۶۸۵۲

''جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نا فرمانی کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی (اچھے اور برے) لوگوں کے درمیان معیارِ امتیاز ہے۔''

حکیم الاُمت علامہ محمد اقبالؒ بڑے اچھوتے اور خاص انداز میں حضور ﷺ کی اطاعت و پیروی کو ذاتِ الٰہی تک رسائی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عاشقی! محکم شو اَز تقیلدِ یار ﷺ
تا کمندِ تو شود یزداں شکار

(اے خدا سے عشق و محبت کا دعویٰ کرنے والے! حضور نبی اکرم ﷺ سے رابطہ و غلامی اور اطاعت کے رشتے میں پختگی پیدا کر، تاکہ ان کی غلامی کے ذریعے تیری کمندِ عشق بارگاہِ خداوندی تک پہنچ سکے۔)

بارگاہِ رسالت ﷺ سے اعراض علامتِ نفاق ہے

قرآنِ مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے وابستگی پر اَجر وثواب کا ذکر ہوا ہے جبکہ درِ رسالت ﷺ پر اپنی جبیں ہائے نیاز نہ جھکانے والوں اور بارگاہِ رسالتمآب ﷺ سے عمداً دوری اختیار کرنے والوں کی مذمت میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ﴿﴾(۲)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں○''

(۱) النساء، ۴: ۶۱

یعنی جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی اور حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبتِ غلامی استوار کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو ان میں منافق لوگ بارگاہِ اُلوہیت میں جانے سے تو انکار نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو حق تسلیم کرتے ہیں لیکن ''يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ''صرف آپ ﷺ کی بارگاہ میں آنے سے اعراض اور پس و پیش کرتے ہیں۔ بس اسی وجہ سے ان کے گلے میں منافقت کا طوق پہنا دیا گیا ہے۔

اس آیت میں مسلمان اور منافق کی پہچان کا کلیہ اور قاعدہ متعیّن فرما دیا۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے بھاگنے والے اگر بارگاہِ اُلوہیت میں جانا چاہیں تو یہ ناممکن ہے کیونکہ:

تیرے در سے جو یار پھرتے ہیں
در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں!

لیکن جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آ جائے وہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ تو ہے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ۔

۶۔ گناہوں کی بخشش و مغفرت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

قبل ازیں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ ہیں۔ اس واسطہ سے انحراف برتتے ہوئے ذاتِ خداوندی تک رسائی ہرگز ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے در سے پھرنے والوں کو اسی لیے تو منافق گردانتا ہے کہ وہ اس ذات کے واسطے کو فراموش کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ تعلق بحال کرنا چاہتے ہیں۔ جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی خبر دی اور اس کی واحدانیت اور شانِ خالقیت سے متعارف کرایا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا اگر توحید کے منافی ہے تو پھر ایسے لوگوں کو اپنے ایمان اور اسلام کی فکر کرنی چاہیئے۔

اللہ رب العزت ان کے اس زعمِ باطل کو رد کر دیا کہ نہیں محبوب! جو تیری بارگاہ میں جھکنے سے گریزاں ہے وہ میری بارگاہ میں روزانہ سجدے کرتا پھرے، ساری ساری

رات عبادت کرتا رہے اور شب و روز ریاضتیں، مجاہدے اور تسبیحات کرتا رہے اور پوری زندگی دین کے نام پر ختم کردے، اس کا وہ دین دین نہیں جس میں تیری نسبت و تعلق اور واسطے کا سبق نہ ہو۔ ان کی عبادتیں عبادت نہیں جو تیری محبت سے خالی ہوں۔ اور اس کی ان شب بیداریوں کا کوئی فائدہ نہیں جو تیری یاد میں آنکھوں کو اشکوں سے باوضو نہ رکھیں۔ یعنی جب تک وہ تیری بارگاہ میں سرِ تسلیم خم نہیں کرتے، ان کا شجرِ ایمان بے ثمر رہے گا۔ ان کی نیکیوں کی قیمت بھی تیری غلامی کی تصدیق سے پڑے گی۔ یہاں تک کہ وہ اگر اپنے گناہوں کی معافی بھی براہِ راست مجھ سے مانگیں گے تو اس وقت تک انہیں نہیں بخشوں گا، جب تک وہ تجھ سے غلامی کا رشتہ استوار نہ کرلیں۔ اس کی گواہی قرآن دے رہا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ (۱)

’’اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اوراللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت کے لئے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں آ کر آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنے اور آپ ﷺ کو واسطہ بنانے کا حکم دیا ہے۔

جَآءُوْكَ کا مفہوم

مذکورہ آیتِ کریمہ میں لفظ ’’جَآءُ وْ كَ‘‘ کے ذریعے یہ واضح کردیا گیا کہ

(۱) النساء، ۴: ۶۴

بارگاہِ رِسالت ﷺ قیامت تک لائقِ تعظیم وتکریم ہے۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے خطا کاروں کو آج بھی معافی اسی در سے تعلق اور واسطہ استوار کرنے سے ملتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کا یقین رکھتے ہوں۔ جو بھی دامنِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف متوجہ ہوگا، خواہ وہ ظاہراً بارگاہِ نبوت ﷺ کی حاضری میں ہو یا باطناً، محبت وعشق رسول ﷺ کی نسبت سے، یا اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کے ذریعے توسلاً اور توجہاً، سب صورتیں ''جاءُوْكَ '' کے تحت واسطۂ رسالت ﷺ کی تعبیریں ہیں کیونکہ

یہ گھر یہ دَر ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے
مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے!
مجرم بلائے، آتے ہیں ''جَآءُوْكَ '' ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

یہ آیتِ کریمہ صرف آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری تک محدود نہیں بلکہ بعد از وصال بھی اس کا حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہری حیاتِ طیبہ میں تھا۔ مفسرینِ کرام اور ائمہ حدیث نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔(اس کی تفصیل ہماری کتاب عقیدۂ توسّل میں ملاحظہ کریں۔)

قابلِ غور نکتہ

یاد رہے کہ اس آیتِ کریمہ میں ظلم سے مراد گناہ، نافرمانی اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی ہے۔ ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں گویا مرادی معنی یہ ہوا کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیں تو معافی کے لئے تیرے پاس آئیں۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس کو ناراض کیا گیا اب راضی کرنے بھی اس کی بارگاہ میں جانا چاہیے مثلاً اگر کوئی زید کو ناراض کردے اور معافی مانگنے کے لئے بکر کے پاس چلا جائے تو کیا زید اس کو معاف کردے گا؟ ہرگز نہیں۔ لیکن اُس دنیائے محبت کے تو اصول وقواعد ہی نرالے ہیں فرمایا:

''جَآءُوْكَ '' محبوب !اگر وہ مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے طلب گار ہیں تو تیرے پاس آئیں اور پھر فرمایا: فَاسْتَغْفَرُوا اللہ جب آ جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ یہاں کوئی سوچ سکتا تھا کہ باری تعالیٰ اگر معافی ہی لینی تھی تو وہ گھر بھی مانگی جاسکتی تھی۔ وہ کسی مسجد میں بھی تجھ سے طلب کی جاسکتی تھی، بلکہ خانہ کعبہ اور مسجدِ حرام سے بڑھ کر اور کون سا مقام ہوگا۔ لیکن تو نے اس رسول ﷺ کی بارگاہ میں پابندی کیوں لگائی؟ حالانکہ تو تو ہر جگہ اپنے بندوں کی دعا سنتا ہے کیونکہ تو نے خود ہی تو فرمایا ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۝ (۱)

''اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہِ (مراد) پاجائیں o''

پھر تیرا یہ بھی فرمان ہے کہ:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝ (۲)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیںo''

اس کے باوجود معافی کے لئے گناہگاروں کو اس رسول ﷺ کے دَر پر کیوں بلاتا ہے؟ تو فرمایا تمہیں یہی سبق سکھانا مطلوب تھا کہ:

بخدا خدا کا یہی ہے دَر، نہیں اور کوئی مفر مقر!
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۶
(۲) ق، ۵۰: ۱۶

فصل سوُم

وسائط کی اَقسام

ایمان کا اساسی اور بنیادی تصور یہ ہے کہ توحید و رسالت ایک ہی نور کی دو شعاعیں ہیں۔ یہ دونوں انوار ایک ہی منبع و سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں۔توحیدِ باری تعالیٰ تک رسائی واسطۂ رسالت ﷺ ہی سے ممکن ہے۔گزشتہ صفحات میں ہم قدرے تفصیل سے اس حقیقت پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ درِ رسالت ﷺ پر پہنچے بغیر عقیدۂ توحید کا دعویٰ خام، بے بنیاد اور غیر معتبر ہے۔ واسطۂ نبوت و رسالت کے بغیر نہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہے نہ اس کی اُلوہیت کا، نہ اس کی وحدانیت کا اور نہ ربوبیت کا۔ واسطۂ رسول ﷺ کے بغیر نہ تو خدا کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور نہ دینِ حق کی ہدایت، الغرض واسطۂ نبوت کے بغیر معبودِ حقیقی کی پہچان اور معرفت حاصل کرنے کی کوشش بھی محض ضلالت و گمراہی ہے۔ اگر دین سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کا واسطہ الگ کر دیا جائے تو اہلِ اسلام کے پاس نہ وجودِ باری تعالیٰ کا اِیقان باقی رہ جاتا ہے اور نہ ہی توحیدِ اُلوہیت کی یقینی تصدیق۔ اس طرح نہ قرآن کے وحی ہونے کی کوئی حتمی سند باقی رہتی ہے اور نہ اسلام کی صحت وحقانیت کی قطعی دلیل۔

تفہیمِ وسائط کے ذیل میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے درمیان بعض معاملات اور اُمور ایسے ہیں کہ ان کی نسبت بھی الگ نہیں اور شرعاً ان کا حکم بھی الگ نہیں۔ ان میں صرف لفظی ثنویت ہے معنوی نہیں، صرف لفظی غیریت ہے حکمی نہیں۔ یعنی ان کے درمیان اشتراک اتنا قوی اور اقرب ہے کہ وہ حکمِ وحدت کے ذیل میں آتے ہیں اور وہ اشتراک صفت مشترک نہیں بلکہ محض درمیان کے واسطے ہوتے ہیں۔کبھی رسول ﷺ کا اسمِ گرامی لیا جاتا ہے اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مقصود ہوتی ہے لہٰذا یہ طے شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت اگر درمیان سے نکال دی جائے تو

دینِ اسلام کی عمارت دھڑام سے نیچے گر جائے گی اور انسان محض ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔ جیسا کہ گزشتہ فصل میں واضح ہوگیا ہے کہ نبوت و رسالت خود بندے اور خدا کے درمیان واسطے کا نام ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت دراصل اللہ تعالیٰ کا اپنے اور بندے کے درمیان واسطہ مقرر کر دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ خود احکامِ الٰہی کی پیروی کیلئے واسطہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسلام کے رد و قبول کیلئے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور حیاتِ طیبہ کو ہی حتمی معیار اور کامل دلیل قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (1)

’’بے شک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتےo‘‘

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے تعلقِ محبت و اطاعت اُستوار کرنے کیلئے واسطۂ رسالت ناگزیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اُستوار کرنے کیلئے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق ہی واسطہ بنتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق ہے، یہ تساوی نہیں بلکہ توحید ہے، شرک نہیں بلکہ اشتراک ہے۔ یہ حکمی وحدت منافیٔ توحید نہیں بلکہ عینِ توحید ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے وسائط نہ صرف یہ کہ کلی و حتمی جواز رکھتے ہیں بلکہ شرعی احکام و فرامین کی تعمیل کے لئے انتہائی ضروری اور ناگزیر ہیں۔ ان میں سے بعض فرض، واجب، سنت مؤکدہ یا سنت غیر موکدہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ وسائط کی چند معروف اقسام درج ذیل ہیں:

۱۔ واسطۂ ایمان	۴۔ واسطۂ حرمت
۲۔ واسطۂ محبت	۵۔ واسطۂ اطاعت
۳۔ واسطۂ تعظیم	۶۔ واسطۂ حکم

(۱) یونس، ۱۰: ۱۶

۷۔ واسطۂ توجہ	۱۵۔ واسطۂ شفاعت
۸۔ واسطۂ ابلاغ	۱۶۔ واسطۂ ہدایت
۹۔ واسطۂ علم	۱۷۔ واسطۂ بیعت
۱۰۔ واسطۂ رضا	۱۸۔ واسطۂ افعال
۱۱۔ واسطۂ توسل	۱۹۔ واسطۂ ولایت
۱۲۔ واسطۂ تبرک	۲۰۔ واسطۂ اذیت
۱۳۔ واسطۂ استعانت	۲۱۔ واسطۂ مخالفت
۱۴۔ واسطۂ عطا	۲۲۔ واسطۂ نصرت

۲۳۔ واسطۂ تعبُّد

مندرجہ بالا اقسام میں سے صرف ایک آخری قسم واسطۂ تعبد واسطۂ شرکیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت خواہ تقرب الٰہی کے لیے کیوں نہ ہو شرک ہے۔ باقی سارے واسطے مختلف جہتوں سے حضور نبی اکرم ﷺ سے اور کبھی اولیاء اللہ سے اُستوار ہوتے ہیں۔ جیسے واسطہ ولایت، واسطہ حرمت و تعظیم وغیرہ۔ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے جونہی واسطہ کا لفظ آتا ہے تو اسے شرک قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ سراسر جہالت اور گمراہی ہے۔ دراصل یہ مغالطہ حقوقِ توحید اور حقوقِ رسالت نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ مطلقاً واسطہ کا انکار کر دینا سراسر غلط اور نصِ صریح کا انکار ہے جو انکارِ رسالت ﷺ کے ذریعہ کفر کی طرف لے جاتا ہے۔

ذیل میں ہم مندرجہ بالا وسائط کی مختصراً وضاحت پیش کرتے ہیں تاکہ ہر ایک کی اہمیّت سمجھ میں آجائے۔

۱۔ توحید اور واسطۂ ایمان

معرفت باری تعالیٰ اور اتباع و اطاعتِ رسول ﷺ کے لئے ایمان ایک بنیادی واسطہ ہے۔ یہ واسطہ ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محبوب رسول حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے

نصیب ہوا ہے۔ صحیح عقیدۂ توحید تب متحقق ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، یوم آخرت پر، جنت اور جہنم پر اور اچھی اور بری تقدیر پر کامل ایمان لایا جائے۔

واسطۂ ایمان کا حقیقی تصور

ایمان سب سے بلند عملِ صالح اور عظیم ترین واسطہ اور وسیلہ ہے۔ اس سے کوئی عمل اونچا نہیں کیونکہ عمل خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، جب تک عمل کرنے والے کے اندر مضبوط ایمان نہ ہوگا اس کا عمل بے کار اور لغو و باطل ہو جائے گا یعنی نجاتِ اُخروی اور اعمال کے ہر اجر و ثواب کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لازمی اور مقبول ترین واسطہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ (۱)

’’(وہ) رسول ﷺ اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہلِ ایمان نے بھی، سب ہی (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (نیز کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان بھی (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے، اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے ہیں: ہم نے (تیرا حکم) سنا اور اطاعت (قبول) کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور (ہم سب کو) تیری ہی طرف لوٹنا ہے○‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۵

۲۔ پھر سورہ النساء میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ○(۱)

’’اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر جو اس نے (اس سے) پہلے اتاری تھی ایمان لاؤ، اور جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو بیشک وہ دور دراز کی گمراہی میں بھٹک گیا○‘‘

۳۔ سورۃ الفتح میں عدمِ ایمان کی صورت میں عذاب کی وعید سنائی، ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ○(۲)

’’اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے○‘‘

معلوم ہوا کہ واسطۂ ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوتا اور نہ اِس کے بغیر قرآن، اِسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کی معرفت ممکن ہے۔ ایمان جب دل میں سرایت کر جاتا ہے تو زبان اور اعضاء و جوارح سے اس کی برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور بندہ ایسے اعمال بجا لاتا ہے جس سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

۲۔ توحید اور واسطۂ محبت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تکمیل ایمان کا ضروری تقاضا ہے۔

(۱) النساء، ۴: ۱۳۶
(۲) الفتح، ۴۸: ۱۳

از روئے قرآن سچا مؤمن وہ ہے جو اللہ رب العزت سے سب سے بڑھ کر محبت کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ.(۱)

''اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ''اللہ سے محبت'' جیسی محبت کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

آیات ربانی اور احادیث رسول اکرم ﷺ سے یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اتباع رسول ﷺ میں مضمر ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَیَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○(۲)

''(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا اور مہربان ہے ○''

ذاتِ رسالتمآب ﷺ کی اطاعت و محبت کے بغیر کوئی شخص کامل مومن ہو جائے، ایں خیال است و محال است و جنوں والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہر اہلِ ایمان کے لئے سرمایہ ہدایت ہے کہ اگر کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ میرے محبوب ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو اپنا شعارِ حیات بنائے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو میں اسے اپنا محبوب بنا لوں گا۔

۳۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے واسطۂ محبت کا تذکرہ یوں فرمایا:

(۱) البقرہ، ۲: ۱۶۵
(۲) آل عمران، ۳: ۳۱

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝[1]

’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۝‘‘

اس آیتِ مبارکہ کے آخری حصہ میں تین محبتوں کا ذکر ہے:

۱۔ محبتِ الٰہی

۲۔ محبت رسول ﷺ

۳۔ محبت دین و جہاد

ان تینوں محبتوں کو ایک تسلسل میں بیان کیا گیا ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت پھر حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آخر میں نصرت دین کے لئے جہاد سے محبت۔ یہ تینوں محبتیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ایمان کے استحکام کے لئے واسطہ ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت شرک ہوتی تو وہ عبادت کی طرح محبت کو بھی اپنا اختصاصی و امتیازی حق قرار دے دیتا لیکن اس نے کہیں ایسا نہیں فرمایا، بلکہ محبت کے باب میں صراحت کے ساتھ تینوں یعنی اللہ، ذاتِ محمدی ﷺ اور مومنین کو محبت کا

(۱) التوبہ، ۹: ۲۴

حقدار و سزاوار ٹھہرایا اور فرمایا ہے کہ اگر اہلِ ایمان میں کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے محبوب رسول ﷺ کی محبت کو اپنا منتہائے مقصود بنا لے، اسے میری محبت حاصل ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ محبت کا حق، عبادت کی طرح صرف اللہ تعالیٰ کا اختصاصی حق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اہلِ اللہ سب کے ساتھ محبت، چاہت اور اپنائیت کے تعلقات و روابط استوار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس تعلق کی استواری کو خلقِ خدا کی ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُولُ يَومَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي.(۱)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: کہاں ہیں میری عظمت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تاکہ میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں کیونکہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔''

۲۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطَى لِلّٰهِ، وَ مَنَعَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيْمَانَ.(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فی فضل الحب فی الله، ۴:۱۹۸۸، رقم: ۲۵۶۶
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۳۷، رقم: ۷۲۳۰، ۸۴۳۶، ۸۸۱۸، ۱۰۷۹۰، ۱۰۹۲۳

(۲) ۱۔ أبوداؤد، السنن، كتاب: السنة، باب: الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه ۴:۲۲۰، رقم: ۴۶۸۱
۲۔ حاكم، المستدرك، ۲:۱۷۸ رقم: ۲۶۹۴
۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۹: ۴۱، رقم: ۹۰۸۳

’’جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی، اللہ تعالیٰ کے لئے عداوت رکھی، اللہ تعالیٰ کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے دینے سے ہاتھ روک لیا پس اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيْلَ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلاَنًا فَأَحْبِبْهُ. فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ.(۱)

’’جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر حکم فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے تو بھی اس سے محبت کر پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین والوں (کے دلوں) میں بھی اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے لوگوں کو محبت کا حکم دیا۔ محبتِ صحابہ رضی اللہ عنہم و اہلِ بیت، محبتِ ’’پنج تن پاک‘‘ (حضور ﷺ، حضرت سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین اور حضرت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب: بدء الخلق، باب: ذِكرِ المَلاَئِكَةِ، ۳:۱۱۷۵، رقم: ۳۰۳۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب: البر والصلة والآداب، باب: إذا احب الله عبداً، حببه إلی عباده، ۴:۲۰۳۰، رقم: ۲۶۳۷

۳۔ مالك، الموطأ، کتاب الشعر، باب: ماجاء فی المتحابین فی الله، ۲:۹۵۳، رقم: ۱۷۱۰

علی رضی اللہ عنہ) محبتِ اولیاء، محبتِ اہل اللہ اور محبتِ صالحین کے بارے متعدد احادیثِ مبارکہ مروی ہیں، ائمہ حدیث نے کتبِ احادیث میں **الحب فی اللہ** کے عنوان سے ابواب قائم کر کے اس موضوع کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ جبکہ حدیثِ قدسی میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی ایک دوسرے سے محبت، تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ہوتی ہے اور ان میں قدرِ مشترک میری ذات سے محبت ہے۔

لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے اہلِ بیت اطہار اور اولیاء وصلحاء کرام سے محبت شرک نہیں کیونکہ اس محبت کی اساس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطۂ محبت پر استوار ہے جو محبت الٰہی کا واسطہ ہے۔

۳۔ توحید اور واسطۂ تعظیم

قرآن وسنت کی بے شمار نصوصِ قطعیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ انبیاء و رُسل عظام کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کے ساتھ ساتھ ان کی تعظیم و توقیر بھی واجب ہے۔ بالخصوص اللہ تبارک و تعالیٰ نے مالک و مولا اور خالق کائنات ہونے کے باوجود بھی خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے آداب سکھائے، اونچا بولنے سے منع کیا اور لاپرواہی سے پکارنے کو حرام ٹھہرایا۔ خلاف ورزی پر تمام اعمال برباد کر دینے اور ساری محنت و کمائی پر پانی پھیر دینے کی وعید سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ، اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات کے مرتبہ و مقام کو ملحوظ رکھنے اور انہیں ایذا پہنچانے سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلنے کا ادب اور سلیقہ سکھلایا۔ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی کیفیتِ خطاب و نداء سے آگاہ فرمایا اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلاوے کی اہمیت اور فوری حاضری کے وجوب کو بیان کیا اور تغافل و لاپرواہی کے امکانات کا سدّ باب کیا۔

قرآن وسنت کی ان تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و رفعت اور بلندیٔ مقام کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کما حقہ مستفیض

ہوسکیں اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر، اطاعت واتباع اور معیت ومحبت کو شرک کے زمرے میں شامل کر کے منافیٔ توحید نہ سمجھیں۔ پس انبیاء کرام اولیاء عظام صالحین اور شعائراللہ کی تعظیم شرعاً عملِ صالح ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کا ذریعہ ہے۔

کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افعال جو بزرگوں کی تعظیم پر مبنی ہوں وہ اسلامی تعلیمات کی تعمیل ہے اور کسی طرح بھی توحید سے متعارض ومتصادم نہیں اِس لئے یہ ہرگز شرک کے دائرے میں نہیں آتے۔ (توحید اور تعظیم پر تفصیلی بحث ہم باب اوّل میں کر چکے ہیں۔

۴۔ توحید اور واسطۂ حرمت

اللہ رب العزت کی ذات ہی انتہائی تعظیم اور عبادت کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت شرک ہے لیکن انبیاء علیہم السلام ادب واحترام اور تعظیم وتکریم شرک نہیں بلکہ یہ فرائض دینی میں سے ہے۔ اور شرعاً واجب ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی نسبت کی حرمت بھی واجب اور ایمان کا حصہ ہے۔ توحید کا تقاضا ہے کہ ان چیزوں کا بھی دل وجان سے احترام واکرام کیا جائے جو اللہ رب العزت کو محبوب ہیں۔ اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندوں انبیاء علیہم السلام اور ان کی نسبت سے بعض مقدّس مقامات و اماکن اور آثار وتبرکات کا دل وجان سے ادب واحترام اور محبت وعقیدت قرآن وسنت کے نصوص سے ثابت ہے۔ مثلاً

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے شہرِ مکہ کی حرمت، اس کے گلی کوچوں کی حرمت، اس کے جانوروں اور درختوں کی حرمت واجب ہے۔

۲۔ اسی طرح مدینہ منورہ کو جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی نسبت سے حرم بنا دیا تو اب وہاں کے درختوں کی تعظیم، گلی کوچوں کی تعظیم، اور در و دیوار کی تعظیم بھی

بعینہ واجب ہوگئی۔

۳۔ عام جگہوں پر پتھروں کو قابلِ تعظیم نہیں سمجھا جاتا مگر اہلِ ایمان جب حجِ بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں تو حجرِ اسود کو تعظیماً چومتے ہیں۔ کیونکہ حجرِ اسود کی تعظیم واجب ہے۔

۴۔ اسی طرح حجاجِ کرام مقامِ ابراہیم کی تعظیم کرتے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ لہٰذا اس کی تعظیم بھی واجب ہے۔

۵۔ حجاج کے لئے رکنِ یمانی کو دورانِ طواف چھونا مناسکِ حج کا حصہ ہے۔

۶۔ طوافِ کعبہ اور کعبہ کی حد درجہ تعظیم توحید کا حصہ ہے۔

۷۔ کعبہ کے صحن حتیٰ کہ غلافِ کعبہ کی ادباً تعظیم اور حرمت ملحوظ رکھنا لازمی امر ہے۔

۸۔ آبِ زمزم پینے کے لئے تعظیماً قیام کیا جاتا ہے جو کہ سنت ہے، یہ تعظیم ہے عبادت نہیں جبکہ آبِ زم زم کے علاوہ کسی اور مشروب کو بیٹھ کر پینا سنت ہے۔

۹۔ حجاج سعی کے ذریعے صفا و مروہ پہاڑیوں کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ یہ شعائر اللہ ہیں، ان کا ادب و احترام شرعاً تعظیم تو ہے مگر یہ ان پہاڑیوں کی عبادت نہیں۔

۱۰۔ اہلِ ایمان قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ وہ شعائر اللہ ہیں جانوروں کی اس تعظیم کو عبادت نہیں سمجھا جاتا۔

واسطۂ حرمت کا شرعی ثبوت

واسطۂ تعظیم و حرمت کا جواز متعدد قرآنی آیات سے ثابت ہے اس پر تفصیلی بحث ہم اسی کتاب کی جلد اوّل ''باب توحید فی التحریمات'' میں کر چکے ہیں۔

اللہ رب العزت نے سورۃ الحج میں شعائر اللہ کی تعظیم اور حرمت کو تقویٰ کا واسطہ قرار دیا، ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِo(۱)

’’اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو۔‘‘

قرآن حکیم کی آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس حرمت، تحریم اور توقیر وتکریم میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں اور نہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔ ہم کئی چیزوں کی ازروئے شرع حرمت و تعظیم بجالاتے ہیں مثلاً حرمین شریفین شہر مکہ و مدینہ کا ادب و احترام، حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کی حرمت و تعظیم، قرآن کے مقدس اوراق کا ادب، اسی طرح مسجدوں کے در و دیوار کی تعظیم، پتھروں کی تعظیم الغرض جس مقدس چیز سے جب بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی نسبت ہو گئی ان سب سے ادب و احترام کا تعلق واسطۂ حرمت ہے جو شرعاً جائز اور ثابت ہے۔ اور یہی واسطہ حصولِ تقویٰ کا باعث بھی ہے۔

۵۔ توحید اور واسطۂ اطاعت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کے درمیان اطاعت کا تعلق ایک ایسا واسطہ ہے جس میں حکمی وحدت ہے۔ اس واسطہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ دونوں کی اطاعتیں ایک ہی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَo(۲)

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲

(۲) الانفال، ۸: ۲۰

’’اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو حالانکہ تم سن رہے ہوo‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعتوں کا ذکر ہے لیکن روگردانی کو ایک قرار دیا ہے فرمایا: وَلَا تَوَلَّوْ عَنْهُ ’’اس سے روگردانی مت کرو‘‘ اگر دونوں اطاعتیں الگ الگ ہوتیں تو ضمیر ’’عنهما‘‘ استعمال ہوتا لیکن عَنهُ سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ایک ہی ہے۔ اس لئے اس سے روگردانی اور نافرمانی کو بھی ’’عَنْهُ‘‘ کہہ کر ایک ہی روگردانی قرار دیا گیا اسے ’’حکمی وحدت‘‘ کہتے ہیں۔

اس کی مزید تائید اللہ رب العزت کی اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے، فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًاo (۱)

’’جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجاo‘‘

قرآن مجید میں درجنوں مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اس رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ’’وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُو الرَّسُوْل‘‘ اور وَمَنْ یُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ‘‘ کے الفاظ کے ساتھ یکجا ہوا ہے جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دونوں اطاعتیں ایک ہی ہیں۔ چونکہ آقائے دوجہاں حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی، حق اور باطل کے مابین معیارِ حق اور حدِ فاصل کا درجہ رکھتی ہے اس لئے آپ ﷺ کو واسطۃ الاطاعۃ بنایا گیا۔ احکامِ شریعت پر عمل درآمد اور عبادات کی قبولیت کے لئے آپ ﷺ کی سنت اور طرزِ عمل کو نمونہ قرار دیا گیا جس پر عمل پیرا ہوئے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اور کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱ھ۔۷۲۸ھ) نے اس موضوع پر بہت عمدہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وأن جهة حرمة الله تعالیٰ و رسوله جهة واحدة فمن آذی الرسول

(۱) النساء، ۴: ۸۰

فقد آذی اللہ ومن أطاعه فقد أطاع اللہ لأن الأمة لا يصلون ما بينهم و بين رَبِّهم إلا بواسطةِ الرّسول، ليس لأحدٍ منهم طريق غيره ولا سبب سواه۔(۱)

''اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت کی جہت ایک ہی ہے۔ لہٰذا جس نے رسول ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ امت کے تعلق باللہ کا رشتہ صرف رسول ﷺ کے واسطہ سے استوار ہوسکتا ہے کسی کے پاس بھی اس کے سوا دوسرا کوئی طریقہ یا راستہ نہیں۔''

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے فیض و برکت حاصل کرنے کا ذریعہ سوائے ذاتِ رسالتمآب ﷺ کے اور کوئی نہیں آپ ﷺ کا واسطہ اُمت کے لئے ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام وفرائض اور اس کی عنایات و نوازشات کے حصول کا ذریعہ واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ ہی ہے۔ آپ ﷺ کی وساطت سے لوگوں کو علم وحکمت و ہدایت، راہنمائی میسر آتی ہے اور یہی واسطۃ الاطاعۃ ہے۔

۶۔ توحید اور واسطۂ حکم

احکامِ شریعت کے بنیادی مآخذ دو ہیں:

(۱) قرآن (۲) سنت

قرآن وحی جلی پر مشتمل کلامِ الٰہی ہے جبکہ سنت، حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و فعل پر مشتمل احکامات کا نام ہے جسے وحی خفی قرار دیا گیا ہے۔ دونوں کے احکامات پر عمل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ جس طرح اللہ رب العزت نے مخلوق کے لئے احکام عطا کئے اسی طرح اس کے رسول ﷺ نے بھی اُمت کے لئے چیزوں کو حلال اور حرام قرار دیا۔ گویا اللہ رب العزت نے رسول ﷺ کے حکم کو اپنا حکم قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

(۱) ابن تيمية، الصارم المسلول: ۴۶

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝(۱)

’’اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۝‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیت سے یہ امر مترشح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ کیونکہ اختلافات میں حقیقی فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی فرمانے والا ہے لیکن اس نے اپنے نبیوں کو فیصلہ کا واسطہ اور ذریعہ بنا کر بھیجا تاکہ وہ اس کا قائم مقام بن کر ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کے درمیان حکم یعنی فیصلہ صادر کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔ یہ واسطۂ حکم ہے جس کا استشہاد درج ذیل آیاتِ مقدسہ سے ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝(۲)

’’پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۝‘‘

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۳۶

(۲) النساء، ۴: ۶۵

۲۔ وَإِذَا دُعُوْٓا إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○(۱)

''اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ (دربارِ رسالت ﷺ میں آنے سے) گریزاں ہوتا ہےo''

۳۔ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْٓا إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۭ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○(۲)

''ایمان والوں کی بات تو فقط یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا، اور ہم (سراپا) اطاعت پیرا ہو گئے، اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیںo''

ان آیات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں تو ان لوگوں کو دربارِ رسالتمآب ﷺ میں بلایا گیا تھا اور فیصلہ بھی آپ ﷺ نے فرمانا تھا لیکن اللہ رب العزت رسول ﷺ کے بلاوے اور حکم کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ درحقیقت حکمِ رسول ﷺ بھی حکمِ الٰہی ہے۔ گویا رسول ﷺ کا حکم، بارگاہِ الٰہی کے لئے واسطہ ہوگیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکمِ تحلیل وتحریم بھی ایک ہے۔ ارشاد فرمایا:

۴۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

(۱) النور، ۲۴: ۴۸

(۲) النور، ۲۴: ۵۱

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ○ (۱)

’’(اے مسلمانو!) تم اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی) جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دینِ حق (یعنی اسلام) اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ (حکم اسلام کے سامنے) تابع و مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے خراج ادا کریں○‘‘

جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ’حکمی وحدت‘ ہے اسی طرح رسول ﷺ کے فیصلہ کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اور تحریم و تحلیل کا اختیار بھی رسول ﷺ کو تفویض فرما کر اپنے اور رسول ﷺ کے درمیان ایک واسطہ اور تعلق قائم کر دیا۔ پس اب رسول ﷺ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا اقرار اور رسول ﷺ کے حکم کا انکار خارجی وطیرہ ہے۔ جب اللہ رب العزت نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے درمیان واسطۂ حکم قائم کیا تو کسی اور کو ان میں کسی قسم کی تفریق کی کوئی اجازت نہیں۔

۷۔ توحید اور واسطۂ توجہ

اللہ رب العزت کی ذات ہر سمت جلوہ گر ہے۔ وہ تمام سمتوں کا خالق ہے۔ اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے وہ کسی خاص سمت کا محتاج نہیں۔ یہ اسی کا فرمان ہے:

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ○ (۲)

’’اور مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے، پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی

(۱) التوبة، ۹: ۲۹

(۲) البقرة، ۲: ۱۱۵

اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے) بیشک اللہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہےo‘‘

اس ارشاد گرامی کے باوجود اس نے اپنی عبادت کے لئے کعبہ کی سمت مقرر کر دی۔ تمام مسلمانانِ عالم بوقتِ نماز کعبہ کی طرف منہ کرکے نیت کرتے ہیں: ’’میں کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کرکے اللہ کے لئے نماز ادا کرتا ہوں۔‘‘ یوں وہ نماز کے دوران **توجه الی الکعبة** کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کعبہ رخ ہو کر سجدہ کرنا کعبہ کے لئے نہیں بلکہ رب کعبہ کے لئے ہوتا ہے۔ کعبہ کی سمت منہ کر کے کھڑے ہونا محض واسطۃ التوجہ اور واسطۃ الاستقبال ہے۔ غالب کا شعر ہے:

حدِ ادراک سے پرے ہے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لئے شرط لگا دی کہ واسطۂ رسالت ہو گا تو میں عبادت قبول کروں گا اسی طرح اس نے اپنی عبادت، نماز کی ادائیگی کے لئے **توجه الی الکعبة** کی شرط عائد کر دی کہ اگر عبادت گزار کا چہرہ کعبہ کی طرف ہو گا تو نماز قبول ہو گی ورنہ نہیں۔ کوئی شخص سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت نمبر ۱۱۵ سے استدلال کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سنگ و خشت سے بنے ہوئے گھر کی ضرورت نہیں اس کی ذات تو ہر سمت جلوہ گر ہے لہٰذا میں جس طرف چاہوں رخ کروں۔ وہ سمتوں کا محتاج نہیں۔ بے شک وہ کسی سمت کا محتاج نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ تمام سمتوں کا خالق بھی وہی ہے اور تمام سمتیں اسی کے لئے ہیں۔ سمتوں کی محتاج تو مخلوق ہے۔ اگر یہ اس کی مشیت میں ہوتا تو وہ ایسا اہتمام کرسکتا تھا کہ سمت کعبہ کی بجائے مسلمان جس طرف چاہیں رخ کر کے نماز پڑھیں مگر اس پر قادر مطلق ہونے کے باوجود اس کے واسطہ توجہ قائم کیا اور تمام مسلمانوں کو کعبہ کی سمت توجہ کرنے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لا لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○[1]

''اور تم جدھر سے بھی (سفر پر) نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف پھیر لو، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیر لیا کرو تاکہ لوگوں کے پاس تم پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں حد سے بڑھنے والے ہیں، پس تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرا کرو، اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم کامل ہدایت پا جاؤ○''

اب اگر کوئی شخص کعبہ سے رخ ہٹا کر کسی اور سمت ساری زندگی نماز پڑھتا رہے تو ہرگز قبول نہ ہوگی۔

۳۔ اسی طرح جب حجاج دورانِ طواف مقامِ ابراہیم کے پاس اس کی طرف توجہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو ان کا مقامِ ابراہیم کی طرف متوجہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط[2]

''اور (ہم نے حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنالو۔''

ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے لئے سمت کا تعین لازمی قرار دیا ہے، وہ اپنی عبادت بغیر واسطۂ جہت کے قبول نہیں کرتا۔ فرائض، واجبات، سنن اور نوافل کی ادائیگی کے لئے کعبہ کی طرف اس کی عبادت کی خاطر متوجہ ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم اس کے بنائے ہوئے ضابطوں کی تعمیل اور تقاضوں کے مطابق ایک خاص سمت اپنا رخ کریں۔ تبھی وہ ہماری عبادت قبول کرے گا۔ اس نے اپنے گھر یعنی کعبہ کو ہمارے اور اپنے درمیان واسطۂ التوجہ بنا دیا ہے اب اس کی طرف رخ کئے بغیر ہماری کوئی عبادت قبول نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ واسطہ ناگزیر ہے۔

(۱) البقرة، ۲: ۱۵۰
(۲) البقرة، ۲: ۱۲۵

۸۔ توحید اور واسطۂ اِبلاغ

واسطۂ اِبلاغ کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنا پیغام براہِ راست بغیر واسطہ کے بندوں تک نہیں پہنچایا بلکہ اس نے اپنا پیغام بندوں کو پہنچانے کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام کو واسطہ بنایا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے وہ رسولوں کا محتاج ہے؟ کیا وہ براہِ راست اپنا پیغام نہیں بھیج سکتا؟ اگر وہ بھیج سکتا ہے تو پھر اس نے رسول ﷺ کو **واسطة بين العبد و الرب، واسطة بين الخالق و المخلوق** اور **واسطه بين العبد و المعبود** کیوں بنایا؟ جبکہ وہ براہِ راست ہر ایک کو یہ شعور دینے پر بھی قادر تھا کہ یہ اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ خالق ہے، **بديع السمٰوٰت والارض** ہے، وہ عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے اور **كُنْ فَيَكُوْن** کی شان کا مالک ہے:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی علیہ السلام کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ اُمت کو نماز اور دیگر عبادات کا نمونہ بتا سکے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ نمونہ بھی ان کے ذہن میں القا کر دیتا؟ نماز کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا جاتا کہ نماز کس طرح ادا کرنی ہے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست شعور دے دیا جاتا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا تو وہ ان کا محتاج نہیں تھا اور یہ بات بھی نہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں تھی اس لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا پڑا۔ وہ چاہتا تو شعور بھی اور نورِ فہم بھی دے دیتا۔ یہ اس کے لئے کوئی مشکل بات نہیں (**فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ**) اور (**عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْر**) بھی اسی کی شان ہے، وہ کسی سے بھی پیغام رسانی کا کام لے سکتا تھا لیکن قادر مطلق ہونے کے باوجود اس نے یہ دستور مقرر کیا کہ کبھی اپنا پیغام براہِ راست ہر کس و ناکس کو نہیں پہنچایا۔ اس نے اس کام کے لئے اپنے انبیاء و رسل کو واسطہ اور ذریعہ مقرر کیا جنہوں نے واسطہ وحی سے احکام الٰہی پا کر انہیں آگے لوگوں تک پہنچانے

کا فریضہ سرانجام دیا۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا۔(۱)

’’وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا۔‘‘

۲۔ براہ راست اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی بجائے اس نے واسطۂ رسالت ﷺ کو مقرر کیا ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ○(۲)

’’اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (رب) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ (مخالف لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا○‘‘

لہٰذا واسطہ مقرر کرنا خود اللہ تعالیٰ کا دستور اور سنت ہے۔ اس کا شرک سے کوئی تعلق نہیں۔

۹۔ توحید اور واسطۂ علم

ذاتی، قدیم اور لامتناہی علم کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس پر قادر ہے۔ وہ تنہا اور اکیلا ہی اس صفت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی فرد اپنی ذاتی استعداد

(۱) الجمعة، ۶۲: ۲

(۲) المائدة، ۵: ۶۷

سے اُمورِ غیبیہ پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ رب ذوالجلال اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے لئے عطا و اطلاع ثابت و جائز ہے۔ انبیاء و رسلِ عظام علیہم السلام کے واسطۂ علم کا انکار ضلالت و گمراہی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کو علمِ غیب عطا نہ ہو تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا۔ نبوت کا تو معنی ہی غیب پر مطلع ہونا ہے۔ نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب انبیاء و رسل علیہم السلام کو عطا فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو تو اللہ ﷻ نے دیگر انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر علمِ غیب کے خزانے عطا فرمائے ہیں۔ اسی طرح متعدد احادیثِ مبارکہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ اس پر تفصیلی بحث اسی کتاب کی پہلی جلد ''اقسام التوحید'' کے ذیل میں **توحید فی العلم** میں گزر چکی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَايَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝(۱)

''اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر (یہ کہ) وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی (ایسا) دانہ ہے اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے)۝''

(۱) الانعام، ۶: ۵۹

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَo(۱)

’’اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہےo‘‘

اس طرح کی تمام آیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ علمِ نبوت کا منبع وحی الٰہی ہے۔ جب قرآن میں تمام علوم و معارف درج ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام علوم و معارف کے خزانے عطا فرمائے اب ہمارے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ علوم و معارف نبوت کا اقرار ہی حصولِ ہدایت کے لئے عظیم واسطہ ہے۔

۱۰۔ توحید اور واسطۂ رضا

حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا اور خوشنودی جزوِ ایمان ہے۔ آپ ﷺ کی رضا، رضائے الٰہی کا واسطہ ہے۔ اس حقیقت سے کوئی بندۂ مومن اِنکار نہیں کر سکتا کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و رضا ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا اور الگ الگ تصور کیا جائے تو اس کا نتیجہ ایمان کی بربادی کی صورت میں نکلے گا۔ اللہ ﷻ خود اپنے محبوب نبی ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا. (۲)

’’(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ

(۱) النحل، ۱۶: ۸۹

(۲) البقرہ، ۲: ۱۴۴

رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔‘‘

سورۃ الضحیٰ میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ○ (۱)

’’اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے○‘‘

یہ بات بھی نصِ صریح سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا، اللہ تعالیٰ کی رضا ہے یعنی ان دونوں میں بھی حکمی وحدت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ‌ۚ وَاللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ○ (۲)

’’مسلمانو! (یہ منافقین) تمہارے سامنے اللہ کی قَسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)○‘‘

آیتِ بالا کے الفاظ یُرۡضُوۡہُ میں ’’ہُ‘‘ ضمیرِ واحد ہے، حالانکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کی رضا کا بیان ہے۔ عربی زبان میں دو کے لئے ضمیر کا صیغہ واحد نہیں بلکہ تثنیہ استعمال ہوتا ہے۔ قاعدہ کی رو سے یہاں ’’ہُ‘‘ کی بجائے ’’هُمَا‘‘ ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ مقصودِ بیان یہ باور کرانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

(۱) الضحی، ۹۳: ۵

(۲) التوبۃ، ۹: ۶۲

میں دوئی نہیں ان کی رضا ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ اس کے رسول ﷺ کا راضی کرنا اُسے راضی کرنا ہے پس ''ہُ'' ضمیرِ واحد لا کر وحدتِ رضا کا تصور دیا گیا تو ثابت ہوا کہ رضائے رسول ﷺ رضائے الٰہی ہے اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی انحراف عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ رضائے رسول ﷺ ہی رضائے الٰہی کے لئے واسطہ و وسیلہ ہے۔ اگر کوئی شخص رضائے رسول ﷺ کو نظر انداز کر کے رضائے الٰہی کے حصول کا طلب گار ہو تو شرعاً اس کا یہ عمل قابلِ قبول نہیں بلکہ ایسا شخص زمرۂ منافقین میں شمار ہوگا کیونکہ درِ رسول ﷺ سے رُوگردانی بارگاہِ الٰہی سے رُوگردانی ہے۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ نے اپنی رضا کے حصول کے لئے حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی رضا کو واسطہ قرار دیا ہے۔

۱۱۔ توحید اور واسطۂ توسل

عقیدۂ توسُّل نصِّ قطعی سے ثابت ہے۔ اس لیے اس کے شرعی جواز کے بارے میں مطلقاً انکار آیاتِ قرآنی سے انکار کے مترادف ہے۔ رضائے اِلٰہی اور عطائے اِلٰہی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کا توسل پیش کرنا ایک ایسا مشروع، مباح اور جائز طریقہ ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مقرّب و معزز بندوں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنا ہے تا کہ دعاؤں کی جلدی قبولیت کو ممکن بنایا جا سکے۔ قرآنِ حکیم اور اَحادیثِ مبارکہ میں ایسے بہت سے دلائل موجود ہیں جو نہ صرف وسیلہ کا جواز فراہم کرتے ہیں بلکہ اِس اَمر کو بھی واضح کرتے ہیں کہ حضور تاجدارِ کائنات ﷺ، دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے توسّل سے دعا کرنا اَقرب اِلی الاِجابت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اِس اَمر کا پابند نہیں کہ قبولیتِ دعا کے لیے کسی اور کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ وہ بلا واسطہ اپنے بندوں کی دعائیں سننے، قبول کرنے اور لطف و کرم سے نوازنے پر قادر ہے۔ لیکن یہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ بہت سے نفوسِ قدسیہ اور اُمورِ صالحہ جو اُسے پسند اور محبوب ہیں اِن کی نسبت سے نہ صرف یہ کہ عمل بابرکت ہو جاتا ہے بلکہ دُعا کی قبولیت کا درجہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

یہ مبارک عمل حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر عہد رسالت مآب ﷺ تک اور پھر عہد صحابہ و تابعین سے لے کر تا حال اُمت میں مقبول اور متداول چلا آ رہا ہے۔ اب بعض لوگ دین کی صحیح معرفت نہ ہونے کے باعث اس پر اعتراض کرنے لگے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) توحید کے منافی سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بات بات پر کفر و شرک کے فتوے جاری کرنے کی بجائے احکام شریعت کی حقیقی روح کو سمجھا جائے۔

بعض حضرات حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے میں بھی تامل کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنا' اللہ ﷻ سے براہ راست مانگنے کے منافی ہے۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات کا جن میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانے کا حکم ہے، صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا (معاذ اللہ) کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ یہ تصور کتاب و سنت کی روح کو نہ سمجھنے کے باعث پیدا ہوا ہے، ہمیں اس خود ساختہ تصور کی اِصلاح کرنی چاہیے۔

اَنبیاء و رُسل علیہم السلام میں سے کسی کو، یا اللہ تعالیٰ کے کسی مقرّب اور صالح بندے کو یا کسی بھی عملِ صالح کو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے اس کی بارگاہ میں بطورِ وسیلہ پیش کرنا نہ تو کسی قسم کا شرک ہے اور نہ ہی براہ راست اللہ سے مانگنے کے منافی ہے۔ کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنے میں ہرگز ہرگز یہ عقیدہ کارفرما نہیں ہوتا کہ وہ مقبول و مقرب بندہ جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہے دعا قبول کرے گا یا وہ اللہ بزرگ و برتر کو (معاذ اللہ) اس اَمر پر مجبور کردے گا کہ فلاں کا کام ہونا چاہئے یا فلاں بندے کی بخشش و مغفرت لازمًا کر دی جائے۔ (اس موضوع پر تفصیلی بحث اسی کتاب کے دوسرے باب میں ہو چکی ہے)

۱۲۔ توحید اور واسطۂ تبرک

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اَنبیاء و صالحین علیہم السلام سے منسوب چیزیں بڑی با برکت اور فیض رساں ہوتی ہیں۔ نصوصِ شرعیہ کی بناء پر آثارِ صالحین سے حصولِ برکت کا

جواز قوی دلائل سے ثابت ہے۔ یہ سادہ سی بات ہے کہ کسی چیز کے اندر خیر و برکت کا ہونا ہرگز منافیٔ توحید نہیں ہوسکتا۔ اللہ رب العزت کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا تبرک و تیمن کا واسطہ اختیار کرنا نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عمل شرک اور خلافِ توحید نہیں۔ مثلاً:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والدِ گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان قمیص کا واسطہ قائم کیا۔ **حضرت زکریا** علیہ السلام نے محراب مریم علیہا السلام سے برکت اور تبرک کا واسطہ اختیار کیا جو شرک نہ ہوا۔ **ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم** علیہ السلام کے مبارک قدم تعمیر کعبہ کے دوران جس پتھر پر لگے وہ بھی باعث خیر و برکت اور تکریم و تعظیم ہوا۔ لوگ آج تک اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ **حضرت موسیٰ** علیہ السلام اور **حضرت ہارون** علیہ السلام کے تبرکات کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ''سورۃ البقرۃ (۲: ۲۴۸)'' میں باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ایک خاص تاریخی پس منظر میں فرمایا ہے۔

برکت اور **تبرک** قرآن و حدیث کے مستند دلائل سے ثابت شدہ امر شرعی ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض چیزوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت رکھی ہے۔ ان بابرکت اشیاء سے برکت و رحمت اور سعادت چاہنا اوران کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا تبرک کے مفہوم میں شامل ہے۔ مثلاً:

اللہ رب العزت نے خانہ کعبہ کو برکت والا گھر قرار دیا، مسجد اقصیٰ کے گرد و نواح کو انبیاء کرام کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنا دیا۔ ائمہ تفسیر نے بابرکت ہونے کی ایک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات قرار دیا ہے جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔ **تبرک و تیمّن** کا واسطہ درحقیقت برکت اور فیض حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ جب ہم بارگاہ اُلوہیت سے حصولِ برکت کیلئے کسی چیز کا واسطہ قائم کر رہے ہوتے ہیں تو چونکہ یہ واسطہ اس متبرک چیز کی عبادت نہیں ہوتا اس لئے اس میں شرک کا کوئی احتمال نہیں۔ جیسے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے حجر اسود، رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تیمن و تبرک کا واسطہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جب حجر اسود سے برکت کا

حصول شرک نہیں تو کسی پیغمبر یا ولی اللہ سے واسطہ تیمن یا واسطہ تبرک شرک کیسے ہو گا؟ اگر ایک پتھر کو واسطہ بنا لینا جائز ہو اور انبیاء و اولیاء کو واسطہ بنانا ناجائز اور شرک تصور کیا جائے تو یہ حقیقی تصورِ دین کے خلاف ہے۔

کوئی بھی مؤمن جب کسی چیز سے برکت حاصل کرتا ہے تو صحیح عقیدہ کے مطابق وہ مؤثرِ حقیقی اس ذاتِ وحدہ لا شریک کو مانتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام سعادتیں اور برکتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اماکن و اشخاص سے بالذات تاثیر کا عقیدہ رکھے تو یہ جائز نہیں۔ (باب پنجم میں ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں)

۱۳۔ توحید اور واسطۂ استعانت

دنیوی، دینی اور روحانی اعتبار سے ایک دوسرے کی مدد کرنا اِسلامی معاشرتی آداب و اخلاق کا حصہ ہے۔ اِسلام نے اہل ایمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد و اِعانت کریں۔ اللہ ﷻ نے ایک دوسرے کی مدد و استعانت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ○ (۱)

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے○‘‘

کثرت کے ساتھ احادیث میں یہ بیان دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے اللہ کے ہاں بے شمار انعامات ہیں۔ اس مدد کرنے کے عمل ہی کو

(۱) القرآن، المائدة، ۵: ۲

اصطلاحًا استغاثہ اور استعانت کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ.(۱)

’’اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔‘‘

اس طرح مدد و استعانت وہ طریقہ اور طرزِ عمل ہے جو نہ صرف جائز بلکہ اسلامی ضابطۂ حیات کا لازمی تقاضا ہے۔ استعانت اور استغاثہ کے اس عمل کو شرک قرار دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ متعدد آیات میں باری تعالیٰ نے براہِ راست استعانت کا حکم نہیں دیا بلکہ بواسطہ صبر وصلوٰۃ دیا ہے۔ اگر یہ عملِ توسط شرک ہوتا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہرگز استعانت میں کسی واسطے کا ذکر نہ فرماتا۔

یہ امر واضح ہے کہ حقیقی استعانت و استغاثہ خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ بہر طور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ مستعانِ حقیقی، فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی انبیاء واولیاء سب اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہیں۔ اَحادیثِ مبارکہ میں جا بجا مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ و اِستمداد کرتے تھے۔ اپنے اَحوالِ فقر، مرض، مصیبت، حاجت، قرض اور عجز وغیرہ کو بیان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی پریشانیوں کا مداوا اور مسائلِ حیات کا اِزالہ کرتے تھے۔ اِس عمل میں اُن کا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی السترۃ علی المسلم، ۴: ۳۲۶، رقم: ۱۹۳۰

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱

عقیدہ یہی تھا کہ سرورِ کائنات ﷺ ایک واسطہ اور سبب ہیں جبکہ حقیقی فاعل تو صرف اللہ ﷻ ہی کی ذات ہے۔

پس وہ اِستعانت و اِستغاثہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول ﷺ کے منشا اور حکم کے خلاف ہو، ممنوع اور شرک ہے۔ لیکن اگر توسل و شفاعت کیلئے اللہ کے اذن اور اَمر کے تابع ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی اَمر مانع نہیں۔

(باب چہارم میں اس موضوع پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے)

۱۴۔ توحید اور واسطۂ عطا

اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ جسے چاہے اور جو چاہے عطا کردے کہ وہ ایسا کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ اس کی ہر شان بالذات ہے۔ اس کی عطا مخلوق کی عطا جیسی نہیں۔ مخلوق کی ہر عطا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم ﷺ بے شمار خزانوں کے مالک ہیں اور یہ تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں جسے آپ ﷺ مخلوق میں تقسیم فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

وَ اِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي.(۱)

’’میں تو بس تقسیم کرنے والا ہوں اور عطا کرنے والا اللہ تعالی ہے۔‘‘

اللہ ﷻ نے حضور نبی اکرم ﷺ پر جو عطائیں کی ان میں جنت بھی شامل ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ عطائے رسول ﷺ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقهه فی الدین، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱

۲۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۷: ۱۰، رقم: ۴۴

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۳۹۰، رقم: ۹۱۵

كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَقَالَ لِي: سَلْ! فَقُلْتُ: أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ. (۱)

''میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور آپ ﷺ کی طہارت اور وضو کے لئے پانی لاتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مزید کچھ اور مانگ، میں نے عرض کیا مجھے یہی کافی ہے۔''

اِس حدیثِ مبارکہ سے اِستنباط کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ مَكَّنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِهِ تَعَالٰى. (۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے جو چاہا آپ ﷺ کو عطا کرنے (کے منصب) پر متمکن فرما دیا۔''

نیز فرماتے ہیں:

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود و الحث علیه، ۱: ۳۵۳، رقم: ۴۸۹

۲۔ أبوداود، السنن، أبواب قیام اللیل، باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل، ۲: ۳۵، رقم: ۱۳۲۰

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الافتتاح، باب فضل السجود، ۲: ۲۲۷، رقم: ۱۱۳۸

(۲) عبد الحق محدث دهلوی، لمعات التنقیح، ۳: ۱۷۲

و از اطلاق سوال کہ فرمود ''سَلْ'' بخواہ و تخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص، معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ﷺ۔ ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے جو مطلقاً ''سَلْ'' فرمایا کہ ''مانگو'' اور اسے کسی خاص مطلوب کے ساتھ مقید نہ کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اُمور حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ ﷺ جو کچھ چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اِذن سے عطا فرماتے ہیں۔''

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی منفرد شان جود وسخا ہے کہ آپ اپنے غلاموں کو فیاضی سے عطا کرتے ہیں، اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی اس شان کو نسبت بھی اپنی طرف کرکے ایک تعلق اور واسطہ قائم کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَo(۲)

''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ) (مزید) عطا فرمائے گا۔ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اس کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)o''

(۱) عبد الحق محدث دهلوی، أشعة اللمعات، ۱: ۳۹۶

(۲) التوبة، ۹: ۵۹

حقیقتاً عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے اذن سے عطا کا واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ مالِ غنیمت کو تقسیم تو حضور نبی اکرم ﷺ نے کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی عطا قرار دیا، فرمایا:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ. (۱)

اور وہ (اسلام اور رسول ﷺ کے عمل میں سے) اور کسی چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا۔‘‘

مالِ غنیمت رسول ﷺ نے عطا کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس عطا کو اپنا فضل قرار دیا۔ اس طرح مالِ غنیمت جب اکٹھا ہو کر رسول ﷺ کی ملکیت میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت بھی اپنی طرف کر دی اور اللہ اور رسول ﷺ کی ملکیت کو ایک ہی قرار دیا فرمایا:

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (۲)

’’فرما دیجئے! اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول (ﷺ) ہیں۔‘‘

جب ملکیت ایک ہے تو عطا بھی ایک ہے۔ وحدتِ ملکیت و عطا کے حوالے سے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ذکر ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ نے اس نسبت کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ کی تعظیم و تکریم کی انتہاء کر دی۔ اپنے رسول ﷺ کی عطا کو اپنی عطا کا واسطہ قرار دیا کہ اُمت پر رسول ﷺ کی طرف سے جو عطائیں ہوتی ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی عطائیں اور فضل ہے۔ اللہ ﷻ اور نبیِ مکرّم ﷺ کے درمیان عطا اور ملکیت کا اشتراک بھی ایک تعلق اور واسطہ ہے جس کے ذریعہ اللہ ﷻ نے

(۱) التوبۃ، ۹: ۷۴

(۲) الانفال، ۸: ۱

اپنے محبوب رسول ﷺ کی شان و عظمت کو مزید اجاگر فرمایا ہے۔

۱۵۔ توحید اور واسطۂ شفاعت

شفاعت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یہ اعزاز اور مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے خطا کار و گنہگار بندوں کی شفاعت کریں گے۔ اللہ ﷻ اپنے بے پایاں فضل و کرم سے اپنے گنہگار بندوں کے حق میں اپنے مقربین و صالحین بندوں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ جس کے نتیجے میں گنہگار بندوں کی بخشش و مغفرت فرما کر ان کو اپنے انعام یافتہ بندوں کے طفیل اپنی رضا اور جنت عطا فرمائے گا۔

صحیح عقیدہ کے مطابق اذنِ الٰہی کے بغیر شفاعت کا کوئی تصور نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی اِجازت کے بغیر شفاعت کسی کو فائدہ دے گی۔ قرآن و حدیث کی نصوصِ قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ روزِ قیامت جملہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین اللہ تعالیٰ کے اِذن سے شفاعت فرمائیں گے جبکہ شفاعتِ کبریٰ کے منصبِ جلیلہ پر حضور نبی اکرم ﷺ ہی فائز ہوں گے جسے قرآنِ حکیم نے مقامِ محمود سے تعبیر کیا ہے یہ منصب آپ ﷺ کے مہتم بالشان اعزازات و کرامات اور بلند مرتبہ فضائل و خصائص اور نمایاں امتیازات میں سے ایک ہے۔

شفاعت پر آیاتِ قرآنی کے سیاق و سباق پر غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مطلق شفاعت کی نفی کہیں بھی نہیں کی گئی۔ شفاعت سے صرف ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، جو کافر، مشرک اور ظالم ہیں۔ لہٰذا شفاعت کی نفی کا مسلمانوں پر اطلاق کرنا ہی غلط، من گھڑت اور بے بنیاد بات ہے۔ بدقسمتی سے دین کا پرچار کرنے والے بعض لوگوں کے فہم دین کا یہ عالم ہے کہ ایک سادہ سی بات کو بھی الجھا دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان آیات تک محدود کر لیتے ہیں جن میں شفاعت کی نفی ہے۔ وہ یہ جاننے کی زحمت ہی نہیں کرتے کہ یہ نفیٔ شفاعت دراصل اصنام، طواغیت اور معبودانِ باطلہ کے لئے

ہے۔ وہ ایسا کرتے ہوئے ان درجنوں آیات کو بھول جاتے ہیں جو شفاعت کی تصدیق کرتی ہیں اور جن میں شفاعت کا جواز و اثبات بھی ہے۔ لہٰذا مطلقاً شفاعت کا انکار کفر ہے

۱۶۔ توحید اور واسطۂ ہدایت

توحید و ایمان کے باب میں واسطۂ ہدایت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کی وجہ سے کسی شخص کو ایمان و ایقان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ انسان ہر حال میں ہدایتِ الٰہی کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○(۱)

''اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے ○''

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط(۲)

''فرما دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے۔''

حقیقتاً ہدایت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام ہدایت کا واسطہ ہیں، مالک نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا ہدایتِ ربانی کا باعث ہونا منافئ توحید نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس اور آپ ﷺ کے منصبِ ہدایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○(۳)

''اور بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں ○''

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۳

(۲) الانعام، ۶: ۷۱

(۳) الشوریٰ، ۴۲: ۵۲

اس آیتِ کریمہ میں واضح طور پربیان ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی ہیں۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ فرمانِ الٰہی ہے کہ آپ ہادیٔ برحق ہیں اور راہِ حق کی ہدایت کر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ سمیت جملہ انبیاء علیہم السلام عطائے الٰہی اور اذنِ الٰہی سے لوگوں کو راہِ حق کی ہدایت دیتے ہیں اور یہی درست عقیدہ ہے۔ جب اللہ ﷻ نے خود فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ہدایت پہنچانے والے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہادی کا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝(1)

”وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۝“

اللہ ﷻ کی ذات شانِ کریمی کی مالک ہے وہ ایمان وتقویٰ کو محبوب رکھتا ہے اور کفر و شرک اورنافرمانی کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ اللہ رب العزت کی شان ارحم الراحمین بھی ہے اور ”اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ“ بھی ہے۔ اور ”فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ“ بھی اُسی کی شان ہے۔ اِن سب شانوں کے باوجود نمرود و شداد، فرعون و ہامان اور ابوجہل و ابولہب جیسے نافرمان بھی گزرے مگر اللہ ﷻ نے جبر و اکراہ کے ساتھ اِن کو اپنا مطیع فرمانبردار نہیں بنایا بلکہ صرف رشد و ہدایت واضح کرنے کے لئے انبیائے و رسل علیہم السلام کو منصبِ اِبلاغ پر فائز فرما کر اِنسانوں کو اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان وکفر اور خیر وشر کے انتخاب کا اختیار دیا۔ قرآنِ حکیم میں واضح طور پر ارشاد فرمایا:

(۱) التوبة، ۹: ۳۳

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۱)

''پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔''

حالانکہ جبر و اکراہ کی صورت میں وہ تمام باغی و سرکش اور نافرمان لوگوں کو اپنا مطیع بنا سکتا تھا۔ اِس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَo (۲)

''اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر نفس کو اس کی ہدایت (از خود ہی) عطا کر دیتے لیکن میری طرف سے (یہ) فرمان ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور سب (مُنکِر) جنّات اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دُوں گاo''

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود انسانوں کے دلوں میں اپنی ہدایت براہِ راست القا نہیں فرمائی بلکہ اس ہدایت کو ایمان کا واسطہ بنایا جسے لوگوں تک پہنچانے کے لیے اپنے برگزیدہ رسولوں کو مامور فرمایا۔

اسی طرح حضور سید عالم ﷺ سے بھی شانِ کریمی و رحیمی سے متصف ہیں۔ آپ ﷺ جمیع انسانوں کے مومن ہونے کو پسند کرتے ہیں اور کفر و شرک کو حد درجہ ناپسند فرماتے ہیں۔ قرآن حکیم میں متعدد آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo (۳)

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۹
(۲) السجدۃ، ۳۲: ۱۳
(۳) التوبہ، ۹: ۱۲۸

''بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں o''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًاo (۱)

'' (اے حبیبِ مکرّم!) تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم میں اپنی جانِ (عزیز بھی) گھلا دیں گے اگر وہ اس کلامِ (ربّانی) پر ایمان نہ لائے o''

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ہدایت و رہنمائی اور دعوت و تبلیغ پر اکتفا فرمایا اور اپنی نورانی و باطنی نبوی طاقت کے ذریعے ہر ایک کو مشرف بہ اسلام نہ فرمایا کیونکہ یہ انداز حکمتِ ربانی کے خلاف تھا۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب و خلیفہ ہیں اور اس کے کارکنانِ قضاء و قدر کے سردار ہیں۔ اس لئے اس منصبِ عظیم اور حقِ خلافت و نیابت کا تقاضا بھی یہی تھا جس پر آپ ﷺ کاربند رہے۔

۱۷۔ توحید واسطۂ بیعت

بیعت کا معنی و مفہوم

احکامِ الٰہی کی بجا آوری، اَوامر و نواہی کی پابندی اور دین پر اِستقامت کے لئے عمل بیعت ایک مؤثر واسطہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور

(۱) الکہف، ۱۸: ۶

اس پر استقامت اور پختگی کے لئے آپ ﷺ کے دستِ اقدس میں اپنے ہاتھ دے کر عزمِ مصمم کر لیا کہ آئندہ اوامر و نواہی کی پابندی کریں گے۔ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لائیں گے اور اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اِیفائے عہد کا یہ عزمِ مصمم بیعت کہلاتا ہے۔ بعدازاں جو راہِ سلوک میں بیعت کا طریقہ مروج ہوگیا، اسی بنیاد پر قائم ہوا۔

صحابہ کرام ﷡ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بیعت قرار دیا اور دستِ مصطفیٰ کو دستِ خدا قرار دیا۔ اللہ ﷻ نے اس واسطہ سے انہیں اپنا مقرب بنایا، اِرشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (1)

”(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا اور جس نے (اس) بات کو پورا کیا جس (کے پورا کرنے) پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا ○“

اللہ ﷻ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت اوران کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا۔ اس سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت ایک ہی ہے۔ اسی طرح دونوں کی رضا ایک ہی ہے گویا بیعت کی نسبت اور تعلق کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے درمیان قرب و رضا کا ایک واسطہ بنایا۔

(۱) الفتح، ۴۸: ۱۰

اہلِ ایمان نے رضائے رسول ﷺ کی خاطر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کا مژدہ سنایا۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ (۱)

''بیشک اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، سو جو (جذبۂ صدق و وفا) ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کرلیا تو اللہ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتح (خیبر) کا انعام عطا کیا○''

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کرنا بھی قربِ خداوندی کے لئے واسطہ تھا۔ اسی طرح پیر و مرشد کے ہاتھ پر خدا اور رسول ﷺ کے عطا کردہ اوامر و نواہی پر پابندی کے لئے پختہ عہد کرنا بیعت ہے۔ بیعت قرآن و احادیث سے ثابت شدہ ایک واسطہ اور وسیلہ ہے، جس کا مقصود و مطلوب قربِ خداوندی ہے۔ اتباعِ شریعت میں ثابت قدمی کے لئے کسی عالم ربانی اور متبع شرع صاحبِ تقویٰ وطہارت، نیک سیرت برگزیدہ ہستی کی بیعت کرنا بھی منشائے شریعت ہے، منافیٔ توحید نہیں۔

۱۸۔ توحید اور واسطۂ اَفعال

حضور نبی اکرم ﷺ مظہرِ فعلِ الٰہی ہیں اس لئے فعلِ رسول ﷺ فعلِ الٰہی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کو واشگاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فعل اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) الفتح، ۴۸: ۱۸

۱۔ وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا.(۱)

''اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے اور یہ (اس لئے) کہ وہ اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے اچھے انعامات سے نوازے۔''

۲۔ رسول ﷺ کا بلاوا اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ.(۲)

''اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔''

۳۔ کلامِ رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام قرار دیا ارشاد فرمایا:

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىO(۳)

''اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے O اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہےO''

ان آیات میں یہی بنیادی نکتہ واضح ہوا کہ اللہ ﷻ نے اپنے برگزیدہ محبوب نبی ﷺ کے افعال کو اپنا فعل قرار دیا اور اس نسبت اور واسطۂ اَفعال کے ذریعہ اپنے

(۱) الانفال، ۸:۱۷

(۲) انفال، ۸: ۲۴

(۱) النجم، ۵۳: ۳،۴

نبی ﷺ کو مقامِ قرب عطا فرمایا۔ وہ برگزیدہ رسول ﷺ جس کا ہر ہر عمل مظہرِ فعل الٰہی ہو وہ کسی اور فردِ بشر کے مثل نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اَوامر و نواہی کے نفاذ میں باری تعالیٰ کے قائم مقام اور نائب ہے۔

۱۹۔ توحید اور واسطۂ ولایت

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو اپنی ولایت سے نوازتا ہے۔ خدا اور بندوں کے درمیان اس واسطہ سے جو ربط وتعلق قائم ہوتا ہے اس کو ولایتِ رحمانی کہتے ہیں۔ ولایتِ رحمانی کا سب سے بڑا مظہر انبیاء علیھم السلام ہوتے ہیں۔ واسطۂ ولایت کا دوسرا نام ایمان اور تقویٰ ہے۔ جتنا ایمان اور تقویٰ پختہ ہوتا جائے گا اسی طرح واسطہ ولایت میں بھی پختگی آتی جائے گی۔ حقیقی ولایت اور دوستی اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے مگر اس ذاتِ کریمانہ نے اس ربط اور تعلق کو اپنے بندوں کے لئے بھی عام کیا اور سب سے پہلے اپنے رسول ﷺ کو یہ واسطہ عطا کیا پھر درجہ بدرجہ دیگر اہلِ ایمان کو بھی ولایت عطا ہوئی۔ ہر مومن مسلمان کو حسبِ تقویٰ ولایت کا درجہ حاصل ہوتا ہے جو کہ ولایتِ عامہ ہوتی ہے۔ ولایتِ خاصہ انبیاء کا حصہ ہے کیونکہ ان کی دوستی بھی اللہ تعالیٰ سے دوستی ہوتی ہے۔ کامیابی اور غلبہ کے لئے واسطۂ ولایت کو شرط قرار دیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَo وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَo(۱)

بیشک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیںo اور جو شخص اللہ اور اس کے

(۱) المائدہ، ۵: ۵۵۔ ۵۶

رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا (وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیںo‘‘

مذکورہ اِرشادِ ربانی میں تین قسم کی ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ ذاتِ باری تعالیٰ

۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ

۳۔ صادق اور راست باز اہلِ ایمان

ولایت کا استحکام اہلِ ایمان میں محبت و اخوت اور یگانگت پیدا کرنے کا واسطہ ہے جس سے ان تینوں ہستیوں کا آپس میں ربط اور تعلق مضبوط ہوتا ہے اور غلبہ نصیب ہوتا ہے۔سورۂ حج میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ط هُوَ مَوْلٰـكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُo (۱)

’’اور اللہ (کے دامن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہی تمہارا مددگار (و کارساز) ہے، پس وہ کتنا اچھا کارساز (ہے) اور کتنا اچھا مددگار ہےo‘‘

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰـهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌo (۲)

’’سو بیشک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد (سارے) فرشتے بھی (اُن کے) مددگار ہیںo‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ مؤمنین و صالحین اور متقی لوگوں

(۱) الحج، ۲۲: ۷۸

(۲) التحریم، ۶۶: ۴

کی ولایت کا وسیلہ اور واسطہ منافیٔ توحید نہیں۔ کیونکہ ولایت بھی خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کے لئے واسطہ ہے جس خوش نصیب کو یہ مل جائے وہ ایمان اور عملِ صالح کی بدولت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ اور بلند درجہ پاتا ہے اور رب تعالیٰ اسے دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔

۲۰۔ توحید اور واسطۂ اَذیت

انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر اہلِ عزیمت کو اِعلائے کلمۃ اللہ کے لئے شدائد و مصائب اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کو کفار و مشرکین اور معاندین نے اپنی تئیں اذیتیں پہنچائیں مگر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی دلجوئی فرمائی کہ آپ ﷺ کو اذیت دینا دراصل اللہ تعالیٰ کو اذیت دینا ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا○(۱)

’’بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اِیذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے (اس نے) ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے○‘‘

اللہ ﷻ نے اذیتِ رسول ﷺ کو اذیتِ خدا قرار دے کر اپنے محبوب ﷺ سے قرب و تعلق کی نوعیت واضح فرمادی کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ رسول کو تکلیف دینا اور ہے اور خدا کو تکلیف دینا اور ہے۔ اللہ ﷻ نے رسول ﷺ کی اَذیت کو اپنی اَذیت قرار دیا یوں کفار و مشرکین کا رسول ﷺ کو اذیت پہنچانا بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے مقام و

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۷

مرتبہ اور بلندیٔ درجات کا واسطہ بن گیا۔ جو لوگ رسول ﷺ کو اذیت دینے سے باز نہ آئے تو اللہ رب العزت نے ان کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنائی ارشاد فرمایا:

وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝[1]

''اور ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (مکرم ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان (کے کچے) ہیں۔ فرما دیجئے: تمہارے لیے بھلائی کے کان ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۝''

اللہ ﷻ کی ذاتِ مقدّسہ ہماری طرح جسمانی عوارض و آلائش سے پاک ہے۔ اسے نہ تو کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے اور نہ مخلوق کی ایذا رسانی کی محسوسات کا گمان اس سے ممکن ہے۔ پس جب اس نے رسول ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا قرار دیا تو دراصل اس نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کا ایک اور واسطہ بیان کیا جس کے ذریعہ اپنی بارگاہ میں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ اور عظمتِ شان کو اجاگر کیا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اذیت کس طرح واسطہ بن گیا۔ گذشتہ صفحات میں ہم یہ بیان کر آتے ہیں کہ واسطہ درحقیقت دو ذاتوں کے درمیان رابطہ اور تعلق کا نام ہے جو دو بندوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان بھی۔ اس تعریف کی رو سے دیکھا جائے تو اللہ ﷻ نے رسول ﷺ کی اذیت کو اپنی اذیت قرار دے کر آپ ﷺ

(۱) التوبة، ۹: ۶۱

کے ساتھ اپنے قرب اور تعلق کا اظہار فرمایا۔ یوں یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ربط و تعلق کا واسطہ بن گیا۔

۲۱۔ توحید اور واسطۂ مخالفت

حضور نبی اکرم ﷺ کو کفار و مشرکین اور دشمنانِ دین کی طرف سے قدم قدم پر مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ رب العزت نے نہ صرف آپ ﷺ کی دلجوئی فرمائی بلکہ آپ ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت اور آپ ﷺ کی نافرمانی کو بھی اپنی نافرمانی قرار دیا۔ جو لوگ رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت بھی ایک ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○(۱)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت انگیز عذاب ہے''

پھر فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○(۲)

''یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کی اور جو

(۱) النساء، ۴: ۱۴

(۲) الأنفال، ۸: ۱۳

شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے‘‘

ایک اور مقام پر فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝(۱)

’’یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے شدید عداوت کی (ان کا سرغنہ کعب بن اشرف نامور گستاخِ رسول تھا)، اور جو شخص اللہ (اور رسول ﷺ کی) مخالفت کرتا ہے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۝‘‘

مندرجہ بالا دونوں آیات پر غور کریں۔ کفار و مشرکینِ مکہ نے مخالفت تو رسول اللہ ﷺ کی کی تھی مگر اُسے اللہ تعالی نے اپنی مخالفت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عداوت و مخالفت کرے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر رسول ﷺ کی عداوت کو اپنی عداوت قرار دیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالی کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ اسے سخت عذاب دینے والا ہے یہ رسول معظم ﷺ کی تعظیم و تکریم کی انتہا ہے کہ آپ ﷺ کی عداوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عداوت قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝(۲)

(۱) الحشر، ۵۹: ۴

(۲) المجادلۃ، ۵۸: ۵

''بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل کئے جائیں گے جس طرح اُن سے پہلے لوگ ذلیل کئے جا چکے ہیں اور بیشک ہم نے واضح آیتیں نازل فرما دی ہیں، اور کافروں کے لئے ذِلت انگیز عذاب ہے۔''

پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝[1]

''بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول(ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔''

مذکورہ بالا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت، نافرمانی کو اپنی نافرمانی، اور تکذیب کو اپنی تکذیب قرار دے کر اپنے محبوب نبی ﷺ کی دلجوئی کی اور رسول ﷺ کے ساتھ واسطہ اور تعلق کو بیان فرمایا: اس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ مخالفتِ رسول ﷺ سے کفار و مشرکین ذلیل ترین ہو کر ذلت آمیز عذاب کے مستحق قرار پائے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حق میں یہ مخالفت مضبوط تعلق باللہ کا واسطہ بنی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دشمنانِ دین کی طرف سے مخالفتِ رسول ﷺ آپ ﷺ کے بلندیٔ درجات کا واسطہ ہے۔

۲۲۔ توحید اور واسطۂ نصرت

حقیقی نصیر اور مددگار اللہ تعالیٰ ہے مگر اس نے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اہلِ ایمان کی طرف بھی مدد و نصرت کی نسبت کی۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ دین کی مدد و نصرت بھی قربِ خداوندی کا ایک واسطہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نصرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت قرار دیا فرمایا:

(۱) المجادلة، ۵۸: ۲۰

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○[1]

”(مذکورہ بالا مالِ فَے) نادار مہاجرین کے لئے (بھی) ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال (اور جائیدادوں) سے باہر نکال دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضاء وخوشنودی چاہتے ہیں اور (اپنے مال و وطن کی قربانی سے) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہی سچے مؤمن ہیں ○“

اصل میں تو لوگوں نے مال و وطن قربان کرکے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی مدد کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد قرار دیا۔ دین کی مدد و نصرت اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامیابی کا وسیلہ اور واسطہ ہے۔ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○[2]

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط رکھے گا ○۔“

۳۔ اسی طرح اللہ کے محبوب مکرم ﷺ کی نصرت کامیابی کا واسطہ قرار پایا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○[3]

(۱) الحشر، ۵۹: ۸

(۲) الاعراف، ۷: ۱۵۷

(۳) الاعراف، ۷: ۱۵۷

''پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںo''

انبیاء علیہم السلام سے جب عہد لیا گیا تو اس وقت حضور ﷺ کی نصرت کا وعدہ بھی شامل تھا، فرمایا:

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (1)

''پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے۔''

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کے دین کی مدد کو اپنی مدد قرار دیا۔ پس آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی ترویج و اشاعت کے لئے تگ و دو کرنا بھی رضائے الٰہی اور فلاح و کامیابی کا واسطہ و وسیلہ ہے۔

۲۳۔ توحید اور واسطۂ تعبُّد

گزشتہ صفحات میں ہم نے ان ۲۲ شرعی وسائط کو بیان کیا جو از روئے قرآن و حدیث ثابت اور جائز ہیں جیسا کہ ہم ابتداء میں بیان کر آئے ہیں کہ صرف عبادت کا واسطہ شرکیہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جملہ مخلوقات میں سے کوئی بھی ہستی عبادت میں اس کی شریک نہیں۔ عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو سکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت

(۱) آل عمران، ۳: ۸۱

گزاری کے اعتبار سے ادنیٰ ترین مقام پر ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہاؤں کے مابین رابطہ وتعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے، یہ تعلق ہی اس امر کا متقاضی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ اسی کی ہی عبادت کی جائے۔

کسی عقیدہ اور مکتبِ فکر کے مسلمہ مفسرین و محدثین کرام، فقہاء و اصولین، اجل ائمہ لغت و ادب اور ائمہ عقائد کے درمیان عبادت کی تعریف کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔ مفسرینِ کرام نے سورہ فاتحہ کی آیت ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کے ذیل میں عبادت کی تعریف بیان کرتے ہوئے 'غایت الخضوع والتذلل' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تمام اجل مفسرین کے مطابق خضوع و تذلل کی بہت سی صورتیں اور درجات ہیں لیکن عبادت عاجزی و انکساری کا بلند ترین درجہ ہے جو صرف اللہ رب العزت کا ہی حق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب ہم توحید فی العبادت کی بات کرتے ہیں تو اس کا معنی عبادت میں توحید ہے۔ اس کا اطلاق ہم تعظیم پر نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں توحید فی العبادت کا ذکر ہے وہیں اس امر کا ذکر بھی ہے۔

عبادت بلا شرکتِ غیرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی سے دعا کرنی چاہیے اور اسی کو مستعانِ حقیقی سمجھنا چاہیے۔ اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مصائب و آلام میں اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ کسی ماسوا اللہ کو حقیقی مددگار سمجھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ازخود کسی کو نہ کسی گناہ سے روک سکتا ہے نہ نیکی کی توفیق دے سکتا ہے۔ اسلام نے توحید کا یہ عقیدہ بالتصریح بیان کر دیا ہے کہ جو مخلوق ہو وہ خالق نہیں ہوسکتا۔ اس سے اسلام نے تمام جھوٹے خداؤں اور معبودانِ باطلہ کی نفی کر دی اور حتمی طور پر اس بات کا قطعی اعلان کر دیا کہ چاہے کوئی ہستی خواہ بعداز خدا بزرگی کے مقام پر فائز پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ہی کی کیوں نہ ہوں خدا نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ سمیت کسی نبی یا ولی کو واسطہ عبادت نہیں بنایا جاسکتا۔

توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں ماسوائے اللہ رب العزت کے کسی کی

عبادت جائز نہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شرک عبادت کا مدِمقابل ہے لیکن ادب و احترام اور تعظیم پر مبنی کسی عمل کا شرک سے کوئی مقابلہ اور تضاد نہیں بلکہ تعظیم کا متضاد عمل بے ادبی، گستاخی اور توہین ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی ہستی کو واسطہ بنانے یا کسی کے ادب و احترام اور تعظیم کا وہ درجہ جو عبادت کی حد تک پہنچا ہو، شرک نہیں۔

باب ششم

توحید اور زِیارت

فصل اَوّل: زِیارت کا معنی و مفہوم اور اَقسام

فصل دوم: زِیارتِ رسول ﷺ

فصل سوم: زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کی مشروعیت

فصل چہارم: لَا تُشَدُّ الرِّحَال کا صحیح مفہوم

فصل پنجم: زیارتِ صالحین

فصل ششم: زیارتِ قبور کا شرعی تصوّر

فصل اَوّل

زِیارت کا معنی و مفہوم اور اَقسام

زیارتِ قبور باعثِ اجر و ثواب عمل اور تذکیرِ آخرت کا اہم ذریعہ ہے۔ ائمۂ حدیث وتفسیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمانوں کو خواہ مرد ہو یا عورت زیارتِ قبور کی اجازت ہے جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک حسبِ استطاعت حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت واجب کے درجہ میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے اب تک اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے اور دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے طبقات میں سے کسی نے درِ رسول ﷺ کی حاضری کو اپنے لیے دنیوی و اُخروی سعادت نہ سمجھا ہو۔ پوری تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کوئی شخص متدین ہو، مبلغ ہو اور مسلم ہو لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں جانے میں عار محسوس کرے۔ بلکہ ہر وہ مسلمان جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ بوجھ دی، اسے علم کی دولت سے نوازا، اسے عقلِ سلیم اور قلبِ منیر سے فیضیاب فرمایا ہو اور وہ محبوبِ کبریا کی بارگاہِ اقدس میں جانے سے ہچکچائے۔ تاہم گزشتہ چند دہائیوں سے بعض لوگوں نے دین کی خودساختہ تشریح و تعبیر کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ انور، اولیاء وصالحین اور عامۃ الناس کی قبور کی زیارت کو بدعت، شرک اور ممنوع سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زیارتِ قبور کے بارے میں ایسا عقیدہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی رو سے صراحتاً غلط اور باطل ہے۔ اس ضمن میں بھی لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ زیارتِ قبور پر جانے والوں نے زیارت کے مقاصد بدل لیے اور عبرت کی بجائے سیر وتفریح کا ذریعہ بنا لیا تو مخالفین بھی اپنی حد سے ایک قدم آگے بڑھے اور انہوں نے جواز کو بوجوہ عدمِ جواز میں بدلا اور بعد ازاں اس عمل کو حرام اور شرک تک پہنچا دیا۔ دیگر مستحب اعمال کی طرح زیارتِ قبور کو بھی متنازعہ بنا دیا گیا اور نتیجتاً اس پر بھی بحث و مناظروں کا سلسلہ چل نکلا۔ دونوں طرف سے دلائل کے انبار لگ

گئے اور کتب مرتب ہونا شروع ہوگئیں۔ چنانچہ اس وقت ''توحید اور ردِ شرک'' کے اہم موضوعات میں سے زیارتِ قبور بھی ایک مستقل موضوع بن گیا ہے۔ اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس موضوع پر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں اعتدال و توازن کی راہ پر چلتے ہوئے نفسِ مسئلہ کو سمجھا جائے۔ آئندہ صفحات میں قرآنی آیات اور احادیث سے براہِ راست ہم زیارتِ قبور خصوصاً زیارتِ رسول ﷺ اور زیارتِ اولیاء پر روشنی ڈالیں گے۔ آیئے سب سے پہلے ہم زیرِ نظر باب میں زیارت کا معنی و مفہوم اور اس کی اقسام سمجھ لیں۔

ا۔ زیارت کا لغوی معنی و مفہوم

عربی لغت میں ہر لفظ کا مادہ کم از کم سہ حرفی ہوتا ہے جس سے باقی الفاظ مشتق اور اخذ ہوتے ہیں۔ عربی لغت کے اعتبار سے لفظِ زیارت زَارَ، یَزُوْرُ، زَوْرًا سے بنا ہے، جس میں ملنے، دیکھنے، رغبت اور جھکاؤ کے معانی پائے جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ کسی کی ملاقات کے لئے جائے تو اس میں اُس شخص کی طرف رغبت، رجحان اور جھکاؤ پایا جاتا ہے اور بوقت ملاقات رؤیت بھی ہوتی ہے اس لئے اس عمل کو زیارت کہا جاتا ہے۔ ائمہِ لغت نے زَور کے درج ذیل معانی بیان کئے ہیں:

١ - زَارَ، يَزُوْرُ، زَوْرًا، أى لَقِيَهُ بِزَوْرِهِ، أَوْ قَصَدَ زَوْرَهُ أى وِجْهَتَهُ.[1]

(''زَار يَزُوْرُ زَوْرًا کا معنی ہے: اس نے فلاں شخص سے ملاقات کی یا فلاں کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔''

٢ - زَارَ يَزُوْرُ زِيَارَةً وَ زَوْرًا وَ زُوَارًا و زُوَارَةً وَمَزَارًا أتاهُ بِقَصْدِ اللقاء وُهُو مأخوذ من الزَوْرِ للصدر أو المَيْل.[2]

''زیارت کا معنی ہے: کسی سے ملنے کے لئے آنا۔ یہ لفظ زَور سے نکلا ہے جس

(١) زبیدی، تاج العروس، ٦: ٤٧٧

(٢) بطرس بستانی، محیط المحیط: ٣٨٤

کا معنی ہے سینہ کی ہڈیوں کی ملنے کی جگہ یا میلان، رجحان اور رغبت۔‘‘

۳۔ ’’محيط المحيط (ص: ۳۸۴)‘‘ میں زیارت کا معنی یوں بھی لکھا ہے:

الزِّيارة مصدر و إسم بمعنى الذهاب إلى مكان للاجتماع بأهله كزيارة الأحبة وللتبرّك بما فيه من الآثار كزيارة الأماكن.

’’لفظِ زیارۃ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ جس کا معنی کسی جگہ اہالیان سے ملنے کے لئے جانا جیسے دوست احباب کی ملاقات یا دوسرا معنی کسی جگہ موجود آثار سے حصولِ برکت کے لئے جانا جیسے مقاماتِ مقدّسہ کی زیارت کے لئے جانا۔‘‘

۴۔ لغت کی معروف کتاب ’’المصباح المنير‘‘ میں لکھا ہے:

والزِّيارة فى العرف قصد المزور كرامًا له واستئناسا به.(۱)

’’عرفِ عام میں زیارت سے مراد کسی شخص کے ادب و احترام اور اس سے محبت کی بناء پر اس کی ملاقات کے لئے جانا۔‘‘

اسی سے مَزَار ہے۔ جس کا معنی ہے وہ جگہ جس کی زیارت کی جائے۔ ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں:

وَالمَزَارُ موضع الزيارة.(۲)

’’مزار سے مراد زیارت کرنے کا مقام ہے۔‘‘

اسی سے زَائِر بھی ہے جس کا معنی ہے: زیارت کے لئے جانے والا شخص یا ملاقاتی۔

---

(۱) فيومى، المصباح المنير فى غريب شرح الكبير للرافعى، ۱: ۲۶۰
(۲) ابن منظور إفريقى، لسان العرب، ۴: ۳۳۳

۲۔ زیارت کا شرعی معنی و مفہوم

قرآن و حدیث کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ذواتِ عالیہ اور مقاماتِ مطہرہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نعمت و رحمت سے نوازا ہے اور اِن کو دیگر مخلوق پر ترجیح دی ہے۔ ان بابرکت ذوات اور اماکنِ مقدسہ پر حاضری کیلئے جانا مشروع، مسنون، مندوب اور مستحب عمل ہے، عرفِ عام میں اسی کو ''زیارت'' کہا جاتا ہے۔

۳۔ زیارت کی اَقسام

دینِ اسلام میں زیارت کا اس قدر جامع تصور ہے کہ ہر واجب الاحترام شخصیت، متبرک چیز اور مقام مقدّس کو صرف اور صرف دیکھنا ہی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

النظر إلى الوالد عبادة، والنظر إلى الكعبة عبادة، والنظر في المصحف عبادة، والنظر إلى أخيك حبًا له في الله عبادة. (۱)

''والد کی طرف دیکھنا عبادت ہے، کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے، قرآن حکیم کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور اپنے بھائی کی طرف رضائے الٰہی کے لئے محبت کی نگاہ سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔''

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کی طرف دیکھنے کو عبادت فرمایا یہ دراصل زیارت کی مختلف اقسام ہیں۔ ذیل میں ہم اس حدیث سمیت دیگر نصوص کی روشنی میں زیارت کی اقسام کا ذکر کر رہے ہیں جن میں سرِفہرست زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

---

(۱) بیهقی، شعب الإیمان، ۷: ۱۸۷، رقم: ۸۷۶۰

(۱) زیارتِ رسول ﷺ

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بحالتِ ایمان آپ ﷺ کی زیارت کرنا افضل ترین عمل تھا۔ ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کی زیارت کرنے والے خوش نصیب لوگوں کو ہی مرتبۂ صحابیت پر فائز ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ یہ اتنا عظیم شرف اور امتیاز ہے جس پر قیامت تک کوئی اور شخص فائز نہیں ہوسکتا بے شک وہ پوری زندگی عبادت و ریاضت میں کیوں نہ صرف کر دے۔ ایسے خوش نصیب شخص کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَمُسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِي أَوْ رَأَی مَنْ رَآنِي.(۱)

’’اُس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابی) یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا (یعنی تابعی)۔‘‘

اسی طرح بعد از وصال زیارتِ رسول ﷺ کی شرعی حیثیت پر بھی اُمتِ مسلمہ کا اِجماع ہے۔ بعض ائمۂ احناف اور مالکیہ کے علاوہ دیگر اہلِ سنت وجماعت کے مذاہب بھی اسے بعض حالات میں واجب قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا حکم فرمایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○(۲)

’’اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رأی النبی ﷺ وصحبه، ۵: ۶۹۴، رقم: ۳۸۵۸

(۲) النساء، ۴: ۶۴

خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اِس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتےo‘‘

درجِ بالا آیتِ مبارکہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کا اطلاق صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک تھا بلکہ جس طرح قرآن کے تمام احکام قیامت تک کے لئے ہیں اسی طرح اس آیتِ مبارکہ کا اطلاق بھی حضور ﷺ کی ذاتِ مطہرہ پر قیامت تک کے لئے ہوگا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے روضۂ اَطہر کی زیارت کے حوالے سے اِرشاد فرمایا، جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے:

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي.(۱)

’’جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔‘‘

احادیثِ صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی قبرِ انور کی زیارت کرنے کی بڑی ترغیب دلائی ہے جس پر تفصیلی بحث اِن شاء اللہ تعالیٰ آئندہ فصول میں کی جائے گی۔

(۲) زیارتِ اولیاء و صالحین

اللہ تعالیٰ کے مقرب اور محبوب بندوں کی زیارت و ملاقات کے لئے جانا، عند اللہ محبوب عمل ہے۔ اللہ ﷻ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین سے ثابت ہے کہ صالحین کی

(۱) ۱۔ دارقطني، السنن، ۲:۲۷۸
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۳:۴۹۰، رقم: ۴۱۵۹، ۴۱۶۰
۳۔ حكيم ترمذي، نوادر الأصول، ۲: ۶۷

زیارت اور ملاقات کو جانا چاہیے۔

۱۔ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الکہف[(۱)] میں تفصیلاً بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت حضر علیہ السلام کی زیارت اور اُن کی صحبت سے مستفید ہونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ حضرت حضر علیہ السلام کا شمار اللہ جل جلالہ کے صالحین اور مقرب بندوں میں ہوتا ہے جس سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے علم سے استفادہ کے لئے خصوصی طور پر بھیجا گیا۔

اولیاء وصالحین کی زیارت کرنا مسنون عمل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ طیبہ اور فرامینِ مبارکہ سے بھی اولیاء، صالحین، کامل مؤمنین اور متقین کی زیارت کو جانا ثابت ہے۔

۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی خاطر کسی کی زیارت و ملاقات محبتِ الٰہی کا باعث ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیثِ قدسی بیان کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَلِلْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَلِلْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَلِلْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ.[(۲)]

’’میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہوگئی جو صرف میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں، میری رضا کے لئے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات کرتے ہیں اور میری رضا کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔‘‘

(۱) الکہف، ۱۸: ۶۰۔۸۲

(۲) ۱۔ مالك، الموطأ، ۲: ۹۵۳، رقم: ۱۷۱۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۳۳، رقم: ۲۲۰۸۳

۳۔ حضرت رَزِین بن حبش سے روایت ہے، کہتے ہیں:

أَتَيْنَا صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ الْمُرَادِيَّ، فَقَالَ: أَزَائِرِيْنَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، فَقَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ زَارَ أَخَاهُ الْمُؤْمِنَ خَاضَ فِي رِيَاضِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ، وَمَنْ عَادَ أَخَاهُ الْمُؤْمِنُ خَاضَ فِي الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ. (۱)

''ہم حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، وہ پوچھنے لگے: ملاقات کرنے آئے ہو؟ ہم نے کہا: جی ہاں! اس پر انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جو شخص اپنے مومن بھائی کی ملاقات کو جاتا ہے وہ واپسی تک جنت کے باغوں میں (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے) مستفید ہوتا رہتا ہے، اور (اسی طرح) جو بندہ اپنے مومن بھائی کی عیادت کے لئے جاتا ہے وہ بھی واپسی تک جنت کے باغوں میں رہتا ہے۔''

زیارتِ صالحین کی مزید تفصیلات اس عنوان کے تحت آئندہ فصل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) زیارتِ اَماکنِ مقدسہ

شریعتِ اسلامیہ میں مقدّس مقامات کی زیارت کو جانے کی بھی اجازت ہے۔ ان بابرکت مقامات میں روئے زمین کی تمام مساجد، خصوصاً مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ قباء اور بعض مقدّس اماکن مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، فلسطین، شام اور یمن شامل ہیں۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ، دیگر انبیاءِ کرام اور اولیاءِ عظام کے مقاماتِ ولادت

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۸: ۶۷، رقم: ۷۳۸۹
۲۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۵: ۸۹
۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۲۴۸، رقم: ۳۸۹۸

اور وصال کی زیارت کرنا بھی از روئے شرع جائز ہے۔

(۴) زیارتِ والدین

ایک اسلامی معاشرے میں والدین کا مقام و مرتبہ اتنا اونچا اور بلند ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں اپنے شکر کے ساتھ ہی والدین کے شکر کا بھی حکم دیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ط اِلَیَّ الْمَصِیْرُo[1]

”تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہےo“

حج اور جہاد جیسے فرائض پر بھی خدمتِ والدین کو ترجیح حاصل ہے۔ وہ اولاد نیک اور سعادت مند ہے جو اپنے والدین کی فرماں بردار ہو۔ ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا سلوک کرے اور جنت کی مستحق ٹھہرے۔ والدین کی زیارت مندوب و مستحب عمل ہے اور ان کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہمیں اس امر کی ترغیب ملتی ہے کہ زیارتِ والدین عملِ خیر اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍ يَنْظُرُ إِلَى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً. قَالُوْا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: نِعَمُ اللهِ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ.[2]

(۱) لقمان، ۳۱:۱۴

(۲) ۱۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۶: ۱۸۶، رقم: ۷۸۵۶

۲۔ سیوطی، الدر المنثور، ۵:۲۶۴

''کوئی بھی سعادت مند بیٹا اپنے والدین کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر بار دیکھنے کے بدلے مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر چہ کوئی شخص ہر روز ایک سو مرتبہ والدین کی زیارت کرے (تو بھی اسے اتنا ہی اجر ملے گا)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (ہاں ایسا ہی ہر مرتبہ ثواب ملے گا کیونکہ) اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتیں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔''

حضرت محمد بن نعمان سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهُ وَ كُتِبَ بَرًّا.(1)

''جس شخص نے ہر جمعۃ المبارک کو اپنے والدین میں سے دونوں یا کسی ایک کی قبر کی زیارت کی تو اس کی بخشش کر دی جاتی ہے اور اس کا نام نیکوکاروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔''

(۵) زیارتِ اَحباب اور متعلقین

کسی شخص کا اپنے اَعزّہ و اَقارب، دوست احباب اور ہمسایوں کی ملاقات اور زیارت کے لئے جانا اور ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق ان کی عزت و احترام کرنا شرعاً مستحسن عمل ہے جو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُكْثِرُ زِيَارَةَ الْأَنْصَارِ خَاصَّةً وَعَامَّةً فَكَانَ

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۱۸۵
۲۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۶: ۲۰۱
۳۔ سیوطی، الدر المنثور، ۵: ۲۶۷

إِذَا زَارَ خَاصّةً أَتَى الرَّجُلَ فِي مَنْزِلِهِ وَإِذَا زَارَ عَامَّةً أَتَى الْمَسْجِدَ.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ انصار کو اکثر خصوصی اور عمومی شرفِ ملاقات بخشا کرتے تھے۔ جب کسی خاص آدمی سے ملاقات فرمانا ہوتی تو آپ اس کے گھر تشریف لے جاتے اور جب عام زیارت کرنا مقصود ہوتی تو مسجد میں تشریف لے آتے۔‘‘

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَادَ مَرِيْضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللهِ نَادَاهُ مُنَادٍ بِأَنْ طِبْتَ، وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا. (۲)

’’جو شخص کسی بیمار کی عیادت کے لئے جائے یا محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے کسی دینی بھائی کی زیارت کے لئے جائے تو اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے، تو پاک ہو، تیرا چلنا مبارک ہو، تو نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا۔‘‘

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ أَتَى أَخَاهُ لَهُ يَزُوْرُهُ فِي اللهِ إِلَّا نَادَاهُ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ أَن طِبْتَ وَطَابَتْ لَكَ الْجَنَّةُ وَإِلَّا قَالَ اللهُ فِي مَلَكُوْتِ عَرْشِهِ (عَبْدِي) زَارَ فِيَّ، وَعَلَيَّ قِرَاهُ، فَلَمْ أَرْضَ لَهُ بِقِرىٰ دُوْنَ

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۹۸

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في زيارة الأخوان، ۴: ۳۶۵، رقم: ۲۰۰۸

۲۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۴۹۰، رقم: ۵۵۲۱

۳۔ بیهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۰۳، رقم: ۹۰۲۶

الْجَنَّةِ.(۱)

’’جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے کسی مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جاتا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ پکارتا ہے، تو پاکیزہ ہو گیا، تجھے جنت مبارک ہو، اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش کی بادشاہی میں ارشاد فرماتا ہے: میرا بندہ میری خاطر اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے آیا ہے اب اس کا اعزاز واکرام میرے ذمہ ہے۔ اس کے بدلے میں اس کے لئے جنت کے علاوہ کسی اور بدلہ پر راضی نہ ہوں گا۔‘‘

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِرِجَالِكُمْ فِي الْجَنَّةِ؟ قُلْنَا: بَلَى يَارَسُولَ اللهِ، قَالَ: النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ، وَالصِّدِّيْقُ فِي الْجَنَّةِ، وَالشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ. وَالرَّجُلُ يَزُوْرُ أَخَاهُ فِي نَاحِيَةِ الْمِصْرِ لَا يَزُوْرُهُ إِلَّا ِللهِ فِي الْجَنَّةِ.(۲)

’’کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیھم السلام جنت میں ہوں گے،

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۱۶۲، رقم: ۴۱۴۰
۲۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۷: ۲۳۷، رقم: ۲۶۷۹
۳۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۴۷، رقم: ۳۸۹۰
۴۔ أبو نعيم الأصبهانی، حلية الأولياء، ۳: ۱۰۷

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۲: ۲۰۶، رقم: ۱۷۴۳
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۹۴، رقم: ۹۰۲۸
۳۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۴۷، رقم: ۳۸۹۳

صدیق جنت میں ہوں گے، شہید جنت میں ہوں گے، نابالغ بچے جنت میں ہوں گے اور وہ شخص جنت میں ہوگا جو محض رضائے الٰہی کے لئے اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کے لئے شہر کے دور دراز محلے میں گیا۔‘‘

۵۔ حضرت ابو رُزَین العقیلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَبَا رُزَيْنٍ! إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا زَارَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، شَيَّعَهُ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ، يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ يَقُوْلُوْنَ: اَللّٰهُمَّ كَمَا وَصَلَهُ فِيْكَ فَصِلْهُ. (۱)

’’اے ابو رُزین جب مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کو جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں جو اس کے لئے (یہ) دعا کرتے ہیں: یااللہ! جس طرح اس بندے نے تیری رضا کے لئے اپنے بھائی سے ملاقات کی تو بھی اس سے راضی ہو جا۔‘‘

(۶) زیارتِ قبور

قبور کی زیارت کرنا باعثِ اجر و ثواب اور تذکیرِ آخرت کا ذریعہ ہے۔ ائمۂ حدیث وتفسیر نے شرح و بسط کے ساتھ اس کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔ ائمہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جمیع مسلمانوں کو خواہ مرد ہو یا عورت زیارتِ قبور کی اجازت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا معمول مبارک بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتے، اہلِ قبور کو سلام کہتے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے۔

زِیارت منافیِ توحید نہیں

ہم نے اپنی کتاب ’’کتاب التوحید (جلد اوّل)‘‘ میں توحید اور شرک کی تقابلی بحث میں اس بات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ کسی عمل کا شرک ہونے کے لئے لازم

(۱) طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۱۷۶، ۱۷۷، رقم: ۸۳۲۰
۲۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۳: ۲۴۸، رقم: ۳۸۹۴

ہے کہ وہ توحید کے معروف اقسام میں سے کسی کے مقابلے میں آئے ورنہ ہر عمل شرک نہیں ہوسکتا۔ بعض لوگ مزاراتِ انبیاء علیھم السلام اور اولیاء کرام کی حاضری و زیارت کو خلافِ توحید سمجھتے ہیں اور اسے شرک گردانتے ہیں حالانکہ کسی مزار کی زیارت کرنا اس بات کا صریح اعلان ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی قبر کی زیارت کر رہے ہیں جو اس دنیا میں زندہ نہ رہا۔ اللہ ﷻ کی ذات تو موت سے پاک ہے۔ وہ حيّ و قيّوم ہے۔ وہ ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ اس ذاتِ قادر و قیوم کے بارے میں موت کا تصور بھی ممکن نہیں۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ.(۱)

''اللہ، اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں (وہ) ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے (سارے عالم کو اپنی تدبیر سے) قائم رکھنے والا ہے۔''

اللہ ﷻ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ ہمیشہ زندہ رہنا اس کی خاص صفت ہے۔ مخلوق میں سے کوئی اس صفت سے متصف نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی کسی اور کے لئے اس طرح کی صفات کا اثبات کرے گا تو یقیناً شرک کا مرتکب ہوگا۔ فوت شدہ شخص اپنے تقویٰ طہارت اور للّٰہیت کی وجہ سے صالح بزرگ تو ہوسکتا ہے لیکن خدا اور معبود نہیں۔

مسلمانوں کا اپنے فوت شُدگان کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا وہاں ان کے لئے دعا اور فاتحہ کرنا دراصل اس چیز کا اقرار ہے کہ یہ خدا نہیں تھے۔ اسی طرح سیدالعالمین حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ عالیہ کی حاضری بھی اس چیز کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی ہیں، اس کے شریک نہیں۔

آئندہ صفحات میں ہم اِن شاء اللّٰه تبارك و تعالٰی زیارتِ رسول ﷺ، زیارتِ اولیاء و صالحین اور زیارتِ قبور پر بحث کریں گے۔

(۱) آل عمران، ۳: ۲

فصل دُوُم

زِیارتِ رسول ﷺ

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوّل تا آخر محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت کرتے تھے اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ نہ انہیں اپنی جان کی پرواتھی، نہ مال و اولاد کی۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوعزیز جانتے تھے۔ ان کی اسی طاقت نے انہیں ہر طوفان سے ٹکرانے اور ہر مشکل سے سرخرو ہونے کا ہنر سکھایا۔ انہوں نے جس والہانہ عشق ومحبت کا مظاہرہ کیا انسانی تاریخ آج تک اس کی نظیر پیش کرسکی اور نہ قیامت تک اس بے مثال محبت کے مظاہر دیکھنے ممکن ہوں گے۔ اُن کی محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورعشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے ہی اپنی بھوک پیاس کو بجھا لیتے تھے اور حالتِ نماز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکتے رہتے تھے۔

❁ حیاتِ مبارکہ میں زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبِ احادیث وسیر میں متعدد واقعات درج ہیں جو انفرادی و اجتماعی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آئے۔ یہ واقعات اِس اَمر کی غمازی کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشاق صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے زندگی کی حرارت پاتے تھے۔ انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ ان مشتاقانِ دید کے دل میں ہر لمحہ یہ تمنا دھڑکتی رہتی تھی کہ ان کا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی ان سے جدا نہ ہو اور وہ صبح وشام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے اپنے قلوب و اذہان کو راحت وسکون بہم پہنچاتے رہیں۔

اسی لازوال محبت کے چند مستند واقعات درج ذیل ہیں۔

ا۔ صحابہ کی نماز اور زیارتِ رسول ﷺ کا حسین منظر

حضور نبی اکرم ﷺ اپنے مرضِ وصال میں جب تین دن تک حجرہ مبارک سے باہر تشریف نہ لائے تو وہ نگاہیں جو روزانہ زیارتِ رسول ﷺ سے مشرف ہوا کرتی تھیں آپ ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس گئیں۔ جان نثارانِ مصطفیٰ ﷺ سراپا انتظار تھے کہ کب ہمیں حضور ﷺ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ بالآخر وہ مبارک و مسعود لمحہ ایک دن حالتِ نماز میں انہیں نصیب ہوگیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایامِ وصال میں جب نماز کی امامت کے فرائض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے۔ پیر کے روز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں حسبِ معمول باجماعت نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے قدرے افاقہ محسوس کیا۔ آپ ﷺ حجرہ مبارک سے مسجدِ نبوی میں جھانک کر گویا اپنے غلاموں کو صدیق کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اظہارِ اطمینان فرما رہے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فكشف النبي ﷺ ستر الحجرة، ينظر إلينا وهو قائمٌ، كأن وجهه ورقة مصحف، ثم تبسّم. (۱)

''نبی اکرم ﷺ نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر کھڑے کھڑے ہمیں دیکھنا

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، ۱: ۲۴۰، رقم: ۶۴۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر، ۱: ۳۱۵، رقم: ۴۱۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الجنائز، باب فی ذکر مرض رسول الله ﷺ، ۱: ۵۱۹، رقم: ۱۶۲۴

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۶۳

شروع فرمایا۔ (ہم نے جب آپ ﷺ کی زیارت کی تو یوں لگا) جیسے آپ ﷺ کا چہرۂ انور کھلا ہوا قرآن ہو، پھر مسکرائے۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فهممنا أن نفتتن من الفرح برؤية النبي ﷺ، فنكص أبوبكر على عقبيه ليصل الصف، وظنّ أن النّبيّ ﷺ خارج إلى الصلٰوة.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کے دیدار کی خوشی میں قریب تھا کہ ہم لوگ نماز چھوڑ بیٹھتے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے پلٹے تاکہ صف میں شامل ہو جائیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ نماز کے لیے باہر تشریف لانے والے ہیں۔‘‘

ان پرکیف لمحات کی منظرکشی رِوایت میں یوں کی گئی ہے:

فلما وضح وجه النبي ﷺ ما نظرنا منظرًا كان أعجب إلينا من وجه النبي ﷺ حين وضح لنا.(۲)

’’جب (پردہ ہٹا اور) آپ ﷺ کا چہرۂ انور سامنے آیا تو یہ اتنا حسین اور

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، ۱:۲۴۱، رقم:۶۴۹
۲۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۳:۷۵، رقم:۴۸۲۵
۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵:۴۳۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، ۱:۲۴۱، رقم:۶۴۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر، ۱:۳۱۵، رقم:۴۱۹
۳۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۲:۳۷۲، رقم:۱۴۸۸

دلکش منظر تھا کہ ہم نے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔‘‘

مسلم شریف میں فهممنا أن نفتتن کی جگہ یہ الفاظ منقول ہیں:

فبهتنا ونحن في الصلوة، من فرح بخروج النبي ﷺ. (۱)

’’ہم دورانِ نماز آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے کی خوشی میں حیرت زدہ ہو گئے (یعنی نماز کی طرف توجہ نہ رہی)۔‘‘

علامہ اقبال نے حالتِ نماز میں حضور ﷺ کے عاشقِ زار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حوالے سے دیدارِ محبوب ﷺ کے منظر کی کیا خوبصورت لفظی تصویر کشی کی ہے:

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری (۲)

۲۔ زیارتِ رسول ﷺ سے بھوک کا مداوا

حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے لئے اتنی بڑی قوت اور سعادت تھی کہ یہ بھوکوں کی بھوک رفع کرنے کا ذریعہ بھی بنتی تھی۔ چہرۂ اقدس کے دیدار کے بعد قلب ونظر میں اترنے والے کیف کے سامنے بھوک و پیاس کے احساس کی کیا حیثیت تھی؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور رحمتِ عالم ﷺ ایسے وقت کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے کہ

لا يخرج فيها و لا يلقاه فيها أحد.

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر، ۱: ۳۱۵، رقم: ۴۱۹

(۲) اقبال، بانگِ درا: ۹۱

''آپ ﷺ پہلے کبھی اس وقت باہر تشریف نہ لاتے تھے اور نہ ہی کوئی آپ ﷺ سے ملاقات کرتا۔''

دراصل ہوا یوں تھا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بھوک سے مغلوب باہر تشریف لے آئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے رفیقِ سفر اور یارِ غار سے پوچھا:

ما جاء بك يا أبا بكر؟

''اے ابوبکر! تم اس وقت کیسے آئے ہو؟''

اس وفا شعار پیکرِ عجز و نیاز نے از راہِ مروّت عرض کیا:

خرجت ألقى رسول الله ﷺ و أنظر فى وجهه و التسليم عليه.

''یا رسول اللہ ﷺ صرف آپ کی ملاقات، چہرہ انور کی زیارت اور سلام عرض کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد ہی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی اسی راستے پر چلتے ہوئے اپنے آقا ﷺ کے پاس حاضر ہو گئے۔ نبئ رحمت ﷺ نے دریافت فرمایا:

ما جاء بك يا عمر؟

''اے عمر! تمہیں کون سی ضرورت اس وقت یہاں لائی؟''

شمعِ رسالت ﷺ کے پروانے نے حسبِ معمول لگی لپٹی کے بغیر عرض کی:

الجوع، يا رسول الله.(۱)

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الزهد، باب فى معيشة أصحاب النبي ﷺ، ۴: ۵۸۳، رقم: ۲۳۶۹

۲۔ ترمذی، الشمائل المحمدية، ۱: ۳۱۲، رقم: ۳۷۳

۳۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۱۴۵، رقم: ۷۱۷۸

''یا رسول اللہ! بھوک کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔''

شمائلِ ترمذی کے حاشیہ پر مذکورہ حدیث کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے:

لعل عمر رضی اللہ عنہ جاء ليتسلى بالنظر فی وجه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كما كان يصنع أهل مصر فی زمن يوسف علیہ السلام، و لعل هذا المعنى كان مقصود أبی بكر رضی اللہ عنہ و قد أدى بالطف وجه كأنه خرج رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما ظهر عليه بنور النبوة أن أبابكر طالب ملاقاته، وخرج أبوبكر لما ظهر عليه بنور الولاية أنه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج فی هذا الوقت لانجاح مطلوبه.[1]

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لئے تشریف لائے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے اپنی بھوک مٹانا چاہتے تھے، جس طرح مصر والے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے اپنی بھوک کو مٹا لیا کرتے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل میں بھی یہی راز مضمر تھا۔ مگر مزاج شناس نبوت نے اپنا مدعا نہایت ہی لطیف انداز میں بیان کیا اور یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نورِ نبوت کی وجہ سے ان کا مدعا بھی آشکار ہو چکا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیوں طالبِ ملاقات ہیں اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نورِ ولایت کی وجہ سے واضح ہو چکا تھا کہ اس گھڑی آقائے مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار انہیں ضرور نصیب ہوگا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں جاں نثاروں کی حالت سے باخبر ہونے پر اپنی زیارت کے طفیل ان کی بھوک ختم فرما دی۔ یہ واقعہ باہمی محبت میں اخلاص اور معراج کا منفرد انداز لیے ہوئے ہے۔

---

(۱) شمائل الترمذی: ۲۷، حاشیہ: ۳

۳۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ اِضطراب

یوں تو حضور نبی اکرم ﷺ کے دیدار کی آرزو اور تمنا ہر صحابیِ رسول ﷺ کے دل میں اس طرح بسی ہوئی تھی کہ اُن کی زندگی کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں تھا۔ آپ ﷺ کی زیارت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکون کی دولت نصیب ہوتی اور معرفتِ الٰہی کے دریچے ان پر روشن ہو جاتے۔ اُن کے دل کی دھڑکن میں زیارتِ مصطفیٰ ﷺ کی خواہش اس درجہ سما گئی تھی کہ اگر کچھ عرصہ کے لئے آپ ﷺ کا دیدار میسر نہ آتا تو وہ بے قرار ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر جو کیفیت گزرتی تھی اس کے بارے میں وہ خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض گزاری:

إني إذا رأيتك طابت نفسي و قرّت عيني، فأنبئني عن كل شيء، قال: كل خلق الله من الماء. (۱)

’’جب میں آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں (تو تمام غم بھول جاتا ہوں اور) دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، پس مجھے تمام اشیاء (کائنات کی تخلیق) کے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق پانی سے کی ہے۔‘‘

مذکور واقعات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر کوئی فنا فی الرسول کے مقام پر فائز تھا اُن کا جینا مرنا، عبادت ریاضت، جہاد تبلیغ سب کچھ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ منسوب تھا۔ اس لئے وہ اپنے آقا و مولا سے ایک لمحہ کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے اور ہر لمحہ حضور ﷺ کی زیارت میں مست و بےخود رہتے۔

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۲۳
۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۱۷۶، رقم: ۷۲۷۸
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۶: ۲۹۹، رقم: ۲۵۵۹

بعد از وصال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح و شام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور دیدار سے اپنے مضطرب قلوب و اذہان کو راحت وسکون بہم پہنچاتے رہے۔ اُن کے دل میں ہر لمحہ یہ تمنا رہتی تھی کہ اُن کا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی اُن سے جدا نہ ہو پس جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیاتِ محبت کا والہانہ اظہار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں ہوا، اسی طرح بعد از وصال بھی وہ دیوانہ وار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دیتے اور اس حاضری میں بھی ان کی کیفیات دیدنی ہوتیں۔ یعنی ادبِ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ محبت اور عشق کی تمام تر بے قراریاں، جذب وشوق اور کیفیتِ فراق اور غمِ ہجر کی لذتیں ان کے ایمان کو جلا بخشتی تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے حوالہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان ہی کیفیاتِ شوق پر مبنی معمولات درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت کعب الاحبار کے قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

هل لك أن تسيرمعي إلى المدينة فنزور قبر النبي صلى الله عليه وآله وسلم وتتمتع بزيارته، فقلت: نعم، يا أمير المؤمنين.

’’کیا آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت اور فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے میرے ساتھ مدینہ منورہ چلیں گے؟‘‘ انہوں نے کہا: ’’جی! امیر المؤمنین۔‘‘

جب حضرت کعب الاحبار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو سب سے پہلے بارگاہِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دے کر سلام عرض کیا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مدفن مبارک پر کھڑے ہوکر اُن کی خدمت میں سلام عرض کیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔[1]

(۱) ۱۔ واقدی، فتوح الشام، ۱: ۲۴۴

۲۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ آپ اکثر روضہ مبارک پر حاضر ہوا کرتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں:

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي دُفِنَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَ أَبِي، فَأَضَعُ ثَوْبِي فَأَقُوْلُ إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَ اللهِ مَا دَخَلْتُ إِلَّا وَ أَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ.(۱)

’’میں اس مکان میں جہاں رسول اللہ ﷺ اور میرے والد گرامی مدفون ہیں جب داخل ہوتی تو یہ خیال کرکے اپنی چادر (جسے بطور برقع اوڑھتی وہ) اتار دیتی کہ یہ میرے شوہرِ نامدار اور والدِ گرامی ہی تو ہیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا تو اللہ کی قسم میں عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے بغیر کپڑا لپیٹے کبھی داخل نہ ہوئی۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روضۂ اقدس پر حاضری کا ہمیشہ معمول تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہلِ مدینہ کو قحط سالی کے خاتمے کے لئے قبرِ انور پر حاضر ہوکر توسل کرنے کی تلقین بھی فرمائی۔

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابواُمامہ بیان کرتے ہیں:

رَأيتُ أنَس بن مَالِك أتى قَبْر النَّبي ﷺ فوقف فرفع يديه حتى

...... ۲۔ ہیتمی، الجوهر المنظم: ۲۷۔ ۲۸

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۰۲

۲۔ حاكم، المستدرك، ۳: ۶۱، رقم: ۴۴۰۲

۳۔ مقريزى، اِمتاعُ الاسماع، ۱۴: ۶۰۷

ظننتُ أنه افتتح الصّلاة فسلّم على النّبيّ ﷺ ثم انصرف.[1]

''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آتے دیکھا، انہوں نے (وہاں آ کر) توقف کیا اور اپنے ہاتھ اتنے بلند کیے کہ میں نے خیال کیا شاید وہ نماز شروع کرنے لگے ہیں۔ پھر انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور واپس چلے گئے۔''

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقط بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں سلام عرض کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لئے بھی مسجدِ نبوی میں آتے تھے۔

۴۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب میں زیارت کا حکم

عاشقِ مصطفیٰ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وِصال مبارک کے بعد یہ خیال کر کے شہرِ دلبر...... مدینہ منورہ ...... سے شام چلے گئے کہ جب یہاں حضور ﷺ ہی نہ رہے تو پھر اِس شہر میں کیا رہنا! حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس فتح کیا تو سرورِ دو عالم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خواب میں آئے اور فرمایا:

ما هذه الجفوة، يا بلال؟ أما آن لك أن تزورني؟ يا بلال.

''بلال! یہ فرقت کیوں ہے؟ بلال! کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم ہم سے ملاقات کرو؟''

اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَشک بار ہو گئے۔ خواب میں حضور ﷺ کے اس فرمان کو حکم سمجھا اور مدینے کی طرف رختِ سفر باندھا، اُفتاں و خیزاں روضۂ مصطفیٰ ﷺ پر حاضری دی اور بے چین ہوکر غمِ فراق میں رونے اور اپنے چہرے کو روضۂ رسول ﷺ پر ملنے لگے۔[2]

(۱) ۱۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۳: ۴۹۱، رقم: ۴۱۶۴
۲۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۶۷۱

(۲) ۱۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام: ۳۹ ←

۵۔ حضرت ابو ایوب اَنصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت داؤد بن صالح بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ مروان بن الحکم روضۂ رسول ﷺ کے پاس آیا تو اُس نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور پُرنور ﷺ کی قبرِانور پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہے۔ مروان نے اسے کہا: کیا تُو جانتا ہے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ جب مروان اس کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے جواب دیا:

نَعَمْ، جِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَ لَمْ آتِ الْحَجَرَ۔(۱)

’’ہاں (میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں)، میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔‘‘

امام احمد بن حنبل کی بیان کردہ روایت کی اِسناد صحیح ہیں۔ امام حاکم نے اسے شیخین (بخاری و مسلم) کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے۔

٦۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ابنِ عمر کا معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس لوٹتے تو حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دیتے اور عرض کرتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! اَلسَّلَامُ

۲۔ ابن حجر مکی، الجوهر المنظم: ۲۷
۳۔ ابن عساکر، تاريخ مدينة دمشق، ۷: ۱۳۷
۴۔ شوکانی، نيل الأوطار، ۵: ۱۸۰

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۲۲
۲۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۵٦۰، رقم: ۸۵۷۱
۳۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۴: ۱۵۸، رقم: ۳۹۹۹

عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ! (۱)

''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! (اے اللہ کے (پیارے) رسول! آپ پر سلامتی ہو)، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! (اے ابوبکر! آپ پر سلامتی ہو)، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ! (اے ابا جان! آپ پر سلامتی ہو۔)''

درج بالا علمی تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اور بعد از وصال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی زیارت کے لئے حاضری دیا کرتے تھے۔ اُن کا حاضری دینے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ آقا علیہ السلام کی حیات اور بعد از وصال آپ ﷺ کے فیوضات و برکات سے مستفید ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جمیع امتِ مسلمہ کا بھی یہ معمول رہا ہے کہ وہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضری دینے کو اپنے لئے باعثِ سعادت وخوش بختی سمجھتی ہے۔

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۳: ۵۷٦، رقم: ٦٧٢۴

۲۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۳: ۲۸، رقم: ۱۱۷۹۳

۳۔ ابن إسحاق أزدی، فضل الصلاة علی النبی ﷺ: ۹۱، رقم: ۹۹

فصل سوُم

زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کی مشروعیت

۱۔ بحث القرآن

۲۔ بحث الحدیث

۳۔ بحث الفقہ والسلوک

ا۔ بحث القرآن

قبرِ انور کی زیارت کی شرعی حیثیت پر اُمتِ مسلمہ کا اِجماع ہے۔ کئی ائمہ احناف کے نزدیک واجب ہے جبکہ ائمہِ مالکیہ کے نزدیک قطعی طور پر واجب ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اہلِ سنت کے مکاتب و مذاہب بھی اُسے واجب قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا حکم یوں فرمایا ہے:

وَ لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○(1)

’’اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اِس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے○‘‘

اس آیتِ کریمہ کو فقط سرورِ کونین ﷺ کی ظاہری حیات پر محمول کرنا جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے، نصِ قرآنی کا غلط اِطلاق اور قرآن فہمی سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے محدّثین ومفسرین نے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں حاضری کو مطلق قرار دیا ہے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

يُرشد تعالى العصاة والمُذنبين إذا وقع منهم الخطأ والعصيان أن يأتوا إلى الرسول ﷺ، فيستغفروا الله عنده، ويسألوه أن يغفر لهم، فإنهم إذا فعلوا ذٰلك تاب الله عليهم ورحمهم وغفر لهم، ولهذا

---

(۱) النساء، ۴:۶۴

قال: ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ وقد ذكر جماعة منهم الشيخ أبومنصور الصبّاغ فى كتابه الشامل ’الحكاية المشهورة، عن العتبى، قال: كنتُ جالساً عند قبر النبي ﷺ، فجاء أعرابي فقال: السلام عليك يارسول الله! سمعتُ الله يقول:﴿وَ لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ وقد جئتُكَ مستغفرًا لذنبي مستشفعًا بكَ إلى ربي.

ثم أنشأ يقول:

يا خير من دفنت بالقاع أعظمه
فطاب من طيبهن القاع والأكم

نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ثُم انصرف الأعرابيّ، فغلبتني عيني، فرأيت النبيﷺ فى النوم، فقال: يا عتبى! الحق الأعرابيّ، فبشره أن الله قد غفر له.[1]

---

(۱) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱:۵۱۹۔ ۵۲۰

اعرابی کا مذکورہ بالا مشہور واقعہ درج ذیل کتب میں بھی بیان کیا گیا ہے:

۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳:۴۹۵، ۴۹۶، رقم: ۴۱۷۸
۲۔ ابن قدامة، المغنی، ۳:۲۹۸
۳۔ نووی، کتاب الأذکار: ۹۲، ۹۳
۴۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام: ۴۶، ۴۷
۵۔ مقریزی، إمتاع الأسماع، ۱۴: ۶۱۵

''اللہ تعالیٰ نے عاصیوں اور خطاکاروں کو ہدایت فرمائی ہے کہ جب ان سے خطائیں اور گناہ سرزد ہوجائیں تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے اِستغفار کرنا چاہئے اور خود حضور نبی اکرم ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیك وسلم ہمارے لئے دعا فرمائیں جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع فرمائے گا، انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اِسی لئے فرمایا گیا: لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (تو وہ (اِس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)۔ یہ روایت بہت سوں نے بیان کی ہے جن میں سے ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب 'الحکایات المشھورۃ' میں لکھا ہے: عُتبی کا بیان ہے کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ انور کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک دیہاتی نے وہاں آ کر کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! میں نے سنا ہے کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی اُن کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اِس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے ○'' میں آپ صلی اللہ علیك وسلم کی خدمت میں اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہوئے اور آپ کو اپنے رب کے سامنے اپنا سفارشی بناتے ہوئے حاضر ہوا ہوں۔'' پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

(اے مدفون لوگوں میں سب سے بہتر ہستی! جن کی وجہ سے میدان اور ٹیلے اچھے ہو گئے، میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ صلی اللہ علیك وسلم رونق افروز ہیں، جس میں بخشش اور جود و کرم جلوہ افروز ہے۔)

پھر اعرابی واپس لوٹ گیا تو مجھے نیند آ گئی، میں نے خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ مجھ سے فرما رہے تھے: عُتبی! اعرابی،

حق کہہ رہا ہے، پس تو جا کر اُسے خوش خبری سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔‘‘

اِمام قرطبی نے اپنی تفسیر ’’الجامع لأحکام القرآن (۵: ۲۶۵۔ ۲۶۶)‘‘ میں عتبی کی روایت سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ یوں بیان کیا ہے:

روی أبو صادق عن علي قال: قدِم علینا أعرابيّ بعد ما دفّنا رسول اللہ ﷺ بثلاثة أیام، فرمی بنفسه علی قبر رسول اللہ ﷺ، وحَثَا علی رأسه من ترابه، فقال: قلتَ یا رسول اللہ! فسمعنا قولك، و وَعَیْتَ عن اللہ فوعینا عنك، وکان فیما أنزل اللہ علیك: ﴿وَ لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْآ أَنْفُسَهُمْ﴾ الآیة، وقد ظلمتُ نفسي، وجئتُكَ تستغفر لي. فنودی من القبر أنه قد غفر لك. (۱)

’’ابو صادق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے سامنے ایک دیہاتی حضور نبی اکرم ﷺ کی تدفین کے تین دن بعد مدینہ منورہ آیا۔ اس نے فرطِ غم سے اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر گرا لیا۔ قبر انور کی مٹی اپنے اوپر ڈالی اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیك وسلم کا قول مبارک سنا ہے، آپ صلی اللہ علیك وسلم نے اللہ سے احکامات لئے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیك وسلم سے احکام لئے اور اُنہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ’’وَ لَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْآ أَنْفُسَهُمْ...... (اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے ......)۔‘‘ میں نے بھی اپنے اوپر ظلم کیا ہے، آپ صلی اللہ علیك وسلم میرے لیے اِستغفار فرما دیں۔ اعرابی

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵:۲۶۵

کی اِس (عاجزانہ اور محبت بھری) التجاء پر اُسے قبر سے ندا دی گئی: ''بیشک تمہاری مغفرت ہوگئی ہے۔''

عتبی کی اس روایت پر اکابر محدّثینِ کرام نے اعتماد کیا ہے۔ امام نووی نے اسے اپنی معروف کتاب ''الإیضاح'' کے چھٹے باب (ص: ۴۵۴، ۴۵۵) میں، شیخ ابوالفرج بن قدامہ نے اپنی تصنیف ''الشرح الکبیر (۴۹۵:۳)'' میں اور شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلی نے اپنی کتاب ''کشاف القناع (۵: ۳۰)'' میں اسے نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں تمام مذاہب کے اجل ائمہ وعلماء کا عُتبی کی روایت کے مطابق دیہاتی کا روضہ رسول ﷺ پر آ کر مغفرت طلب کرنا ان کی کتابوں میں زیارۃِ روضہ رسول ﷺ یا مناسکِ حج کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔ جن میں امام ابنِ کثیر، امام نووی، امام قرطبی، امام ابنِ قدامہ، امام سبکی، امام سیوطی، امام زرقانی سمیت کئی اَئمہ شامل ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان اکابر محدّثین ومفسرینِ کرام نے کفر اور گمراہی کو نقل کیا ہے؟ یا (معاذ اللہ) وہ بات نقل کی ہے جو بت پرستی یا قبر پرستی کی غماز ہے؟ اگر ایسا تسلیم کرلیا جائے تو پھر کس امام کو معتبر اور کس کتاب کو ثقہ و مستند مانا جائے گا؟

لہٰذا جب آپ ﷺ کا بعد اَز وصال اُمت کے لئے اِستغفار فرمانا ممکن ہے اور آپ ﷺ کا اُمت کے حق میں انتہائی شفیق و رحیم ہونا نصوصِ قرآن وسنت سے ثابت اور متحقق ہے تو یہ امر قطعًا وحتماً معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بعد اَز وصال بھی روضہ مبارک پر حاضرِ خدمت ہونے والوں کو محروم نہیں فرماتے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللهِ.(۱)

''اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر

(۱) النساء، ۴: ۱۰۰

اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔‘‘

آیتِ مقدسہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کے وِصال کے بعد جو شخص اپنے نہاں خانہ دل میں گنبدِ خضراء کے جلووں کو سمیٹنے کی نیت سے سفر اختیار کرتا ہے اس پر بھی اسی **هجرت إلى الرسول** ﷺ کا اِطلاق ہوتا ہے۔

۲۔ بحث الحدیث

حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف طریقوں سے اَز رَہِ شان و فضیلت کہیں اپنے روضۂ اَقدس، کہیں اپنے مسکن مبارک اور کہیں اپنے منبرِ اَقدس کی زیارت کی ترغیب دی ہے۔ اس شان و فضیلت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُمت میں اِن مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا شوق اور رغبت پیدا ہو۔ ذیل میں قبرِ انور کی فضیلت بزبانِ رسالت مآب ﷺ ملاحظہ کریں۔

۱۔ روضۂ اَطہر کی فضیلت

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي. (۱)

’’میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے،

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب فضل ما بین القبر والمنبر، ۱: ۳۹۹، رقم: ۱۱۳۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب ما بین القبر والمنبر، ۲: ۱۰۱۱، رقم: ۱۳۹۱

اور (روزِ قیامت) میرا منبر میرے حوضِ (کوثر) پر ہوگا۔‘‘

۲۔ ابو صالح ذکوان سمان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

مِنْبَرِي هَذَا عَلَى تُرْعَةٍ مِنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ، وَمَا بَيْنَ حُجْرَتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.(۱)

’’میرا یہ منبر جنت کی نہروں میں سے ایک نہر (کوثر کے کنارے) پر (نصب) ہوگا اور میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔‘‘

۳۔ محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو روضۂ اَطہر کے پاس روتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے: یہی وہ جگہ ہے جہاں (محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں) آنسو بہائے جاتے ہیں۔ میں نے خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَا بَيْنَ قَبْرِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.(۲)

’’میری قبر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔‘‘

۴۔ اُم المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَوَائِمُ مِنْبَرِي رَوَاتِبُ فِي الْجَنَّةِ.(۳)

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۳۴

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۴۹۱، رقم: ۴۱۶۳

(۳) ۱۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۲۵۷، رقم: ۷۷۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۸۹
۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۳: ۱۸۲، رقم: ۵۲۴۲

''میرے اس منبر کے پائے جنت میں پیوست ہیں۔''

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم جیسے اَجل ائمہِ حدیث نے اپنی کتب میں روضۂ اَطہر اور منبر مبارک کی درمیانی جگہ کی فضیلت سے متعلق اَحادیث بیان کرتے ہوئے اُس کا عنوان اِس طرح قائم کیا ہے:

- اِمام بخاریؒ نے الصحیح (۱:۳۹۹) میں کتاب التّطوع کے باب نمبر ۱۸ کا عنوان فَضْلُ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رکھا ہے۔
- اِمام مسلم نے الصحیح (۲:۱۰۱۰) میں کتاب الحج کے باب نمبر ۹۲ کا عنوان: مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ رکھا ہے۔

اِن اَحادیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ نے اپنی قبرِ انور کی نشاندہی کرتے ہوئے خود فرما دیا کہ میری قبرِ اَنور میری اَزواجِ مطہرات کے گھروں میں ہے، لہٰذا مَا بَيْنَ بَيْتِي کے الفاظ میں معناً قبرِ اَنور مراد ہے، جبکہ قبرِ اَنور کا ذکر لفظاً (مَا بَيْنَ قَبْرِي) بھی آیا ہے، اور اُن کی زیارت کے لئے جانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جنت میں جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولٰی سے لے کر آج تک زیارتِ قبرِ انور کی نیت سے سفر کرنا اُمتِ مسلمہ کا پسندیدہ اور محبوب عمل رہا ہے۔ ایسا محبوب عمل جس کی ادائیگی تو کجا اس کی محض یاد بھی موجبِ برکت و سعادت ہے۔

۲۔ حضور ﷺ کی طرف سے زیارتِ روضۂ اَطہر کی ترغیب

خود سید العالمین ﷺ نے اپنے ارشاداتِ گرامی میں روضۂ اقدس کی زیارت کی ترغیب دی اور زائر کے لئے شفاعت کا وعدہ فرمایا:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے روضۂ اَطہر کی زیارت کے حوالے سے اِرشاد فرمایا، جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے:

مَنْ زَارَ قَبْرِي، وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي.(۱)

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

ایک دوسری روایت میں 'حلّت له شفاعتي' کے الفاظ بھی ہیں۔ امام نبہانیؒ ''شواهد الحق فی الاستغاثه بسید الخلق(ص: ۷۷)'' میں لکھتے ہیں کہ اَئمہِ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

امام سبکیؒ اس حدیث کی چند اِسناد بیان کرنے کے بعد تعدیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مذکورہ حدیث حَسن کا درجہ رکھتی ہے۔ جن احادیث میں زیارتِ قبرِ انور کی ترغیب دی گئی ہے ان کی تعداد دس سے بھی زیادہ ہے، اِن احادیث سے مذکورہ حدیث کوتقویت ملتی ہے اور اِسے حسن سے صحیح کا درجہ مل جاتا ہے۔''(۲)

عبد الحق اِشبیلی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام سیوطی نے ''مناهل الصفا فی تخریج أحادیث الشفا(ص: ۷۱)'' میں اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح ''رفع المنارة (ص: ۳۱۸)'' میں اس حدیث پر بڑی مفصل تحقیق کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور قواعدِ حدیث بھی اِسی رائے پردلالت کرتے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ دارقطنی، السنن، ۲:۲۷۸

۲۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول، ۲:۶۷

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳:۴۹۰، رقم: ۴۱۵۹، ۴۱۶۰

۴۔ ذہبی نے ''میزان الاعتدال (۶:۵۶۷)'' میں کہا ہے کہ اسے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابنِ خزیمہ نے 'مختصر المختصر' میں نقل کیا ہے۔

(۲) سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام: ۳، ۱۱

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کے زائر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت متحقق اور لازم ہوگئی یعنی اللہ تعالیٰ سے زائر کی معافی و درگزر کی سفارش کرنا لازم ہو گیا۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

''جس شخص نے خلوصِ نیت سے مدینہ منورہ حاضر ہوکر میری زیارت کا شرف حاصل کیا، میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

مَنْ جَاءَنِی زَائِرًا لَا يَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِی، كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۲)

''جو شخص بغیر کسی حاجت کے صرف میری زیارت کے لیے آیا اُس کا مجھ پر حق ہے کہ میں روزِ قیامت اُس کی شفاعت کروں۔''

ابن السکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''السنن

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۷
۲۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام: ۲۸
۳۔ مقریزی، إمتاع الأسماع، ۱۴: ۶۱۴
عسقلانی نے ''تلخیص الحبیر (۲: ۲۶۷)'' میں اسے مرفوع کہا ہے۔

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۲۲۵، رقم: ۱۳۱۴۹
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۵: ۲۷۵، ۲۷۶، رقم: ۴۵۴۳
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲
۴۔ ذہبی نے ''میزان الاعتدال (۶: ۴۱۵)'' میں اسے مرفوع کہا ہے۔

الصحاح مأثورة عن رسول الله ﷺ‘‘ کے خطبہ میں اس کتاب میں نقل کردہ روایات کو بالاجماع ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح قرار دیا ہے۔ اِس حدیثِ مبارکہ کو اُنہوں نے ’’**کتاب الحج**‘‘ میں **باب ثواب من زار قبر رسول الله ﷺ** میں بھی نقل کیا ہے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہادئ برحق ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ زَارَ قَبْرِي، أَوْ قَالَ: مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا أَوْشَهِيْدًا، وَ مَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

’’جس نے میری قبر یا (راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:) میری زیارت کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا اور جوکوئی دوحرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا، اللہ تعالیٰ اُسے روزِ قیامت ایمان والوں کے ساتھ اٹھائے گا۔‘‘

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي، فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِيْ حَيَاتِي.(۲)

’’جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔‘‘

---

(۱) ۱۔ طيالسي، المسند، ۱۲، ۱۳، رقم: ۶۵
۲۔ دارقطني، السنن، ۲: ۲۷۸
۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۵: ۲۴۵، رقم: ۱۰۰۵۳

(۲) ۱۔ دارقطني، السنن، ۲: ۲۷۸
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۳۱۰، رقم: ۱۳۴۹۷
۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۴: ۲۲۳، رقم: ۳۴۰۰
۴۔ خطیب تبریزی نے ’’مشكوٰة المصابيح (۲: ۱۲۸، كتاب المناسك، رقم: ۲۷۵۶)‘‘ میں اسے مرفوع حدیث قرار دیا ہے۔

جو لوگ اپنے باطل عقیدے کی بناء پر حدیث ''لا تشدّ الرّحال'' سے غلط استدلال کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کی نیت سے جانے کے ساتھ ساتھ انبیاء و صالحین کے مزارات کی زیارت سے منع کرتے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) سفرِ معصیت و گناہ اور شرک قرار دیتے ہیں وہ بلاشبہ صریح غلطی پر ہیں۔ صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہوا۔ صحابہ کرام ﷺ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے روضۂ اقدس کی حاضری بلند درجہ باعثِ ثواب اعمال میں سے ہے۔ نیز قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک اہلِ اسلام کا یہ معمول ہے کہ وہ ذوق و شوق سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے لئے جاتے ہیں اور اسے دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر عظیم سعادت و خوش بختی سمجھتے ہیں۔

۳۔ اِستطاعت کے باوجود زیارت نہ کرنے پر وعید

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ اَقدس ہے:

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي.(۱)

''جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری (قبرِ انور کی) زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ جفا کی۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بڑا واضح ہے۔ اِس میں اُمتِ مسلمہ کے لئے کڑی تنبیہ بھی ہے کہ جس مسلمان نے حج کی سعادت حاصل کی مگر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری نہ دی اس نے آپ ﷺ کے ساتھ جفا کی اور آپ ﷺ کے لطف و کرم سے محروم ہوا جبکہ زائرِ روضۂ رسول ﷺ کو شفاعت کا منفرد اعزاز نصیب ہوگا۔ اس حوالے

(۱) ۱۔ سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام: ۲۱
۲۔ ابن حجر مکی، الجوهر المنظم: ۲۸
۳۔ نبہانی، شواهد الحق فی الاستغاثة بسید الخلق: ۸۲

سے اِمام سبکی ’’شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام (ص: ۱۱)‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے عشاق کو وہ شفاعت نصیب ہوگی جو دوسروں کے حصہ میں نہیں آئے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زائرینِ قبرِ اَنور ایک خاص شفاعت کے مستحق قرار دیئے جائیں گے اور اُنہیں بالخصوص یہ منفرد اِعزاز حاصل ہوگا۔ اس سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ حضور ﷺ کی قبرِ اَنور کی زیارت کی برکت کے باعث شفاعت کے حقدار ٹھہرنے والے عمومی افراد میں زائر کا شامل ہونا واجب ہوجاتا ہے۔ بشارت کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ قبرِ رسول ﷺ کا زائر حالتِ اِیمان پر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگا۔ یہاں اس اَمر کی وضاحت ضروری ہے کہ فرشتے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرب بندے بھی شفاعت کرنے کا اعزاز رکھتے ہیں، لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کے شرف سے مشرف ہونے والوں کا اعزاز یہ ہے کہ خود آقا ﷺ اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔‘‘

۳۔ بحث الفقہ و السلوک

۱۔ زیارتِ روضۂ اَنور ﷺ محبوب عمل ہے (ائمہ کی تصریحات)

آقائے دو جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا روضۂ اقدس کائناتِ ہست و بود کا سب سے بلند درجہ متبرک مقام ہے۔ کیوں نہ ہو کہ وہ اللہ رب العزت کے محبوب ترین مطہر و مقدّس نبی محترم ﷺ کی جائے مدفن ہے۔ گنبدِ خضراء وہ مہبطِ انوارِ الٰہیہ ہے جہاں قدسیانِ فلک صبح و شام ۷۰، ۷۰ ہزار کی تعداد میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ایک مومن صادق کے دل میں ہر وقت یہ تمنا مچلتی ہے کہ کاش! مجھے اس بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہو جائے۔ خاکِ طیبہ کو آنکھوں کا سرمہ بنانے اور وہاں کی پاکیزہ فضاؤں میں سانس لینے کی آرزو قرونِ اولیٰ سے لے کر آج کے دن تک ہر عاشقِ

رسول ﷺ امتی کے دل میں رہی ہے۔ جمہور ائمہِ فقہاء کے نزدیک حضور نبی اکرم ﷺ کے روضہَ اقدس کی زیارت محبوب، مستحسن اور موجبِ رحمت و سعادت عمل ہے، اس پر اتفاق ہے۔

۱۔ علامہ ابنِ ہمامؒ (م ۶۸۱ ھ) لکھتے ہیں:

قال مشائخنا رحمهم الله تعالى: **من أفضل المندوبات، وفي مناسك الفارسي و شرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة.**(۱)

''ہمارے مشائخ کرام نے کہا: زیارتِ روضہَ اطہر **علی صاحبها الصّلاة والسلام** بلند درجہ مستحب عمل ہے۔ مناسک الفارسی، اور شرح المختار میں لکھا ہے کہ ہر صاحبِ استطاعت شخص کے لیے (زیارتِ روضہَ اقدس کا درجہ) وجوب کے قریب ہے۔''

۲۔ علامہ ابنِ ہمام ہی نے لکھا ہے:

والأولى فيما يقع عند العبد الضعيف تجريد النّيّة لزيارة قبر النّبيّ ﷺ. (۲)

''بندہَ ضعیف (ابن ھمام) کے نزدیک محض حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کی نیت کرنا بھی اولیٰ ہے۔''

۳۔ علامہ ابنِ قدامہ حنبلی (م۶۲۰ھ) نے فقہ حنبلی کی معروف کتاب ''الکافی'' اور ''المغنی'' میں لکھا ہے:

ويستحبّ زيارة قبر النّبيّ ﷺ **وصاحبيه.**(۳)

---

(۱) ابن ہمام، فتح القدیر، ۳: ۱۷۹

(۲) ابن همام، شرح فتح القدیر، ۲: ۱۸۰

(۳) ۱۔ ابن قدامة المقدسی، الکافی، ۱: ۴۵۷

۲۔ ابن قدامة، المغنی، ۳: ۲۹۷

''حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے دونوں صحابہ (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی مبارک قبروں کی زیارت مستحب ہے۔''

علامہ ابنِ قدامہ نے اپنے مذکورہ قول کے ثبوت میں زیارتِ قبرِ انور کی ترغیب میں احادیثِ مبارکہ کا ذکر کیا ہے۔ زیارتِ قبرِ نبی ﷺ کیلئے سفر ان کے نزدیک امرِ مباح اور جائز ہے۔(۱)

۴۔ عارفِ کامل حضرت ملا جامیؒ کے بارے میں منقول کیا ہے کہ انہوں نے حج کے بعد محض زیارتِ قبرِ انور کے لیے الگ سفر اختیار کیا تا کہ اس سفر کا مقصد زیارت رسول ﷺ کے علاوہ کچھ نہ ہو۔(۲)

ائمۂ احناف کے نزدیک روضۂ انور کی نیت سے سفر کرنا افضل عمل ہے۔

۵۔ علامہ طحطاوی نے لکھا ہے:

الأولى فی الزيارة تجريد النّيّة لزيارة قبره ﷺ.(۳)

''زیارتِ قبرِ انور کے لیے بہتر یہ ہے کہ فقط حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کی نیت کی جائے۔''

۶۔ علامہ ابنِ عابدین شامی نے لکھا ہے:

قال في شرح اللباب وقد روى الحسن عن أبي حنيفة أنه إذا كان الحجّ فرضًا فالأحسن للحاج أن يبدأ بالحج ثم يثني بالزيارة وإن بدا بالزيارة جاز.(۴)

---

(۱) ابن قدامه، المغنی، ۲:۵۲
(۲) ابن قدامه، المغنی، ۲: ۵۲
(۳) طحطاوی، حاشية علی مراقی الفلاح، ۱: ۴۸۶
(۴) ابن عابدين، حاشية ابن عابدين، ۲:۶۲۷

''شرح اللباب میں ہے حضرت حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ زائرِ حرمین شریفین اگر فرض حج کی ادائیگی کر رہا ہو تو حج سے ابتداء کرے اس لیے کہ فرض درجہ کے لحاظ سے غیر فرض پر مقدم ہوتا ہے۔ بعد ازاں زیارتِ روضۂ اقدس کی الگ نیت کرے اور اگر اس نے زیارتِ قبرِ انور سے ابتداء کی ہے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔''

وہ اس بات کی وجہ یہ لکھتے ہیں:

إذ يجوز تقديم النّفل على الفرض إذا لم يخش الفوت بالإجماع.(۱)

''نفل کا فرض پر مقدم کرنا جبکہ فرض کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو بالاجماع جائز ہے۔''

مذکورہ بالا اختیار اس صورت میں ہے جب زائر کا گذر مدینہ منورہ سے نہ ہو۔ اگر اس کا گذر مدینہ طیبہ اور روضۂ انور کے قرب سے ہو تو پھر زیارتِ روضۂ انور ناگزیر ہے۔ علامہ ابنِ عابدین شامی نے لکھا ہے:

فإن مرّ بالمدينة كأهل الشام بدأ بالزّيارة لا محالة لأن تركها مع قربها يعدّ من القساوة والشّقاوة وتكون الزيارة حينئذ بمنزلة الوسيلة وفي مرتبة السنة القبلية للصّلاة.(۲)

''اور اگر زائرِ حرمین کا گزر ہی قرب مدینہ منورہ سے ہو جیسے ملک شام کے لوگوں کے لئے تو اسے بہرصورت زیارت روضۂ رسول ﷺ سے ہی ابتدا کرنی ہو گی، کیونکہ زائر کا اس کے قرب سے گزرنے کے باوجود اس کی زیارت کو ترک کرنا

(۱) ابن عابدين، حاشية ابن عابدين، ۲: ۶۲۷

(۲) ابن عابدين، حاشية ابن عابدين، ۲: ۶۲۷

بدبختی اور قساوتِ قلبی کی دلیل ہے۔ اس صورت میں زیارت رسول ﷺ وسیلہ بنے گی اور اس کا یہ عمل درجۂ ادائیگی میں ایسا ہے جیسے فرض نماز سے پہلے سنت نماز کی ادائیگی۔‘‘

قبرِ رسول ﷺ کی زیارت، قرآن و سنت، فعلِ صحابہ، اجماع، عرفِ عام اور قیاس سے ثابت شدہ باعثِ اجر و ثواب عمل ہے۔ شمعِ رسالت کے پروانوں کا رقصِ مستانہ آج بھی جاری ہے، جاں نثاروں کے والہانہ عشق و محبت کا جذبہ آج بھی زندہ و تابندہ ہے بلکہ عشاقِ مصطفیٰ ﷺ نے اس جذبۂ جاں نثاری کو ایک تحریک بنا دیا ہے۔ بعد اَز وِصال بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر لحۂ موجود تک حضور ﷺ کا روضۂ اَطہر مرجعِ خلائق بنا ہوا ہے، درِ آقا ﷺ پر ہرلحہ صلِ علیٰ کے سرمدی پھولوں کی بہار دِلوں کے غنچے کھلاتی رہتی ہے۔ حضور ﷺ کی رحمت کا در آج بھی کھلا ہے اور قیامت تک کُھلا رہے گا۔ اگر آج کا انسان امن، سکون اور عافیت کی تلاش میں ہے اور اُفقِ عالم پر دائمی امن کی بشارتیں تحریر کرنے کا داعی ہے تو اُسے دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ پرجھک جانا ہو گا، اس لئے کہ گنبدِ خضرا کو اپنی سوچوں کا مرکز و محور بنائے بغیر باغِ طیبہ کے شاداب موسموں اور مخمور ساعتوں کو اپنے ویران آنگن کا مقدر نہیں بنایا جا سکتا، امن کی خیرات اسی در سے ملے گی، اس لئے کہ ذہنوں کی تہذیب و تطہیر کا شعور اُسی دَرِ پاک کی عطائے دلنواز ہے۔

فصل چہارُم

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ کا صحیح مفہوم

اور

معترضین کے اِشکالات کا جواب

جیسا کہ اوپر تصریح ہو چکی ہے کہ جان نثارانِ مصطفیٰ ﷺ دربارِ نبوی کی زیارت کا حد درجہ اشتیاق رکھتے ہیں اور خاکِ طیبہ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں، بقول اقبالؒ

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است
آں خنک شہرے کہ آں جا دلبرست

لیکن بعض نادان لوگ سید العالمین حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اَقدس میں حاضری کی نیت سے جانے کو بھی (معاذ اللہ) شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایسا عقیدہ بے دینی اور جہالت پر مبنی ہے۔ صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ باطل عقیدہ رکھنے والوں کا محلِ اِستدلال حدیث کی غلط تعبیر ہے۔ ذیل میں ہم اس روایت کی صحیح تشریح و تعبیر اَجل اَئمہ حدیث کے اَقوال کی روشنی میں بیان کریں گے، جس سے حدیث مبارکہ کا صحیح مفہوم و مدعا واضح ہو جائے گا:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَـلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰی. (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، ۱:۳۹۸، رقم: ۱۱۳۲
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب لا تشدّ الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد، ۲:۱۰۱۴، رقم: ۱۳۹۷
۳۔ نسائی، السنن، کتاب المساجد، باب ما تشدّ الرحال إلیه من المساجد، ۲:۲۹،۳۰، رقم: ۷۰۰

’’مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔‘‘

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي، وَمَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ.(۱)

’’(زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) تین مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے: مسجدِ حرام، میری مسجد اور مسجد بیت المقدس۔‘‘

بعض کتب میں مسجد بیت المقدس کی جگہ مسجد اِیلیاء کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

۳۔ طبرانی نے ’’المعجم الأوسط (۶: ۵۱، ۵۲، رقم: ۵۱۰۶)‘‘ میں یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْخَيْفِ، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ، مَسْجِدِي هَذَا.

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین مسجدوں یعنی مسجدِ خیف، مسجدِ حرام اور میری اِس مسجد کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔‘‘

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، كتاب الجمعة، باب ذكر الساعة التي يستجاب فيها الدعاء يوم الجمعة، ۳: ۷۹، رقم: ۱۴۳۰
۲۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۱: ۵۴۰، رقم: ۱۷۵۴
۳۔ مالك، الموطأ، ۱: ۱۰۹، رقم: ۲۴۱

امام طبرانی کہتے ہیں کہ کلثوم بن جبر سے یہ حدیث حماد بن سلمہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی اور اِس حدیث کے سوا کسی اور حدیثِ شَدُ الرِّحال میں مسجدِ خیف کا ذکر بھی نہیں ہے۔

۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

وَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي. (۱)

''تین مسجدوں یعنی مسجدِ خیف، مسجدِ حرام اور میری مسجد کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ بالا اِرشادات کو بنیاد بنا کر بعض لوگ انبیاء و صالحین کے قبور کی زیارت حتیٰ کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اَطہر کی بہ غرضِ زیارت حاضری کو بھی ناجائز اور (معاذ اللہ) شرک گردانتے ہیں۔ جبکہ اکابر علمائے ربانیین اور محدّثین و مفسرینِ کرام نے اِس اِستدلال کو غلط اور کج فہمی قرار دیا ہے۔ اُنہوں نے اپنی معتبر کتب میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ اس حدیث کا صحیح مطلب بیان کیا ہے۔ اِس کی روشنی میں دین کا معمولی سا فہم رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو لوگ اس حدیثِ مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے اَنبیاء و صالحین کے مزارات کی زیارت کے سفر سے منع کرتے ہیں اور اِسے سفرِ معصیت و گناہ کہتے ہیں وہ بلاشبہ صریح غلطی پر ہیں اور اُن کا اِستدلال کسی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب مسجد بیت المقدس، ۱: ۴۰۰، رقم: ۱۱۳۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلی حج وغیرہ، ۲: ۹۷۶، رقم: ۱۳۳۸
۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی أی المساجد أفضل، ۱: ۳۵۸، رقم: ۳۲۶

بھی طرح لائقِ التفات نہیں۔

ا۔ مذکورہ احادیث کی تشریح و توضیح

ا۔ ان احادیثِ مبارکہ میں اِستثناء کے حوالے سے دو اَقوال ہیں:

ایک یہ کہ اِستثناء مطلق یعنی عمومیت پر مبنی ہو۔ جس سے ہر قسم کا سفر ناجائز قرار پائے گا اور یہ بات خلافِ عقل وخلافِ شرع ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اِستثناء مقید ہو یعنی محض مساجد سے مختص ہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے سوائے اِن تین مساجد کے کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے اور یہی قول صحیح ہے۔

۲۔ حدیثِ مبارکہ میں **لا تُشَدُّ الرِّحال** کے فوراً بعد **إلا إلی ثلاثة مساجد** مذکور ہے۔ اہلِ لغت کے معروف اُسلوب کے مطابق جس جملہ میں مستثنیٰ (جسے اِستثناء حاصل ہو) اور مستثنیٰ منہ (جس سے اِستثناء کیا گیا ہو) دونوں پائے جاتے ہوں تو نحوی قاعدہ یہ ہے کہ مستثنیٰ حرفِ اِستثناء کے بعد اور مستثنیٰ منہ حرفِ اِستثناء سے پہلے ہوگا اور وُجوداً یا تقدیراً مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں کا پایا جانا ضروری ہو گا۔

مذکورہ حدیث میں ’**إلا**‘ حرفِ اِستثناء ہے، ’**ثلاثة مساجد**‘ مستثنیٰ ہے۔ قاعدہ کی رُو سے ’إلّا‘ کے بعد **ثلاثة مساجد** تو مذکور ہے لیکن مستثنیٰ منہ مذکور نہیں، جو ’إلّا‘ سے پہلے پایا جانا تھا لہٰذا جہاں ایسی صورت ہو کہ مستثنیٰ مذکور ہو مگر مستثنیٰ منہ کا لفظی ذکر نہ ہو تو وہاں مستثنیٰ منہ مقدّر مانا جائے گا۔ اِس صورت میں مقدّر مستثنیٰ منہ کے تعین کے تین اِحتمالات ہو سکتے ہیں:

پہلا اِحتمال ......اگر مستثنیٰ منہ ’قبر‘ کو مانا جائے

اِس حدیث سے سفرِ زیارت کی ممانعت کا اِستدلال کرنے والوں کے مسلک

کے مطابق اگر مستثنیٰ منہ لفظ 'قبر' کو فرض کریں تو حدیث کی تقدیری عبارت اِس طرح ہوگی: **لَا تُشَدُّ الرِّحال إلی قبر إلا إلی ثلاثة مساجد** ''سوائے تین مساجد کے کسی قبر کی طرف رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔'' یہاں لفظ 'قبر' ایسی بے بنیاد تعبیر ہے جو نہ سیاقِ کلام کے مطابق ہے اور نہ ہی اُسلوبِ بیان و زباں کے لائق۔ عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی یہ غیر معتبر اور غیر معقول اُسلوب قبول نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ اِس کی نسبت اَفصح العرب ﷺ کی طرف کی جائے لہٰذا ضابطہ کے خلاف لفظ 'قبر' کو مستثنیٰ منہ بنانا ہرگز درست نہیں۔ نیز صحابہ کرام ﷺ، تابعین اور ائمہِ کرام کے احوال سے ثابت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی قبرِ انور اور اولیاء و صالحین کی زیارت کے لئے سفر کیے، جو جواز پر صریح دلیل ہے۔

دوسرا اِحتمال ...... اگر مستثنیٰ منہ 'مکان' کو مانا جائے

اگر 'مکان' کو مستثنیٰ منہ فرض کیا جائے تو حدیث کی عبارتِ تقدیری یوں ہوگی:

لَا تُشَدُّ الرِّحال إلی مکان إلا إلی ثلاثة مساجد (سوائے تین مساجد کے کسی اور مقام کی طرف رَختِ سفر نہ باندھا جائے)۔ اِس کا مطلب یہ ہو گا کہ تعلیم، تجارت اور کسی بھی کارِ خیر کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے، حالانکہ اِن اُمورِ خیر کے لئے سفر کی ممانعت باطل اور غیر معقول ہے۔ مطلق سفر کی کہیں بھی ممانعت نہیں اور نہ ہی ایسا کوئی مفہوم حدیث مذکور کی طرف منسوب ہوسکتا ہے۔ یہ مفہوم نہ صرف غیر شرعی ہو گا بلکہ بے شمار احکامِ اسلامی اور مصالحِ دینی سے متصادم ہو گا۔ سو یہ صورت تقدیری بھی قبول نہیں کی جا سکتی، اس لئے کہ

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود تجارت کے لئے سفر کیا اور متعدد اسفار کے ذریعے غزوات میں شرکت فرمائی۔

۲۔ آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق دین

سیکھنے اور سکھانے کے لئے ہمیشہ محوِ سفر رہے اور اُنہوں نے دور دراز علاقوں تک دین پہنچایا۔

۳۔ ائمہ و بزرگانِ دین تحصیلِ علم اور بیعت و اِرادت کے لئے سفر کرتے رہے۔ آج بھی لوگ حصولِ علم، تجارت اور دیگر اُمور کی بجا آوری کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کرتے ہیں۔

❁ درج ذیل مقاصد کے لئے آج بھی سفر کیا جاتا ہے:

۴۔ دعوت وتبلیغِ دین کے لیے۔

۵۔ جہاد میں شرکت کے لئے۔

۶۔ والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی زیارت کے لئے۔

۷۔ اَعزاء و اَقارب اور اَحباب سے ملاقات کے لئے۔

۸۔ کانفرنسز، سیمینارز اور دیگر خصوصی پروگراموں میں شرکت کے لئے۔

۹۔ شادی وغمی میں شرکت کے لئے۔

۱۰۔ کاروباری مقاصد کے لئے۔

۱۱۔ سیر وتفریح کے لئے۔

۱۲۔ علاج معالجہ کے لئے۔

کتنے ہی سفر ہماری روزمرہ زندگی کا معمول ہیں۔ اگر ہر سفر ممنوع قرار دیا جائے تو نظامِ زندگی معطل ہو کر رہ جائے گا، جو قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔

تیسرا اِحتمال ...... اگر مستثنیٰ منہ بھی 'مسجد' ہی کو مانا جائے

یہ اِستثناء مفرغ ہے۔ اس میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا جنسِ واحد سے ہونا ضروری

ہوتا ہے، جیسا کہ کلامِ عرب میں ہے:

ما جاءني إلا زيد (میرے پاس سوائے زید کے کوئی نہیں آیا)۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ میرے پاس سوائے زید کے کوئی شخص یا انسان نہیں آیا۔ اگر پرندہ یا کوئی جانور آیا ہوتو کلام غلط نہ ہوگا کیونکہ مستثنٰی منہ پرندہ یا جانور نہیں بلکہ انسان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زید بھی انسان ہے، اس لئے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے مفہوم واضح اور درست ہو جائے گا۔ لہٰذا درست بات یہی ہے کہ اِس حدیث میں بھی عربی کے اس اُسلوب اور قاعدہ کی رُو سے تقدیر لفظ '**مسجد**' ہی ہو، یعنی جسے مستثنٰی ٹھہرایا جا رہا ہے مستثنٰی منہ بھی وہی جنس ہو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جواز کے لئے اِستثناء مساجد کا کیا جا رہا ہے تو ممانعت بھی بقیہ مساجد ہی کی طرف منسوب ہوگی، نہ کہ دیگر اُمور اور مقاصد کی طرف۔ پس اب حدیث کی تقدیراً عبارت یوں ہوگی:

لَا تُشَدُّ الرِّحال إلى مسجد إلّا إلى ثلاثة مساجد.

''سوائے تین مساجد کے کسی اور مسجد کی طرف (ثواب کی زیادتی کی نیت سے) رختِ سفر نہ باندھا جائے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِرشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت چونکہ زیادہ ہے اور باقی مساجد نماز پڑھنے کی فضیلت اور ثواب میں برابر ہیں۔ اس لئے ان تینوں مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد میں ثواب کی زیادتی کی نیت سے سفر کی زحمت برداشت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس جگہ زیادتی ثواب پر کوئی شرعی دلیل مذکور نہیں۔

اجل ائمہ و شارحینِ حدیث کی تحقیقات سے بھی ثابت ہے کہ حدیث میں **لَا تُشَدُّ الرِّحَال** صرف ثواب کی نیت سے دیگر مساجد کی طرف سفر کرنے کو مستلزم ہے۔ رہا دیگر مقاصد کے لیے سفر تو وہ جائز ہے کیونکہ اگر ممانعتِ سفر کے قائلین کا قول مان لیا جائے

کہ ان تین مساجد کے علاوہ دنیا میں کسی بھی جگہ حتی کہ اولیاء کرام کے مزارات اور دیگر نیک مقاصد کے لیے سفر حرام ہے تو اس صورت میں انسانی زندگی اجیرن ہو جائے گی اور انسان عضو معطل بن کر رہ جائے گا وہ اپنی آبادی سے باہر کبھی بھی نہ جا سکے گا نہ حصولِ علم، نہ تجارت، نہ عیادت و ملاقات اور نہ اشاعتِ دین کے لیے حتی کہ ان تین مساجد کی فضیلتِ عامہ کے تعین کے بغیر کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنا بھی اس قول کے مطابق ممنوع ٹھہر جائے گا۔ حالانکہ محسن انسانیت حضور سرور کائنات ﷺ نے خود سفر فرمائے، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اشاعت دین کے لئے دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچے۔ خود آپ ﷺ نے حصولِ علم کے لئے دور دراز مقامات تک سفر کی ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ حدیث کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ دنیا میں کہیں بھی سفر نہ کیا جائے بلکہ اس حدیث کا صحیح معنی و مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں جتنی مسجدیں ہیں ان میں سے صرف یہ تین مساجد ایسی ہیں جنہیں فضیلتِ تامہ حاصل ہے۔ ان میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت اور ثواب ہے۔

۱۔ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

۲۔ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

۳۔ مسجدِ اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پچیس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

دنیا کی دیگر مساجد کو یہ فضیلت حاصل نہیں تو حدیثِ مبارکہ کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص کو اپنے محلّہ اور آبادی کی مسجد میں وہی ثواب ملے گا جو دنیا کی دیگر مساجد میں ملتا ہے تو اس تصور کے ساتھ کہ شاید فلاں مسجد میں اس مسجد سے زیادہ ثواب ملے گا سفر کرنا بے فائدہ ہے۔ اگر ادائیگی نماز کا زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو پھر حدیث میں مذکورہ مقامات کی طرف ہی سفر کرے اور جہاں تک مطلقًا سفر کی بات ہے جائز ہے، عام سفر کی کہیں بھی ممانعت اور حرمت نہیں۔ ائمہ حدیث اور فقہاء کے صحیح اقوال اور تشریحات سے بھی یہی بات ثابت ہے ذیل میں شارح صحیح بخاری امام ابنِ حجر عسقلانی کی تحقیق ملاحظہ کریں۔

۲۔ عام سفر کی ممانعت نہیں...... امام ابنِ حجر عسقلانیؒ کی تحقیق

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے فتح الباری شرح صحیح البخاري میں درج بالا حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

أن المراد حكم المساجد فقط. وأنه لا تشدّ الرحال إلى مسجد من المساجد فيه غير هذه الثلاثة، وأما قصد غير المساجد لزيارة صالح أو قريب أو صاحب أو طلب علم أو تجارة أو نزهة فلا يدخل فی النهي، ويؤيده ماروی أحمد من طريق شهر بن حوشب قال سمعت أبا سعيد وذكرت عنده الصلاة فی الطور فقال: قال رسول الله ﷺ لا ينبغي للمصلي أن يشد رحاله إلى مسجد تبتغي فيه الصلاة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدي. (۱)

’’لا تشد الرحال سے فقط مساجد مراد ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز (کا زیادہ ثواب حاصل کرنے) کے لیے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے۔ جہاں تک کسی صالح بزرگ یا عزیز رشتہ دار یا دوست کی زیارت و ملاقات کا تعلق ہے یا حصولِ علم، تجارت اور تفریح کے لیے سفر اختیار کرنا تو یہ حکمِ نہی میں داخل نہیں۔ اس بات کی تائید مسند احمد بن حنبل میں شہر بن حوشب کے طریق پر مروی حدیثِ مبارکہ سے ملتی ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے سامنے کوہِ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی نمازی کو زیادہ حصولِ ثواب

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۳:۶۵

کی نیت سے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا نہ چاہیے سوائے مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد (مسجد نبوی) کے۔''

بعض لوگ امام مالکؒ کی طرف منسوب قول کو ممانعتِ سفرِ زیارت پر بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس کی حاضری کیلئے زیارت کے لفظ کو ناپسند کیا۔ ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ آپؒ حضور نبی اکرم ﷺ کا حد درجہ ادب و احترام کرتے تھے، محبت اور تعظیم و توقیرِ نبی ﷺ میں آپ کا درجہ دیگر ائمہ کرام سے بڑھ کر ہے۔ آپ کو نسبتِ مصطفیٰ ﷺ دنیا و مافیھا سے بڑھ کر عزیز تھی۔ آپ کو مدینہ طیبہ میں قربِ مصطفیٰ ﷺ میں موت کی آرزو تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ساری زندگی فرض حج کے علاوہ کبھی مدینہ طیبہ سے باہر سفر نہ کیا، اس اندیشہ کے تحت کہ کہیں مسکنِ مصطفیٰ ﷺ سے دورِ حیاتِ مستعار چھن نہ جائے جبکہ مدینہ طیبہ کے ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ آپ کبھی بھی شہرِ مدینہ میں سواری نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابنِ ہمام حنفی لکھتے ہیں:

كان مالك رحمه الله و رضي عنه **لا يركب في طرق المدينة، وكان يقول: أستحي من الله تعالى أن أطأ تربة فيها رسول الله ﷺ.** (۱)

''امام مالکؒ مدینہ منورہ کے راستوں پر سواری نہیں کرتے تھے اور (اس کی وجہ یہ بیان) فرماتے تھے: مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس مقدس مٹی پر سوار ہو کر چلوں جس کے اندر حضور نبی اکرم ﷺ کا جسدِ اطہر ہے۔''

پس آپ جیسے صاحبِ محبت امام سے اس بات کی توقع بعید ہے کہ انہوں نے زیارت کو ناپسند فرمایا ہو۔ دراصل ان کے نزدیک درِ رسول ﷺ کی حاضری پر لفظِ ''زیارت'' کا اطلاق خلافِ ادب ہے۔ کیونکہ عام قبروں کے لیے لفظِ زیارت استعمال ہوتا ہے جس میں مسلمان مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے اور اس میں زائر کو اختیار ہوتا ہے چاہے

(۱) ابن ہمام، شرح فتح القدیر، ۳: ۱۸۰

زیارت کرے چاہے نہ کرے جبکہ مالکیہ کے نزدیک درِ رسول ﷺ کی حاضری واجب ہے۔ اس لیے وہ اس کو عام زیارت کی طرح امرِ مباح نہیں گردانتے۔ لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کے قول میں ممانعتِ زیارت کا شائبہ نہیں کیونکہ ان کا عقیدہ و عمل ہمارے سامنے ہے اور وہی قابلِ ترجیح ہے۔

امام ابنِ حجر عسقلانیؒ ہی فرماتے ہیں:

ما نقل عن مالك: أنه كره أن يقول زرت قبر النبي ﷺ. وقد أجاب عنه المحققون من أصحابه: بأنه كره اللفظ أدبًا، لا أصل الزيارة. فإنها من أفضل الأعمال، وأجل القربات الموصلة إلى ذي الجلال، وأن مشروعيتها محل إجماع بلا نزاع. والله الهادي إلى الصواب.(1)

’’یہ جو امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔ اس قول کا جواب امام مالک کے مقلدین محقق ائمہ کرام نے یہ دیا ہے کہ وہ ادباً حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے لیے لفظِ ’’زیارت‘‘ کا اطلاق ناپسند فرماتے تھے نہ کہ سرے سے زیارت کا انکار کرتے تھے۔ کیونکہ زیارتِ روضۂ اطہر ان افضل اعمال اور بلند درجہ عبادات میں سے ہے جس کے ذریعہ رب ذوالجلال تک رسائی ہوتی ہے جبکہ زیارتِ روضۂ اقدس کی مشروعیت اجماع سے ثابت ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات کی طرف ہدایت فرمانے والا ہے۔‘‘

وہ مزید لکھتے ہیں:

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۶۶

قال بعض المحققين: قوله، إلا إلى ثلاثة مساجد، المستثنى منه محذوف. فأما أن يقدر عامًّا، فيصير لا تشد الرحال إلى مكان في أي أمر كان إلا إلى الثلاثة، أو أخص، من ذلك لا سبيل إلى الأوّل لإفضائه إلى سد باب السفر، للتجارة وصلة الرحم، وطلب العلم وغيرها. فتعين الثاني. والأولى أن يقدر ما هو أكثر مناسبة، وهو: لا تشد الرحال إلى مسجد للصّلاة فيه إلا إلى الثلاثة، فيبطل بذلك قول من منع شدّ الرحال إلى زيارة القبر الشريف وغيره من قبور الصّالحين. والله أعلم.(۱)

''بعض محققین نے کہا ہے: إِلَّا إِلٰى ثَـلَاثَة مَسَاجِدَ میں 'مستثنیٰ منہٗ' محذوف ہے۔ پس یہاں یا تو مقدر عام مانیں گے اس صورت میں عبارت یوں ہو گی ''لا تشد الرحال الی مکان فی أی امر کان إلا إلى ثلاثة'' کسی بھی مقصد کے لیے ان تین مساجد کے علاوہ کہیں اور سفر کے لیے رختِ سفر نہ باندھا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہاں 'مستثنیٰ منہٗ' مقدر خاص مانیں گے۔ پہلی صورت تو ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ اس سے تجارت، صلہ رحمی اور طلبِ علم وغیرہ کے لیے تمام اسفار کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پس لازماً دوسری صورت کا تعیّن کرنا پڑے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس 'مستثنیٰ منہٗ' کو مقدر مانا جائے جس کی 'مستثنیٰ' کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مناسبت ہو اور وہ اس طرح ہے کہ ''لا تشد الرحال إلى مسجد للصلاة فيه إلا إلى الثلاثه'' (یعنی کسی بھی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کی غرض سے رختِ سفر نہ باندھا جائے سوائے ان تینوں کے)۔ اس سے اس شخص کا قول باطل ہوگیا جو حضور نبی اکرم ﷺ کی

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۶۶

قبرِ انور اور اس کے علاوہ صالحین کی قبور کی طرف سفر کرنے سے منع کرتا ہے۔‘‘

۳۔ دیگر احادیثِ مبارکہ سے صحیح مؤقف کی تائید

درج بالا مؤقف کی تصریح و تائید خود اِرشاداتِ نبوی ﷺ سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَنْبَغِي لِلْمَطِيِّ أَنْ تَشَدَّ رِحَالُهُ إِلَى مَسْجِدٍ يَنْبَغِي فِيْهِ الصَّلَاةُ، غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَ مَسْجِدِي هَذَا. (۱)

’’کسی مسجد میں (زیادہ ثواب کے حصول کے لئے) نماز ادا کرنے کی غرض سے سفر کے لئے سواری تیار نہ کی جائے، سوائے مسجدِ حرام، مسجدِ اَقصیٰ اور میری اِس مسجد کے۔‘‘

اوّلاً: اِس حدیث میں مستثنیٰ منہ صریحاً مذکور ہے جو کہ ’**مسجد**‘ ہے لہٰذا شرحُ الحدیث بالحدیث کے بعد اب کوئی جواز باقی نہیں رہتا کہ کوئی شخص خواہ مخواہ اپنی طرف سے کسی ایسے لفظ کو مستثنیٰ منہ قرار دے جو نہ تو عربی لغت کے اُسلوب کے مطابق درست ہے اور نہ فصاحت و بلاغتِ نبوی ﷺ کے لائق، بلکہ خود توضیحِ نبوت کے بھی خلاف ہے۔

ثانیاً: حدیثِ مذکور میں واضح الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ نماز ادا کرنے کی غرض سے سفر نہ کیا جائے، جس کا مطلب لامحالہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی اور مقصد کے لئے سفر کیا

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۴
۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲:۴۸۹، رقم: ۱۳۲۶
۳۔ طحاوی، مشکل الآثار، ۱:۲۴۳
۴۔ امام ہیثمی نے ”مجمع الزوائد (۴: ۳)“ میں اِس حدیث کے نفسِ مضمون کو حسن قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ’الصحیح‘ میں اِسی طرح ہے۔

جا سکتا ہے۔

٢۔ اِس کی مزید وضاحت اِس حدیثِ نبوی ﷺ سے بھی ہو جاتی ہے:

لَا تُشَدُّ رِحَالُ الْمَطِيِّ إِلَى مَسْجِدٍ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ، وَبَيْتِ الْمَقْدَسِ. (١)

’’اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی نیت سے کسی مسجد کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے، سوائے اِن تین مساجد کے: مسجدِ حرام، مسجدِ مدینہ اور بیت المقدس۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ میں واضح الفاظ میں تین مسجدوں کے علاوہ اس نیت سے کسی اور مسجد کی طرف اس نیت کے تحت سفر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرکے زیادہ ثواب حاصل کیا جائے۔

٣۔ اِس کی تصریح و تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اِس حدیثِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا يُسَافَرُ إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، وَمَسْجِدِي، وَمَسْجِدِ إِيْلِيَاءَ. (٢)

’’(زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) صرف اِن تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے: مسجدِ کعبہ، میری مسجد اور مسجدِ ایلیاء (بیت المقدس)۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں اُسلوبِ اِستثناء بیان نہیں کیا گیا بلکہ اُسلوبِ حصر اِختیار

---

(١) أبويعلى، المسند، ٢: ٤٨٩، رقم: ١٣٢٦

(٢) ١۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب لا تشدّ الرحال إلا إلي ثلاثة مساجد، ٢: ١٠١٥، رقم: ١٣٩٧

٢۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ٥: ٢٤٤، رقم: ١٠٠٤٤

٣۔ أيضاً، دلائل النبوة، ٢: ٥٤٥

کیا گیا ہے۔ پچھلی احادیث میں چونکہ اُسلوبِ استثناء تھا اِس لئے یہ اَمر زیرِ بحث تھا کہ مستثنیٰ منہ کیا ہے، جبکہ اِس حدیثِ مبارکہ میں اِستثناء کا اُسلوب ہی نہیں۔ لہٰذا یہ بیانِ حصر ہماری مذکورہ بالا پوری بحث کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ اِس میں حصر صرف ان ہی مساجد کا ہے لہٰذا باقی مساجد کی طرف حصولِ ثواب کی نیت سے سفر کرنا منع ہے۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے طریقِ حصر پر مشتمل ایک اور حدیث اِن الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

إنما تُضْرَبُ أَكبَادُ الْمَطِيِّ إِلَى ثَـلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هَذَا، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى. (۱)

’’صرف تین مساجد کی طرف سفر کے لئے سواری تیار کی جائے: مسجدِ حرام، میری یہ مسجد اور مسجدِ اقصیٰ۔‘‘

اِن احادیثِ مبارکہ سے صراحت ہو گئی کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد، مقام، شہر یا جگہ کی طرف اجر و ثواب کی نیت کے بغیر سفر کرنا ہرگز ممنوع نہیں اور نہ ہی شَدُّ الرِّحال والی حدیث کا موضوع ہے۔

اِن مساجد میں ادا کی جانے والی نمازوں پر ملنے والے غیر معمولی اَجر و ثواب کے حوالے سے بھی متعدّد احادیث وارد ہیں۔

۵۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲:۲۷۶، ۲۷۷، رقم: ۲۱۵۹
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳:۳۷۸، رقم: ۲۸۱۱
۳۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱:۴۳۵، رقم: ۶۵۵۸

طبرانی کی بیان کردہ روایت کی اِسناد صحیح ہے اور ابویعلٰی کی بیان کردہ روایت کے رِجال ثقہ ہیں۔

صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِي أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ.(۱)

''میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنا دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازیں (ادا کرنے) سے افضل ہے سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں (ادا کی ہوئی) ایک نماز (دوسری مساجد میں ادا کردہ) ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے۔''

یہ حدیث صحیح ہے، اس کی اِسناد صحیح اور رِجال ثقہ ہیں۔

۶۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةُ الرَّجُلِ ...... فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ.(۲)

''جو شخص مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد میں نماز پڑھے اُسے پچاس ہزار نمازوں کا اور جو مسجدِ حرام میں نماز پڑھے اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔''

اس بحث کو خلاصۃً درج ذیل دو اہم نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجِ بالا تائیدی ارشاداتِ عالیہ سے ثابت ہوا کہ

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الصلاة فى المسجد الحرام و المسجد النبوي صلى الله عليه وآله وسلم، ۲:۱۸۶، رقم: ۱۴۰۶

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الصلاة فى المسجد الحرام ومسجد النبي صلى الله عليه وآله وسلم، ۲: ۱۹۰، ۱۹۱، رقم: ۱۴۱۳

۲۔ طبرانى، المعجم الأوسط، ۷: ۷، رقم: ۷۰۰۴

لَا تُشَدُّ الرِّحَال والی احادیث کا مطلب تضاعفِ ثواب ہے یعنی زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے سفر کرنا صرف اِن ہی تین مساجد کی طرف جائز ہے جبکہ اِس غرض سے اُن کے علاوہ روئے زمین کی کسی اور مسجد کی طرف اس نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔

۲۔ اس حدیثِ مبارکہ کا صحیح معنی و مفہوم اُن اجل ائمۂ حدیث نے بیان کیا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں حدیثِ رسول ﷺ کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کیئے رکھی اور تحصیلِ حدیث میں اتنی محنت کی کہ درجۂ حفاظ میں شامل ہو گئے۔ ایسے تمام ائمۂ کرام کی رائے مفہوم حدیث کی وضاحت میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کی مستند رائے کی موجودگی میں کسی اور کی ذاتی اور غیر مناسب رائے کی طرف التفات کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَال میں صرف اسی سفر کی ممانعت ہے جو اِن تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز کے زیادہ ثواب کی نیت سے ہو، اگر کوئی شخص کسی اور جائز نیت سے یا فقط زیارت کے لئے کسی متبرک مقام یا ہستی کی زیارت کو جائے تو وہ ہرگز اس حدیث میں شامل نہیں۔

مساجد ثلاثہ کی فضیلت کا ایک سبب قبورِ انبیاء علیھم السلام بھی ہیں

متذکرہ بالا احادیثِ مبارکہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف سفر کرنا باعث فضیلت ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں پر نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو دنیا کی کسی اور مسجد کو حاصل نہیں۔ مساجد کی طرف سفر کے متعلق طبرانی کی وہ روایت بھی ضمناً بیان ہوئی جس میں مسجد خیف کا ذکر ہے۔ بعض لوگ انہی احادیث مبارکہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء اور صالحین کے مزارات مقدسہ کی طرف رختِ سفر باندھنا باعثِ معصیت و گناہ ہے۔ بسا اوقات یہ لوگ زائرین پر کفر و شرک کا فتویٰ بھی لگا دیتے ہیں۔ دراصل یہ ایک انتہائی

مؤقف ہے جو سراسر غلط اور تعلیمات نبوی ﷺ کے خلاف ہے۔

ائمہ تفسیر و حدیث نے اپنی معتبر کتب میں ان احادیثِ نبوی ﷺ کو بھی بیان کیا ہے جن سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ان مساجد کی عظمت و فضیلت کا ایک سبب قبور انبیاء بھی ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات گرامی کے مطابق اگر کوئی شخص نماز میں زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس مقصد کے لئے وہ تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کی طرف سفر کرے۔ محض ثواب میں کثرت کے مخصوص ارادے سے کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا منع ہے۔

۲۔ آپ ﷺ نے مساجد ثلاثہ کے علاوہ مسجد خیف کی طرف بھی سفر کرنے کا ارشاد فرمایا لیکن وہاں پر نماز کی فضیلت کا ذکر نہیں ملتا۔ تاہم مطالعہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا اس کی طرف سفر کرنے کی ترغیب کی وجہ وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک قبور ہیں جو اس کی عظمت وفضیلت کا ایک سبب اور یہی سبب اس کی طرف سفر اختیار کرنے کی ترغیب کا محرک بھی ہے۔ اسی لئے قبور انبیاء و صالحین کی طرف سفر کرنا باعث سعادت عمل ہے۔

طبرانی میں ثقہ رجال کی سند سے روایت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ قَبْرُ سَبْعِينَ نَبِيًّا.(۱)

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۴۱۳، رقم: ۱۳۵۲۵
۲۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۸، رقم: ۲۱۷۷
۳۔ فاكهي، أخبار مكة، ۷: ۱۰۲، رقم: ۲۵۲۵
۴۔ عسقلاني، المطالب العاليه، ۷: ۱۷۵، رقم: ۱۲۳۲
۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۲۶۰
۶۔ مناوی، فيض القدير، ۴: ۴۵۹

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسجد خیف میں ۷۰ انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک قبریں ہیں۔''

ہیثمی نے لکھا ہے کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

دیگر فضیلت والی تینوں مساجد میں بھی انبیاء علیہم السلام کی قبور کا ثبوت کتب احادیث و تواریخ میں موجود ہے۔ سب سے زیادہ فضیلت والی مسجد، مسجدِ حرام خود مسکن مزاراتِ انبیاء علیہم السلام ہے اس کے مطاف میں کثیر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات کا ثبوت درج ذیل روایات سے ملتا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَاسٍ، قَالَ: وَ أَوَّلُ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْمَلَائِكَةُ، وَإِنَّ مَا بَيْنَ الْحَجَرِ إِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِي لَقُبُورًا مِنْ قُبُوْرِ الأَنْبِيَاءِ.(۱)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا طواف فرشتوں نے کیا اور حجرِ اسود سے رکن یمانی تک درمیانی حصہ میں ستر انبیاء علیہم السلام کی مبارک قبریں ہیں۔''

صحن حرم اور قدس شریف میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک قبور کی موجودگی درجہ ذیل روایت سے بھی ثابت ہے۔

عن مقاتل قال: في المسجد الحرام بين زمزم و الركن قبر سبعين نبيا، منهم هود، و صالح، و إسماعيل. و قبر آدم، و إبراهيم، و إسحاق، و يعقوب، و يوسف، في بيت المقدس.(۲)

''حضرت مقاتل سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: مسجد حرام میں زمزم اور رکن

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱: ۴۵۴، رقم: ۱۲۲۸۸
(۲) ۱۔ أزرقی، أخبار مکة، ۱۱۱
۲۔ سیوطی، الدر المنثور، ۱: ۳۲۸

یمانی کے درمیان ۷۰ انبیاء علیھم السلام کی مبارکہ قبور موجود ہیں جن میں حضرت ھود، حضرت صالح اور حضرت اسماعیل علیھم السلام بھی ہیں۔ اور حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اِسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیھم السلام کی مبارک قبریں بیت المقدس میں ہیں۔‘‘

مؤرخِ مکہ فاکہی نے ۳۰۰ انبیاء کرام علیھم السلام کی قبور کی موجودگی کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وسمعنا أن حول الكعبة قبور ثلاثمائة نبي. و أن قبر نوح، و هود، و شعيب، و صالح عليهم السلام فيما بين الملتزم و المقام، و أن ما بين الركن الأسود إلى الركن اليماني قبور سبعين نبيا.(۱)

’’ہم نے سنا ہے کہ کعبہ شریف کے اردگرد تین سو انبیاء کرام علیھم السلام کی مبارک قبریں موجود ہیں۔ حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیھم السلام کی قبریں ملتزم اور مقام ابراہیم کے درمیان ہیں جبکہ رکن اَسود سے رکن یمانی کے درمیان ۷۰ انبیاء علیھم السلام کی مبارک قبریں ہیں۔‘‘

اسی طرح مسجد اقصی کے بابرکت ہونے کی بڑی وجہ بھی اس کے اردگرد انبیاء علیھم السلام کی مبارک قبروں کی موجودگی ہے۔ جس کے بارے میں ائمہ تفسیر نے سورہ اسراء کی پہلی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر ہم نے باب چہارم ’’توحید اور تبرک‘‘ میں کر دیا ہے۔

پس اس تفصیلی بحث سے یہ امر مترشح ہوا کہ کسی مقام کا متبرک ہونا اور وہاں کی زیارت اور سفر کا باعث سعادت ہونا قبورِ اَنبیاء علیھم السلام کی بنا پر بھی ہوتا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ارشادات گرامی میں جن مسجدوں کی فضیلت بیان فرمائی اور

(۱) فاکہی، أخبار مكة، ۴: ۱۹۱

ان کی طرف سفر کی ترغیب دی یہ چاروں مسجدیں بھی وہی ہیں جہاں انبیاء علیہم السلام کے مقدس مزارات ہیں اور یہی ان کی اہمیت و فضیلت کا بنیادی سبب ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قبرِ انور کی طرف زیارت کی خصوصی توجہ دلائی نیز اولیاء و صالحین کی قبور پر جا کر امت کے لئے اپنی سنت مقرر فرما دی جس پر اِن شاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں بحث ہو گی۔

فصل پنجم

زِیارتِ صالحین

گزشتہ فصل میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اِرشاداتِ گرامی کی روشنی میں ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی قبرِ انور کی حاضری نہ صرف جائز بلکہ ایمانی جلا حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے فیوض و برکات میں سے کچھ حصہ آپ ﷺ کی امت کے اولیاء اور صالحین کو بھی میسر آیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اِن کی زیارت کے لئے بھی اُن کے مساکن اور مزارات پر حاضری دی جائے۔ زیرِ نظر عنوان کے تحت اولیاء و صالحین کی زیارت کی مشروعیت کا بیان احادیثِ مبارکہ اور سلف صالحین کے احوال واقوال کی روشنی میں ہوگا۔

ا۔ قبورِ صالحین کی زیارت کا نبوی معمول

اولیاء اللہ اور صالحین کی قبور پر جانا حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت سے ثابت ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بنفسِ نفیس شہداء اور صالحین کی قبور پر تشریف لے جا کر دعا فرمائی اور آپ ﷺ کی اتباع میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہ معمول رہا۔ ۔ ائمہِ حدیث وتفسیر مثلاً امام عبدالرزاق، امام طبری، امام ابنِ کثیر اور امام سیوطی و دیگر ائمہ نے آپ ﷺ کا معمول بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ ہر سال شہداء کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے۔ امام عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) نے بیان کیا ہے:

عن محمد بن إبراهيم قَالَ كَانَ النَّبِي ﷺ يَأْتِي قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأسِ الْحَوْلِ فَيَقُوْلُ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى

الدَّارِ. قَالَ وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ. (۱)

’’حضرت محمد بن ابراہیم التیمی سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سال کے آغاز میں شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے تھے اور فرماتے: تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کے صلہ میں آخرت کا گھر کیا خوب ہے۔ روای نے کہا: حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔‘‘

امام طبری (م ۳۱۰ھ) نے اسی روایت کو اپنی تفسیر ’’**جامع البیان فی تفسیر القرآن** (۱۳: ۱۴۲)‘‘ میں، امام ابنِ کثیر (م ۷۷۴ھ) نے ’’**تفسیر القرآن العظیم** (۲: ۵۱۲)‘‘ میں اور امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اپنی تفسیر (**الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور** (۴: ۶۴۱)‘‘ میں بیان کیا ہے۔

۲۔ شیخین کے عمل سے زیارتِ صالحین کا ثبوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لِعُمَرَ: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى أُمِّ أَيْمَنَ نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَزُوْرُهَا. (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳: ۵۷۳
۲۔ عینی، عمدة القاری، ۸: ۷۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أم أیمن، ۴: ۱۹۰۷، رقم: ۲۴۵۴
۲۔ ابن ماجة، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته ودفنه، ۱: ۵۲۳، رقم: ۱۶۳۵
۳۔ أبو یعلی، المسند، ۱: ۷۱، رقم: ۶۹

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: چلو حضرت اُم ایمن کی زیارت کر کے آئیں جس طرح رسول اللہ ﷺ ان کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔‘‘

مذکورہ حدیث کی شرح میں امام نووی (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

فيه زيارة الصّالحين وفضلها وزيارة الصّالح لمن هو دونه، وزيارة الإنسان لمن كان صديقه يزوره، ولأهل ود صديقه، وزيارة جماعة من الرّجال للمرأة الصّالحة وسماع كلامها، واستصحاب العالم والكبير صاحباً له في الزّيارة والعيادة ونحوهما، والبكاء حزناً على فراق الصّالحين والأصحاب وإن كانوا قد انتقلوا إلى أفضل مما كانوا عليه، والله أعلم.[1]

’’اس حدیثِ مبارکہ میں صالحین کی زیارت اور اس کی فضیلت کا بیان ہے۔ اسی طرح کسی صالح شخص کا (مقام و مرتبہ کے لحاظ سے) اپنے سے کم درجہ شخص کی ملاقات کے لیے جانا، کسی انسان کا اپنے دوست احباب کی زیارت کرنا، مردوں کا باجماعت کسی نیک اور صالح خاتون کی ملاقات اور اس کی گفتگو سننا، اسی طرح کسی عالم اور بزرگ کا اپنے دوست کو زیارت و ملاقات اور عیادت وغیرہ کے لئے اپنے ساتھ لے جانا، صالحین اور دوست و احباب کی مفارقت پر غمگین ہونا اور رونا اگرچہ وہ اونچے درجے کی طرف منتقل ہوگئے ہوں (بھی اس حدیثِ مبارکہ سے) ثابت ہے۔‘‘

۳۔ فرامینِ رسول ﷺ سے زیارتِ صالحین کی فضیلت و ترغیب

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشاداتِ عالیہ میں اولیاء، صالحین اور کامل

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۶: ۹، ۱۰

مومنین کی زیارت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ جن میں سے چند فرامینِ مبارکہ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) متعلقین کو اپنی ملاقات و زیارت کے لئے بلانا جائز ہے

امام بخاری اور دیگر ائمہِ حدیث وتفسیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیثِ مبارکہ بیان کی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا:

مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُوْرَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا فَنَزَلَتْ (وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا). (۱)

’’جتنی بار تم ہماری زیارت کو آتے ہو، اس سے زیادہ تم ہماری زیارت کو کیوں نہیں آتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اور جبرئیل میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہو کہ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر (زمین پر) نہیں اتر سکتے اور جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے (سب) اسی کا ہے۔‘‘ (مریم، ۱۹: ٦۴)

اس محبت کے جذبات سے لبریز حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب: وما نتنزل إلا بأمر ربك، ۴: ۱۷٦۰، رقم: ۴۴۵۴

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة مريم، ۵: ۳۱٦، رقم: ۳۱۵۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ۲۰۴۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ٦: ۳۹۴، رقم: ۱۱۳۱۹

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۳۳، رقم: ۱۲۳۸۵

جبرئیل علیہ السلام کو اپنی زیارت کے لئے بار بار آنے کی خواہش کی تاکہ محبوبِ حقیقی کے پیغام کو دیکھ دیکھ کر دیدۂ و دل کو قرار حاصل ہوتا رہے۔ اس سے ائمہ نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ کسی صالح شخص کا اپنے نیک صالح دوستوں کو اپنی ملاقات و زیارت کے لئے بلانا بھی جائز و ثابت ہے۔

امام نووی نے اپنی کتاب المجموع میں مذکورہ حدیث سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے:

ویستحبّ أن یطلب من صاحبه الصالح أن یزوره و أن یزوره أکثر من زیارته لحدیث ابن عباس.(۱)

''یہ بات مستحب ہے کہ کوئی شخص اپنے صالح دوست سے اس بات کا تقاضا کرے کہ وہ جتنی بار اس کی زیارت و ملاقات کے لئے آتا ہے اس سے زیادہ مرتبہ آئے اور یہ بات حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ثابت ہے۔''

(۲) اللہ تعالیٰ کی خاطر باہم زیارت کرنے والوں کا پہلا انعام

۱۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ، وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ، وَالْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ.(۲)

---

(۱) نووی، المجموع، ۴: ۵۱۸

(۲) ۱۔ مالك، الموطأ، ۲: ۹۵۳، رقم: ۱۷۱

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۳۵، رقم: ۵۷۵

۳۔ حاکم، المستدرك، ۴: ۱۸۶، رقم: ۷۳۱۴

اس حدیث کو امام مالك نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے نیز امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

’’میری محبت واجب ہو گئی: میری خاطر آپس میں محبت کرنے والوں، میری خاطر مجلسیں قائم کرنے والوں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں اور میری خاطر خرچ کرنے والوں کے لئے۔‘‘

۲۔ حضرت ادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں جامع مسجد دمشق میں داخل ہوا تو اچانک میں نے ایک خوبصورت چمکتے دانتوں والے نوجوان دیکھا جس کے ساتھ کچھ لوگ تھے (ایک روایت میں ہے: اس نوجوان کے ساتھ بیس صحابہ اور ایک روایت میں تیس صحابہ تھے) جب وہ کسی چیز میں اختلاف کرتے تو اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے اقوال سے مدد لیتے۔ میں نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا تو کہا گیا:

هَذَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رضی الله عنه، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ هَجَّرْتُ، فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي بِالتَّهْجِيرِ، وَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي، قَالَ: فَانْتَظَرْتُهُ حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ، ثُمَّ جِئْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قُلْتُ: وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ لِلّٰهِ، فَقَالَ: أَاللهِ؟ فَقُلْتُ: أَاللهِ، فَقَالَ: أَاللهِ؟ فَقُلْتُ: أَاللهِ، فَقَالَ أَاللهِ؟ فَقُلْتُ: أَاللهِ، فَأَخَذَ بَحَبْوِ رِدَائِي. (وفي رواية: بِحَبْوَتِي رِدَائِي) فَجَذَبَنِي إِلَيْهِ، وَقَالَ: أَبْشِرْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم يَقُولُ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ، وَالْمُتَجَالِسِينَ فِيَّ، وَالْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ، وَالْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ. (۱)

’’یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، جب اگلا دن ہوا تو میں جلدی سے مسجد پہنچا تو وہاں میں نے اس نوجوان کو خود سے پہلے پہنچا ہوا اور نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ آپ کہتے ہیں: میں نے ان کا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، ۲: ۹۵۳، رقم: ۱۷۱۱
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۳۳، رقم: ۲۲۰۸۳
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۳۳۵، رقم: ۵۷۵

ہوئے۔ پھر میں نے سامنے سے ان کے پاس حاضر ہوکر انہیں سلام کیا، اور عرض کیا: خدا کی قسم! میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے لیے؟ میں نے کہا: ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے۔ انہوں نے پھر پوچھا: اللہ تعالیٰ کے لیے؟ میں نے کہا: ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے۔ انہوں نے میری چادر کا کنارہ پکڑا (اور ایک روایت میں ہے میری چادر کے دونوں کنارے پکڑے) اور مجھے اپنی طرف کھینچ کرفرمایا: تمہیں خوشخبری ہو، میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری خاطر محبت کرنے والوں، میری خاطر آپس میں بیٹھنے والوں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں اور میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں کے لیے، میری محبت واجب ہے۔‘‘

(۳) اللہ تعالیٰ کی خاطر باہم زیارت کرنے والوں کا دوسرا انعام

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرُفًا تُرَى ظَوَاهِرُهَا مِنْ بَوَاطِنِهَا، وَبَوَاطِنُهَا مِنْ ظَوَاهِرِهَا أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيْهِ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْهِ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْهِ.(۱)

’’جنت کے اندر کئی قیام گاہیں ایسی ہیں جن کی بیرونی زیب و زینت اندر سے اور اندرونی خوبصورتی باہر سے دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے محبت

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۳: ۱۹۳، رقم: ۳۹۰۳
۲۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۳: ۲۴۸، رقم: ۳۸۹۶
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۷۸

رکھتے ہیں، اُسی کی خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اسی کی خوشنودی کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔‘‘

(۴) زیارتِ صالحین رضائے الٰہی کا سبب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرٰى، فَأَرْصَدَ اللهُ لَهُ عَلٰى مَدْرَجَتِهِ مَلَكاً، فَلَمَّا أَتٰى عَلَيْهِ قَالَ: أَيْنَ تَرِيْدُ؟ قَالَ: أُرِيْد أَخًا لِي فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، غَيْرَ أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللهِ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُوْلُ اللهِ بِأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيْهِ.(۱)

’’ایک شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملنے کسی دوسرے گاؤں چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ اس کے انتظار میں بٹھا دیا۔ جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو فرشتہ نے پوچھا، تیرا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟ اس نے جواب دیا: اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اس سے ملنے کا ارادہ ہے۔ فرشتہ نے پوچھا، کیا تم نے اس پر کوئی احسان کیا تھا جس کا بدلہ حاصل کرنے جا رہے ہو؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ مجھے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہے۔ تب اس فرشتہ نے کہا: میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لایا ہوں کہ جس طرح تم اس شخص سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر محبت کرتے ہو اسی طرح اللہ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب فی فضل الحب فی الله، ۴: ۱۹۸۸، رقم: ۲۵۶۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۰۸، رقم: ۹۲۸۰

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۳۱، رقم: ۵۷۲

تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔‘‘

امام نووی (م ٦٧٦ھ) لکھتے ہیں:

وفيه فضيلة زيارة الصّالحين والأصحاب.(۱)

’’اس حدیثِ مبارکہ میں زیارتِ صالحین اور دوست احباب کی ملاقات کی فضیلت کا بیان ہے۔‘‘

۴۔ زیارتِ صالحین کے فیوض وبرکات سے متعلق اَئمہ کے اقوال

۱۔ ائمہ احناف میں سے علامہ عبدالرحمٰن عمادی حنفی نے زیارتِ صالحین کو مقبولِ بارگاہ عمل قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

إن زيارة الصالحين من أقرب القربات وهي لاستمطار سحائب البركات ومن الأمور المجرّبات، وقد أمرنا بالتّعرّض للنفحات ولا شك أن مواطنهم من أكبر مظنات إجابة الدعوات. (۲)

’’بے شک صالحین کی زیارت بلند درجہ باعثِ ثواب عمل ہے اور یہ ان آزمودہ اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ برکات کی بارش ہوتی ہے۔ ہمیں (ان کی

---

(۱) نووی، شرح النووی علی صحیح مسلم، ١٦: ١٢٤

(۲) عمادی، الروضۃ الریا فیمن دفن بداریا، ۱: ۵۵

یاد رہے کہ علامہ عمادی نے مذکورہ کتاب دمشق کی ایک بستی ’’داریا‘‘ میں مدفون صالحین کے بارے میں لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ کن کن مقبولِ بارگاہ ہستیوں کے یہاں مزارات ہیں۔ اسی بستی ’’داریا‘‘ کی نسبت سے علماء اپنے ناموں کے ساتھ دارانی لکھتے ہیں۔

برکات کے) عطیات کو حاصل کرنے کا حکم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی قیام گاہیں قبولیتِ دُعا کے لئے مجرب جگہیں تصور کی جاتی ہیں۔‘‘

۲۔ علامہ ابن الحاج الفاسی المالکی (م ۷۳۷ھ) نے اپنی مشہور تصنیف ’’المدخل‘‘ میں زیارتِ قبور کے احکام حُسنِ ترتیب کے ساتھ تفصیل سے لکھے ہیں۔ زیارتِ اولیاء و صالحین کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہے:

وينبغي له أن لا يخلى نفسه من زيارة الأولياء والصّالحين الذين برؤيتهم تحي القلوب الميتة كما تحي الأرض بوابل المطر، فتنشرح بهم الصدور الصلبة، و تهون برؤيتهم الأمور الصعبة، إذ هم وقوف على باب الكريم المنّان، فلا يردّ قاصدهم ولا يخيب مجالسهم ولا معارفهم ولا محبهم. إذ هم باب الله المفتوح لعباده، ومن كان كذالك فتعين المبادرة إلى رؤيتهم، واغتنام بركتهم ولأنه برؤية بعض هؤلاء يحصل له من الفهم والحفظ وغيرهما ما قد يعجز الواصف عن وصفه، ولأجل هذا المعنى ترى كثيراً ممن اتصف بما ذكر له البركة العظيمة فى علمه و فى حاله، فلا يخلى نفسه من هذا الخير العظيم لكن بشرط أن يكون محافظاً على اتّباع السّنّة فى ذلك كله. (۱)

’’متعلم کے لئے ضروری ہے کہ ان اولیاء و صالحین کی زیارت سے اپنے آپ کو علیحدہ نہ کرے جن کی زیارت سے مُردہ دل اس طرح زندہ ہوتے ہیں جس طرح زمین موسلا دھار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ ان کی زیارت سے پتھر دل نرم و کشادہ ہوتے ہیں۔ ان کی زیارت کی برکت سے مشکل اُمور آسان

(۱) ابن الحاج، المدخل، ۲: ۱۳۹

ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ جو کریم اور منان ہے، کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ وہ ان کے ارادوں کو رد نہیں فرماتا اور ان کے ہم مجلس، ان کی پہچان رکھنے والوں اور ان سے محبت کرنے والوں کو ناکام و نامراد نہیں کرتا۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بابِ رحمت ہیں جو اس کے بندوں کے لئے کھلا رہتا ہے۔ پس جو بندۂ خدا ایسی صفات سے متصف ہو اس کی زیارت اور اس کی برکت سے مستفیض ہونے کے لئے جلدی کرنی چاہیے کیونکہ ان میں بعض ہستیوں کی زیارت کرنے والے کو ایسا فہم، برکت اور حافظہ نصیب ہوتا ہے کہ بیان کرنے سے باہر ہے۔ اسی معنی کی بدولت آپ بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ ان کو علم و حال میں کثیر برکت ملی۔ اس نعمت کی قدر کرنے والا خود کو اس عظیم خیرو برکت سے علیحدہ نہیں کرتا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ تمام اُمور میں سنت کا محافظ اور تابعِ شریعت ہو۔‘‘

۳۔ علامہ ابن الحاج نے امام ابوعبداللہ بن نعمان کی کتاب ’’**سفينة النجاء لأهل الالتجاء**‘‘ جس میں انہوں نے شیخ ابی النجار کی کرامات کا بیان کیا ہے، کے حوالے سے لکھا ہے:

أن زيارة قبور الصّالحين محبوبة لأجل التّبرّك مع الاعتبار فإن بركة الصّالحين جارية بعد مماتهم كما كانت فى حياتهم والدّعاء عند قبور الصّالحين والتشفع بهم معمول به عند علمائنا المحققين من أئمة الدين، انتهى.(۱)

’’حصولِ برکت کے لیے قبورِ صالحین کی زیارت مستحب عمل ہے کیونکہ صالحین کی برکات جس طرح ان کی زندگی میں فیض رساں ہوتی ہے اسی طرح ان کی

(۱) ابن الحاج، المدخل، ۲: ۲۵۵

موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا ائمۂِ دین اور علماءِ محققین کا معمول رہا ہے۔‘‘

۴۔ اس عبارت کونقل کرنے کے بعد علامہ ابن الحاج نے لکھا ہے:

من كانت له حاجة فليذهب إليهم وليتوسّل بهم بقوله عليه الصلاة والسلام (لا يشد الرحال إلا لثلاثة مساجد المسجد الحرام ومسجدي والمسجد الأقصى) انتهى. وقد قال الإمام الجليل أبو حامد الغزالى فى كتاب آداب السفر من كتاب الإحياء له ماهذا نصه. القسم الثاني: وهو أن يسافر لأجل العبادة، إما لجهاد أو حج إلى أن قال: ويدخل فى جملته زيارة قبور الأنبياء وقبور الصّحابة والتّابعين وسائر العلماء والأولياء وكل من يتبرّك بمشاهدته فى حياته يتبرّك بزيارته بعد وفاته. ويجوز شدّ الرحال لهذا الغرض ولا يمنع من هذا، قوله ﷺ: (لاتشدّ الرِحال إلا لثلاثة مساجد المسجد الحرام ومسجدي والمسجد الأقصى) لأن ذلك فى المساجد لأنها متماثلة بعد هذه المساجد وإلا فلا فرق بين زيارة الأنبياء، والأولياء، والعلماء فى أصل الفضل، وإن كان يتفاوت فى الدرجات تفاوتًا عظيماً بحسب اختلاف درجاتهم عند الله ﷻ. الله تعالٰى أعلم.[1]

’’جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو اسے چاہیے کہ وہ صالحین کی قبروں اور ان کے مقابر پر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ’’تین مسجدوں کے سوا

(۱) ابن الحاج، المدخل، ۲:۲۵۵، ۲۵۶

کسی طرف جانے کے لئے سامانِ سفر نہ باندھا جائے، مسجدِ حرام، میری مسجد اور مسجدِ اقصیٰ۔‘‘ جلیل القدر امام ابو حامد غزالی نے احیاء العلوم کے آدابِ سفر میں بیان کیا ہے: قسمِ ثانی: عبادت کے لیے سفر کیا جائے مثلاً جہاد اور حج کے لیے، اس کے بعد فرمایا: اسی میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام علماء اور اولیاء اللہ کی زیارت کرنا بھی شامل ہے، ہر وہ شخص جس کی زندگی میں اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جاتی ہے اس کی موت کے بعد بھی اس کی کی زیارت سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور اس غرض کے لئے سفر کرنا بھی جائز ہے، حدیث مبارکہ کہ ’’ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی زیارت کے لیے سامانِ سفر نہ باندھا جائے‘‘ میں اس سفر کی ممانعت نہیں، کیونکہ یہ حکم زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے ان ہی مساجد کی طرف سفر کرنے سے متعلق ہے ان تینوں مساجد کے علاوہ دیگر تمام مسجدیں ثواب میں برابر ہیں۔ اگر ہر سفر کو ناجائز قرار دیا جائے تو انبیاء علیہم السلام، اولیاء اللہ اور علماء کی زیارت میں اصلاً کوئی فضیلت باقی نہیں رہے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے مقام و مرتبہ میں ان کے درجات کے مطابق بہت بڑا فرق ہے۔‘‘

۵۔ مقاماتِ مقدّسہ کی زیارات کے لئے سفرِ عمل مشروع ہے

علامہ ابن الحاج ہی نے انبیاء علیہم السلام کی قبورِ مقدّسہ کی زیارت کا بھی طریقہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وأما عظيم جناب الأنبياء والرّسل صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين، فيأتي إليهم الزائر ويتعين عليه قصدهم من الأماكن البعيدة، فإذا جاء إليهم فليتصف بالذل، والانكسار، والمسكنة، والفقر، والفاقة، والحاجة، والاضطرار، والخضوع، ويحضر

قلبه، وخاطره إليهم، وإلى مشاهدتهم بعين قلبه، لا بعين بصره، لأنهم لا يبلون ولا يتغيرون، ثم يثني على الله تعالٰى بما هو أهله، ثم يصلي عليهم ويترضى عن أصحابهم، ثم يترحم على التّابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين، ثم يتوسّل إلى الله تعالٰى بهم فی قضاء مآربه، ومغفرة ذنوبه، ويسغيث بهم، ويطلب حوائجه منهم، ويجزم بالإجابة ببركتهم، ويقوي حسن ظنّه فی ذلك فإنهم باب الله المفتوح. وجرت سنته سبحانه وتعالٰى في قضاء الحوائج على أيديهم، وبسببهم، ومن عجز عن الوصول إليهم فليرسل بالسّلام عليهم ويذكر ما يحتاج إليه من حوائجه ومغفرة ذنوبه، وستر عيوبه إلى غير ذلك، فإنهم السادة الكرام، والكرام لا يردّون من سألهم، ولا من توسّل بهم، ولا من قصدهم، ولا من لجأ إليهم.(۱)

’’جہاں تک انبیاء و رُسل کرام علیہم السلام کی عظیم بارگاہوں میں حاضری کا تعلق ہے تو ان عظیم مقاماتِ مقدّسہ کے آداب یہ ہیں کہ زائر مسافتِ بعیدہ سے ان کی زیارت کا ارادہ کرکے چلے۔ جب وہ ان کے مزار پر پہنچے تو انتہائی عاجزی وانکساری، فقر و فاقہ اور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ آئے۔ حضورِ قلب کے ساتھ حاضر ہو، ان کا سر کی آنکھ سے مشاہدہ نہ کرے بلکہ دل کی آنکھ سے انہیں دیکھے کیونکہ ان کے مبارک اجسام بوسیدہ ہوتے ہیں نہ متغیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء کرے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر اُن (انبیاء علیہم السلام) پر صلوات بھیجے اوران کے اصحاب سے راضی ہو، پھر قیامت تک ان کے تمام تابعین کے لیے

(۱) ابن الحاج، المدخل، ۲: ۲۵۸

رحمت کی دعا کرے، پھر اپنی حاجات کی تکمیل اور اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے، اُن سے شفاعت طلب کرے، اپنی حاجات ان پر پیش کرے اور ان کی برکت سے دعا کی قبولیت پر یقین رکھے۔ اس باب میں اپنا حسنِ ظن قوی رکھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام (رحمتِ) باری تعالیٰ کا کھلا ہوا دروازہ ہیں اور یہ ہمیشہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے ہاتھوں سے اور ان کے واسطے اور سبب سے اپنے بندوں کی حاجات کو پورا فرماتا ہے۔ جو شخص انبیاء علیہم السلام کے مزاراتِ مقدّسہ تک نہ پہنچ سکے وہ ان کی بارگاہ میں سلام بھیجے اور اپنی حاجات اور اپنے گناہوں کی مغفرت اور اپنے عیوب کی پردہ پوشی کے لیے ان سے شفاعت کی درخواست کرے کیونکہ وہ صاحبِ کرم بزرگ ہستیاں ہیں اور جو شخص کریموں سے سوال کرتا ہے یا ان کی پناہ میں آتا ہے یا ان کا ارادہ کرتا ہے یا ان کا وسیلہ پیش کرتا ہے وہ اس کی درخواست کو مسترد نہیں کرتے۔‘‘

قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جمہور امتِ مسلمہ کا یہی معمول رہا ہے کہ وہ صالحین کی زیارت کو جاتے ہیں اور اگر وہ وصال فرما گئے ہوں تو پھر ان کے مزارات پر فیوضات کے حصول کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے اس عملِ صالح کو ناجائز و حرام قرار نہیں دیا کیونکہ یہ عمل اصلاً مشروع ہے، نسبتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے، اکابر ائمہ اور بزرگانِ دین کا معمول ہے۔ ائمہِ حدیث نے بھی اس کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔

۶۔ متبرک مقامات کی زیارت ائمۂ دین کا پسندیدہ معمول

قرآن وحدیث کے مطابق انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے مبارک مزارات اور بارگاہیں ایسے متبرک مقامات ہیں جہاں پر ہروقت اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے، لہٰذا یہاں دعا کی قبولیت بھی جلدی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر ایسے متبرک ومقدّس مقامات کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے۔ ائمہ مؤرخین اور اہلِ سیر نے علماء کے پسندیدہ اور صالح معمولات کے بیان کو اپنی کتب کی زینت بنایا

ہے۔ جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اسلاف، صالحین کی زیارت کو ہمیشہ سے ایک پسندیدہ اور مقبول بارگاہ عمل سمجھتے رہے۔ چند ایک معمولات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت اور اس سے حصولِ برکت ثابت ہے۔(۱)

۲۔ امام شافعیؒ کا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت اور اس سے حصولِ برکت ثابت ہے۔(۲)

۳۔ امام احمد بن حنبلؒ کا محمد بن یوسف الفریابی کی زیارت کے لئے سفر کرکے ملک شام جانا ثابت ہے۔(۳)

۴۔ مشہور محدّث امام ابنِ حبان (م ۳۵۴ھ) کا حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنی مشکل دور کرنے کی دعا کرنا ثابت ہے۔(۴)

۵۔ امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید المحدّثین امام محمد بن اسماعیل بخاری (۲۵۶ھ) کی قبر مبارک پر سمرقند کے لوگوں کا حاضر ہوکر ان کی برکت سے بارش طلب کرنا ثابت ہے۔(۵)

---

(۱) شمس الدین سخاوی، التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة، ۱: ۳۰۷

(۲) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱: ۱۲۳
۲۔ ابن حجر ہیتمی، الخیرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم: ۹۴
۳۔ ابن عابدین شامی، رد المحتار علی الدر المختار، ۱: ۴۱

(۳) ابنِ مفلح، المقصد الأرشد، ۱: ۱۹۳

(۴) ابن حبان، کتاب الثقات، ۸: ۴۵۷، رقم: ۱۴۴۱۱

(۵) ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۱۲: ۴۶۹

۶۔ حضرت بشر حافیؒ کی زیارت کے لئے اکابر مشائخ کا حاضر ہونا ثابت ہے۔ (۱)

ہم نے بطورِ ثبوت چند ایک واقعات کا ذکر کر دیا، اگر کتبِ تواریخ اور اسماء الرجال کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے تو بیسیوں ایسے واقعات ہیں جن میں ائمۂ دین کا معمول بتایا گیا ہے کہ وہ اکابر صالحین کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اکابر ائمہ اور اسلاف نے کبھی بھی اس عمل کو خلافِ شریعت قرار نہیں دیا۔

شرط یہ ہے کہ جس ہستی کی زیارت کی جائے وہ صالح ہو اور اس زیارت سے زائر کا مقصد بھی حصولِ رضائے الٰہی ہو۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ محض رضائے الٰہی کی خاطر ملاقات و زیارت اور باہم محبت و الفت کرنا باعثِ اَجر و ثواب ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی اُمت کے اس عمل کو ناجائز قرار دے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ خود قرآن و سنت کی تعلیمات سے آگاہ نہیں۔

(۱) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۲: ۳۸۱

فصل ششم

زیارتِ قبور کا شرعی تصوّر

قرآن و احادیث کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ اصل کامیابی اخروی فوز و فلاح ہے۔ انسان مکمل شعور اور احساس کے ساتھ ایسے اعمالِ صالحہ انجام دے جس سے رضائے الٰہی نصیب ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا کامل مطیع و متبع ہو اور آپ ﷺ کے عطا کردہ نمونۂ اخلاق کی جھلک اپنے اندر پیدا کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام نے کئی ذرائع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ خود احتسابی، حسنِ عمل اور تذکیرِ آخرت جیسے اوصاف پیدا کرنے کا ایک آزمودہ اور مؤثر ذریعہ موت اور آخرت کے احوال و آثار کا ذہنی استحضار بھی ہے۔

آخرت کی یاد سے دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا احساس ہوتا ہے اور آخرت کی حقیقی زندگی کے لئے حسنِ عمل کا جذبہ اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔ یادِ آخرت کا اہم ذریعہ **زیارتِ قبور** ہے۔ شہرِ خاموشاں میں جا کر ہی بدرجۂ اتم یہ احساس ہوتا ہے کہ موت کتنی بڑی حقیقت ہے جس کا مزہ ہر شخص چکھے گا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ جلیل القدر انبیاء علیھم السلام مبعوث ہوئے اور باری باری موت کا مزہ چکھتے رہے۔ اسی طرح بزعمِ خویش خدائی کا دعویٰ کرنے والے بھی آئے، دارا و سکندر جیسے بادشاہ بھی گزرے لیکن موت کی آہنی گرفت سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ اگر اتنے نامور لوگوں کو بھی موت نے نہ چھوڑا تو ہم اور تم اس کے تصرف سے کیسے چھوٹ سکتے ہیں۔

زہد و ورع اور تذکیرِ آخرت کے لیے زیارتِ قبور ایک بہترین عمل ہے۔ بعض لوگ عام مسلمانوں کو زیارتِ قبور سے منع کرتے اور وہاں فاتحہ کے لیے جانے والوں پر بھی شرک اور قبر پرستی کا الزام لگا کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک انتہائی مؤقف ہے۔ قرآن و حدیث میں اس شدت پسندی کا کوئی ثبوت نہیں

ملتا۔ صحیح احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ خود قبورِ شہداء پر تشریف لے جاتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔ لہٰذا یہ عمل قطعاً منافیٔ توحید اور شرک نہیں ۔ زیرِنظر باب میں زیارتِ قبور کے حوالے سے ہی مختلف پہلوؤں پر بحث کی جائے گی۔

۱۔ احادیثِ مبارکہ میں زیارتِ قبور کا حکم

ابتدائے اسلام میں جب لوگ تازہ تازہ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے دامنِ رحمت میں آئے تو چونکہ بت پرستی اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا زمانہ قریب تھا اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے ابتدائی زمانہ میں کچھ عرصہ کے لیے مسلمانوں کو قبروں پر جانے سے منع فرمایا، لیکن جب اسلام مستحکم اور مسلمانوں کے دلوں میں خوب راسخ اور پختہ ہوگیا تو آپ ﷺ نے اپنے تشریعی اختیارات کی بناء پر حکمِ ممانعت کو منسوخ قرار دیا اور افرادِ امت کو زیارتِ قبور کا حکم دیا اور مختلف پہلوؤں سے اس کی ترغیب دلائی۔ ذیل میں اسی حوالے سے چند احادیثِ مبارکہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) زیارتِ قبور موت کی یاد دلاتی ہے

۱۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ.[1]

''پس اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہے۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه ﷻ فی زیارة قبر أمه، ۲: ۶۷۱، رقم: ۹۷۶
۲۔ حاکم، المستدرك، ۱: ۵۳۱، رقم: ۱۳۹۰
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۱، رقم: ۹۶۸۶

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ.(۱)

’’میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم اُن کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ تمہیں موت کی یاد دلاتی ہے۔‘‘

(۲) زیارتِ قبور آخرت کی یاد دلاتی ہے

۱۔ حضرت بریدہ بن حُصَیب اَسلَمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ، فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ.

قَالَ: وَ فِي الْبَاب عن أبي سعيد، وابن مسعود، وأنس، وأبي هريرة، وأم سلمة رضي الله عنهم.

قال أبو عيسى: حديث بريدة، حديثٌ حسنٌ صَحِيْحٌ، والعمل على هذا عند أهل العلم، لا يرون بزيارة القبور بأسا، وهو قول ابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق. (۲)

’’میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، بلاشبہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی والدہ

(۱) حاكم، المستدرك، ۱: ۵۳۱، رقم: ۱۳۸۸

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی الرخصة فی زيارة القبور، ۳: ۳۷۰، رقم: ۱۰۵۴

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۱۱، رقم: ۱۷۲۶۳

۳۔ أبو نعيم الأصبهانی، مسند أبی حنيفة، ۱: ۱۴۶

محترمہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے پس تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔‘‘

’’امام ترمذی مزید فرماتے ہیں: زیارتِ قبور کے باب میں حضرت ابو سعید، حضرت ابومسعود، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور ام المؤمنین حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی نوعیت کی احادیثِ مبارکہ مروی ہیں، حدیثِ بریدہ حسن صحیح ہے۔ علماء کا اس پر عمل ہے اور وہ زیارتِ قبور میں کچھ حرج نہیں سمجھتے، امام ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق رحمہم اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔‘‘

علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے:

(وفی التوضیح:) حديث بريدة صريح في نسخ نهي زيارة القبور، والظاهر أن الشعبي والنخعي لم يبلغهما أحاديث الإباحة. وكان الشارع يأتي قبور الشهداء عند رأس الحول فيقول: السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار. وكان أبوبكر، وعمر، وعثمان رضي الله عنهم يفعلون ذلك. وزار الشارع قبر أمه يوم الفتح في ألف مقنع، ذكره ابن أبي الدنيا.[1]

’’توضیح میں لکھا ہے کہ حدیثِ بریدہ رضی اللہ عنہ زیارتِ قبور کی ممانعت کے حکم کے منسوخ ہونے پر واضح دلیل ہے۔ امام شعبی اور نخعی تک زیارتِ قبور پر جواز والی احادیث نہ پہنچی تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے پھر ان الفاظ کے ساتھ سلام کہتے ’’تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کے بدلے پس تمہارے لئے بہترین عاقبت ہے۔‘‘ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے

(۱) عينى، عمدة القارى، ۸: ۷۰

تھے۔ شارع علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن ایک ہزار مسلح افراد کے ساتھ اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کی۔ اس حدیث کو ابنِ ابی دنیا نے ذکر کیا ہے۔‘‘

۲۔ سنن أبی داؤد میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نَهَيْتُكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ وَأَنَا اٰمُرُكُمْ بِهِنَّ. نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّ فِي زِيَارَتِهَا تَذْكِرَةً، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَشْرِبَةِ أَنْ تَشْرَبُوْا إِلَّا فِي ظُرُوْفِ الأَدَمِ فَاشْرَبُوْا فِي كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ اَنْ لَّا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا، وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الأَضَاحِيّ اَنْ تَأْكُلُوْهَا بَعْدَ ثَلَاثٍ فَكُلُوْا وَاسْتَمْتِعُوْا بِهَا فِي أَسْفَارِكُمْ.(۱)

’’میں نے تمہیں تین کاموں سے منع کیا تھا لیکن اب ان کے کرنے کا تمہیں حکم دیتا ہوں۔ میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا لیکن اب ان کی زیارت کر لیا کرو کیونکہ اس میں نصیحت ہے (اور یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے)۔ میں نے تمہیں چمڑے کے سوا دوسرے برتنوں میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا اب ہر برتن میں پی لیا کرو، ہاں! نشہ لانے والی چیز نہ پیا کرو، اور میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کیا تھا لیکن اب کھا لیا کرو اور اپنے سفر میں اس سے فائدہ اٹھایا کرو۔‘‘

(۱) ۱۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الأشربة، باب فی الأوعیة، ۳: ۳۳۲، رقم:۳۶۹۸
۲۔ نسائی، السنن، کتاب الأشربة، باب الإذن فی شیء منها، ۲۳۴:۷، رقم: ۴۴۳۰
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۹۲

(۳) زیارتِ قبور عملِ صالح ہے

جن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیارتِ قبور کی روایات بیان کی ہیں ان سے یہ بھی مروی ہے کہ زیارتِ قبور سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو عمل نیکیوں میں اضافہ کا باعث ہو وہ یقیناً عملِ صالح اور شرعاً مستحب و مستحسن ہے۔

۱۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَلْتَزِدْكُمْ زِيَارَتُهَا خَيْرًا ...... الحديث. (۱)

’’میں نے تمہیں تین باتوں سے منع کیا تھا۔ اِن میں سے ایک قبروں کی زیارت تھی، اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو، ان کی زیارت سے تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔‘‘

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَمَنْ شَاءَ أَنْ يَزُوْرَ قَبْرًا فَلْيَزُرْهُ فَإِنَّهُ يَرِقُّ الْقَلْبَ وَيُدْمِعُ الْعَيْنَ وَيُذَكِّرُ الْآخِرَةَ. (۲)

---

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الضحایا، باب الإذن فی ذلك، ۷: ۲۳۴، رقم: ۴۴۲۹
۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۳۲، رقم: ۱۳۹۱
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۲۱۲، رقم: ۵۳۹۰
۴۔ أبو عوانة، المسند، ۵: ۸۴، رقم: ۷۸۸۲
۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۷۶، رقم: ۶۹۸۶

(۲) حاکم، المستدرک، ۱: ۵۳۲، رقم: ۱۳۹۴

’’یقیناً میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا اب جو بھی قبر کی زیارت کرنا چاہے اسے زیارت کرنے کی اجازت ہے کیونکہ قبر کی زیارت دل کو نرم کرتی، آنکھوں سے (خشیتِ الٰہی میں) آنسو بہاتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔‘‘

(۴) زیارتِ قبور باعثِ عبرت ہے

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّ فِيْهَا عِبْرَةً.(۱)

’’میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس میں نصیحت اور عبرت ہے۔‘‘

۲۔ ام المؤمنین حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّ لَكُمْ فِيْهَا عِبْرَةً.(۲)

’’میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا پس اب تم زیارت کیا کرو بے شک اس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔‘‘

۳۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

زُوْرُوْا إِخْوَانَكُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ، وَصَلُّوا عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ لَكُمْ

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۵۳۰، رقم: ۱۳۸۶
۲۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۴: ۷۷، رقم: ۶۹۸۸
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸، رقم: ۱۱۳۴۷
(۲) طبرانی، المعجم الكبير، ۲۳: ۲۷۸، رقم: ۶۰۲

فِيْهِمْ عِبْرَةً.(۱)

''اپنے (فوت شدہ) بھائیوں کی زیارت کیا کرو انہیں سلام کہا کرو اور ان پر رحمت بھیجا کرو بے شک ان کی زیارت میں تمہارے لئے عبرت ہے۔''

(۵) زیارتِ قبور دنیا سے بے رغبتی کا باعث ہے

دنیا سے بے رغبتی اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بندہ دو عالم سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کا ہوگیا ہے۔ دنیا میں دل لگانے سے فکرِ آخرت کمزور ہوتی ہے اور بعض اوقات دنیا کی محبت انسان کے ایمان کی دشمن بھی بن جاتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جن اعمال کو اس سلسلے میں انسان کے لئے مفید پایا ان میں ایک زیارتِ قبور ہے اسی لئے درج ذیل فرمودات میں اس کا حکم دیا اور ترغیب دی۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الآخِرَةَ.(۲)

''میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔''

۲۔ سنن دارقطنی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ

(۱) ديلمی، مسند الفردوس، ۲: ۲۹۴، رقم: ۳۳۴۱

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، ۱: ۵۰۱، رقم: ۱۵۷۱

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۳: ۲۶۱، رقم: ۹۸۱

۳۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۳۱، رقم: ۱۳۸۷

حدیث مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا تُذَكِّرُكُمْ آخِرَتَكُمْ.(۱)

''آ گاہ رہو! بے شک میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ تمہیں تمہاری آخرت یاد دلائے گی۔''

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ. ثُمَّ قَالَ: إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا تُذَكِّرُكُمُ الآخِرَةَ.(۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے پہلے زیارتِ قبور سے منع فرمایا، پھر بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں آخرت کی یاد دلائے گی۔''

۲۔ زیارتِ قبور کا نبوی معمول

حضور ﷺ کا اپنا معمول مبارک تھا کہ آپ بقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتے، اہلِ قبور کو سلام کہتے، ان کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ ذیل میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کریں۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

(۱) دار قطنی، السنن، ۴: ۲۵۹، رقم: ۶۹

(۲) ۱۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۳: ۲۹، رقم: ۱۱۸۰۶

۲۔ أبو يعلی، المسند، ۱: ۲۴۰، رقم: ۲۷۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۴۵، رقم: ۱۲۳۵

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ (كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ) يَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ إِلَى الْبَقِيْعِ، فَيَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوعَدُونَ، غَداً مُؤَجَّلُونَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الغَرْقَدِ.(۱)

’’جب حضور نبی اکرم ﷺ میرے ہاں قیام فرما ہوتے تو (اکثر) آپ ﷺ رات کے آخری حصہ میں بقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتے اور (اہلِ قبرستان سے خطاب کرکے) فرماتے: اے مومن گھر والوں! تم پر سلام ہو، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ تمہارے پاس آ گئی تم بہت جلد اسے حاصل کروگے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیعِ غرقد والوں کی مغفرت فرما۔‘‘

۲۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ انہیں سکھایا کرتے تھے کہ جب وہ قبور کی زیارت کے لئے جائیں تو کہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ. وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ، بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ. أَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ.(۲)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، ۲: ۶۶۹، رقم: ۹۷۴
۲۔ نسائی، السنن، كتاب الجنائز، باب الأمر بالاستغفار للمؤمنين، ۴: ۹۳، رقم: ۲۰۳۹
۳۔ أبويعلى، المسند، ۸: ۱۹۹، رقم: ۴۷۵۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، ۲: ۶۷۱، رقم: ۹۷۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۵۳، رقم: ۲۳۰۳۵
۳۔ رويانى، المسند، ۱: ۶۷، رقم: ۱۵

''اے اہل دیارِ مومنین و مسلمین! تم پر سلامتی ہو اور اِن شاء اللہ ہم بھی ضرور بالضرور تم سے ملنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کے طلب گار ہیں۔''

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں زیارتِ قبور کے وقت اہلِ قبور سے کس طرح مخاطب ہوا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

قُولِي: اَلسَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَـلَاحِقُوْنَ. (۱)

''تم کہا کرو، اے اِس دیار (قبرستان) کے مومنین و مسلمین! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمارے اگلے اور پچھلے لوگوں پر رحم فرمائے اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہیں ضرور ملنے والے ہیں۔''

۴۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ کے قبرستان سے گزرے تو قبور کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ. (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبر والدعاء لأهلها، ۲: ۶۶۹، رقم: ۹۷۴

۲۔ نسائی، السنن كتاب الجنائز، باب الأمر بالاستغفار للمؤمنين، ۴: ۹۱، رقم: ۲۰۳۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۲۱، رقم: ۲۵۸۹۷

(۲) ترمذی، السنن، كتاب الجنائز عن رسول الله ﷺ، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر، ۲: ۳۵۷، رقم: ۱۰۵۳

’’اے اہلِ قبور! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے پہنچے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔‘‘

حضرت بریدہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

زِیارتِ قبور کے حوالے سے حضور ﷺ کی تین سنتیں

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے حضور علیہ السلام کی تین اہم سنن ثابت ہوئیں:

۱۔ زیارتِ قبور کو جانا حضور نبی اکرم ﷺ کا مستقل معمول تھا۔

۲۔ مؤمنوں اور مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر اُنہیں سلام کرنا، اپنے لئے، اُن کے لئے اور پہلے گزرنے والوں کے لئے عافیت، رحمت اور مغفرت کی دعا کرنا۔

۳۔ اہلِ قبرستان کو مخاطب ہوکر اس بات کا اعادہ کرنا کہ آپ ہم سے پہلے قبور میں پہنچے ہیں، ہم بھی آپ کے پیچھے آنے والے ہیں۔

۳۔ زیارتِ قبور پر مذاہبِ اَربعہ کا مؤقف

شرعًا قبور کی زیارت کرنا باعثِ اجر وثواب اور تذکیرِ آخرت کا ذریعہ ہے۔ ائمہِ حدیث وتفسیر نے شرح و بسط کے ساتھ اس کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔ مذاہبِ اربعہ کے ائمہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمانوں کو خواہ مرد ہو یا عورت زیارتِ قبور کی اجازت ہے۔

(ا) زیارتِ قبور پر احناف کا موقف

ائمہِ احناف میں سے علامہ بدر الدین عینی (شارح صحیح بخاری) کے زیارتِ قبور

کے حوالے سے چند اقتباسات ملاحظہ کریں :

وقال ابن حبيب لا بأس بزيارة القبور، والجلوس إليها، والسلام عليها عند المرور بها. وقد فعل ذلك رسول الله ﷺ. وسئل مالك عن زيارة القبور؟ فقال: قد كان نهى عنه ثم أذن فيه. فلو فعل ذلك إنسان و لم يقل إلا خيرًا لم أر بذلك بأسًا. (۱)

’’ابنِ حبیب نے کہا ہے کہ زیارتِ قبور کرنے، ان کے پاس بیٹھنے اور قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان پر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔ امام مالک سے زیارتِ قبور کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یقیناً اس عمل سے پہلے منع کیا گیا تھا پھر اس کی اجازت دیدی گئی اگر کوئی انسان یہ عمل کرے اور خیر کے سوا کچھ نہ کہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔‘‘

وفي التوضيح أيضاً: والأمة مجمعة على زيارة قبر نبيّنا ﷺ، وأبي بكر، وعمر رضی الله عنهما. وكان ابن عمر إذا قدم من سفر أتى قبره المكرم، فقال: السّلام عليك يا رسول الله! السّلام عليك يا أبا بكر! السّلام عليك يا أبتاه. (۲)

’’توضیح میں یہ بھی ہے کہ تمام امت کا حضور نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبور انور کی زیارت کرنے پر اتفاق ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب وہ سفر سے واپس لوٹتے تو سیدھے حضور ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوتے اور کہتے: یا رسول اللہ! آپ پر

(۱) عينى، عمدة القارى، ۸: ۷۰

(۲) عينى، عمدة القارى، ۸: ۷۰

سلام ہو، اے ابو بکر! آپ پر سلام ہو، اے ابا جان! (یعنی حضرت عمر) آپ پر سلام ہو۔"

ومعنى النهي عن زيارة القبور إنما كان في أوّل الإسلام عند قربهم بعبادة الأوثان، واتّخاذ القبور مساجد، فلما استحكم الإسلام، وقوي في قلوب الناس، وأمنت عبادة القبور، والصّلاة إليها، نسخ النهي عن زيارتها لأنها تذكّر الآخرة وتزهّد في الدّنيا.[1]

"زیارت قبور سے منع کرنے کا معنی یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کا بتوں کی عبادت اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے زمانہ سے قریب ہونے کی وجہ سے یہ ممانعت تھی، لیکن جب اسلام مستحکم ہوا اور لوگوں کے دلوں میں راسخ اور مضبوط ہوگیا اور قبروں کی عبادت اور ان کے لئے نماز کا خوف ختم ہوگیا تو پھر زیارتِ قبور کی ممانعت منسوخ ہوگئی کیونکہ دراصل زیارتِ قبور آخرت کی یاد دلاتی اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہے۔"

وعن طاؤوس: كانوا يستحبون أن لايتفرقوا عن الميت سبعة أيام، لأنهم يفتنون ويحاسبون في قبورهم سبعة أيام.[2]

"حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ائمہ و اسلاف اس عمل کو پسند کرتے تھے کہ میت کی قبر سے سات دنوں تک جدا نہ ہوا جائے (یعنی کم از کم سات دنوں تک وہاں فاتحہ وقرآن خوانی کا معمول جاری رکھا جائے) کیونکہ سات دنوں تک مردوں کی قبر میں آزمائش ہوتی اور ان کا حساب ہوتا ہے۔"

(۱) عینی، عمدۃ القاری، ۸: ۷۰

(۲) عینی، عمدۃ القاری، ۸: ۷۰

متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ نے فتاوی عزیزی میں نہ صرف یہ کہ زیارت قبور کو جائز قرار دیا ہے بلکہ زیارتِ قبور کے آداب اور اہلِ قبور سے استمداد کا طریقہ کار بھی بتایا ہے۔ اس حوالے سے ان کی عبارت ملاحظہ کریں:

سوال: ترکیب زیارت قبور؟

جواب: ہرگاہ کہ برائے زیارتِ قبرے از عوام مومنین برود اوّل پشت بقبلہ، رو بسینۂ میت نماید و سورۂ فاتحہ یکبار و اخلاص سہ بار و در وقت در آمدن بمقبرہ این الفاظ بگوید **السلام علیکم أهل الدیار من المؤمنین والمسلمین یغفر اللہ لنا ولکم وإنا إن شاء اللہ بکم للاحقون**. واگر قبر بزرگے از اولیاء وصلحا باشد روے بسوی سینہ آن بزرگ کردہ بنشیند وبست و یکبار بچہار ضرب **سُبُّوحٌ قُدُوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ** گوید و سورہ **اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ** سہ باربخواند و دل را از خطرات خلاص کردہ مقابل سینۂ آن بزرگ آرد، برکات روح دردل این زیارت کنندہ خواہند رسید۔[1]

سوال: زیارتِ قبور کا طریقہ (کیا ہے)؟

جواب: جو شخص بھی کسی عام مومن کی قبر پر چلا جائے تو قبلہ کی طرف پشت کر کے چہرہ میت کے سینے کی طرف کرے۔ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھے اور جب قبرستان میں داخل ہو تو یہ الفاظ کہے: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ**

---

(۱) شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزی، ۱: ۱۷۶

لَـلَاحِقُوْنَ۔ (اے مؤمنین و مسلمین گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری بخشش و مغفرت فرمائے۔ ہم بھی اِن شاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔) اگر وہ قبر اولیاء وصلحاء میں سے کسی بزرگ کی ہوتو اپنا چہرہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف کرے اور بیٹھ جائے اور ۲۱ مرتبہ چار ضربوں کے ساتھ ان اسماء مبارکہ کا ورد کرے سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ اور سورہ القدر تین بار پڑھے۔ اس بزرگ ہستی کے سامنے اپنے قلب کو وساوس وخطرات سے پاک کرے تو اس زیارت کرنے والے کے دل میں اس بزرگ ہستی کی روحانی برکات پہنچ جائیں گی۔‘‘

اس سے متصل ایک اور سوال ان سے دریافت کیا گیا کہ صاحبِ مزار کا کامل ہونے کا پتہ کس طرح معلوم ہوگا اور اگر صاحبِ مزار کامل ہوتو اس سے استمداد کا طریقہ بتائیں، تو انہوں نے وہ بھی بتایا۔ ذیل میں سوال جواب ملاحظہ کریں۔

سوال: برائے دریافت اینکه اهلِ قبر کامل ست یا نه ودر صورتیکه اهلِ قبر کامل باشد از واستمداد بچه صورت باید کرد؟

جواب: بعضے از أهل قبور مشہو بکمال اند و کمال ایشان متواتر شده طریق استمداد از ایشان آنست که جانب سر قبرِ او سوره بقر انگشت بر قبر نهاده تا مُفْلِحُوْنَ بخواند باز بطرف پائیں قبر بیاید و آمَنَ الرَّسُوْلُ تا اخر سوره بخواند و بزبان گوید اے حضرت من برائے فلان کار در جناب الٰہی التجا و دعا میکنیم شما نیز بدعا وشفاعت امداد من نمائید باز رو بقبله آرد و مطلوب خود را ز جناب باری خواهد وکسانیکه کمال اینان معلوم نیست ومشہور

ومتواتر نشده دریا فت کمال آنہا بہمان طریق است کہ بعد از فاتحہ و درود وذکر سُبُّوۡحٌ دل خود را مقابلہ سنیہ مقبور بدارد و اگر راحت و تسکین ونورے دریافت کنند بداند کہ این قبر اہل صلاح وکمال ست لاکن استمداد از مشہورین باید کرد۔[۱]

سوال: یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا صاحبِ مزار کامل ہے یانہیں اور اگر وہ کامل ہو تو اس صورت میں اس سے استمداد کس طرح کرنا چاہیے؟

جواب: بعض صاحبانِ مزار کا کامل ہونا مشہور ہوتا ہے او ان کا باکمال ہونا تسلسل کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ ایسے باکمال صاحب مزار ہستیوں سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کے سرہانے انگلی رکھ کر سورہ بقرہ کی تلاوت آغاز سے مفلحون تک کرے۔ پھر قبر یا پائنتی کی طرف آئے اور سورۂ بقرہ میں سے آمن الرسول سے لے کر آخر تک مکمل پڑھے، اور اپنی زبان سے یوں کہے: ''حضرت میں اپنی فلاں حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں آپ بھی بارگاہِ الٰہی میں اپنی دعا اور شفاعت سے میری امداد فرمائیں۔'' پھر اپنا رخ بطرفِ قبلہ کرے اور اپنا مطلوب خود بارگاہِ الٰہی سے طلب کرے۔ اور وہ صاحبِ مزار جن کے بارے میں کامل ہونا معلوم نہ ہو اور عوام میں ان کا کامل ہونا بھی معروف اور تواتر کے ساتھ نہ ہو تو ایسے لوگوں کا مقام و مرتبہ اس طریقہ کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ سورہ فاتحہ اور درود شریف پڑھ کر ''سبوحٌ'' کا ذکر کرے، اپنا دل اس صاحب مزار شخص کے سینہ کے سامنے کرے، اگر راحت و سکون پائے تو جان لے کہ یہ صاحبِ مزار کامل شخصیّت کا مالک ہے۔ لیکن (بہتر یہ ہے کہ) استمداد معروف صاحب کمال بزرگوں سے ہی کیا جائے۔''

---

(۱) شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیز، ۱: ۱۷۷

(۲) زیارتِ قبور پر شوافع کا مؤقف

علامہ محمد شربینی خطیب شافعی لکھتے ہیں:

ويندب زيارة القبور التي فيها المسلمون للرجال بالإجماع. وكانت زيارتها منهياً عنها ثم نسخت بقوله ﷺ: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها. يكره زيارتها للنساء لأنها مظنة للطلب ببكائهن ورفع أصواتهن، نعم يندب لهن زيارة قبر رسول الله ﷺ فإنها من أعظم القربات وينبغي أن يلحق بذلك بقية الأنبياء والصّالحين والشّهداء.(۱)

''جس قبرستان میں مسلمان مدفون ہوں اس کی زیارت کرنا مرد حضرات کے لئے بالاجماع مستحب ہے۔ پہلے زیارتِ قبور کی ممانعت تھی بعد ازاں یہ ممانعت اس حدیث مبارکہ سے منسوخ ہوگئی جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا اب ان کی زیارت کیا کرو۔'' عورتوں کے لیے زیارتِ قبور مکروہ ہے کیونکہ وہاں اُن سے رونا دھونا اور آوازوں کو بلند کرنا متوقع ہوتا ہے البتہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کرنا ان کے لئے مندوب ہے کیونکہ یہ سب سے بڑی قربت (عبادت) ہے، یہ بھی جائز ہے کہ اس حکمِ زیارت میں دیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین اور شہداء عظام کی زیارات کو بھی شامل کرلیا جائے۔''

امام نووی شافعی لکھتے ہیں:

يستحب للرجال زيارة القبور. وهل يكره للنساء؟ وجهان

(۱) شربيني، الاقناع، ۱: ۲۰۸

أحدهما، وبه قطع الأكثرون يكره. والثاني وهو الأصح عند الروياني لا يكره إذا أمنت من الفتنة.[1]

’’مردوں کے لئے قبروں کی زیارت مستحب عمل ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ اس میں دو مؤقف ہیں: ایک مؤقف جس میں جمہور علماء ہیں کہ عورتوں کیلئے مکروہ ہے اور دوسرا مؤقف جو رویانی کے نزدیک صحیح ترین ہے وہ یہ کہ جب فتنہ سے تحفظ ہو تو مکروہ نہیں۔‘‘

(۳) مالکیہ کا مؤقف

مالکیہ بھی مطلق زیارت کو مندوب و مستحسن گردانتے ہیں۔

علامہ دردیر شرح الکبیر میں لکھتے ہیں:

و جاز زيارة القبور بل هي مندوبة بلا حد بيوم أو وقت أو في مقدار ما يمكث عندها.[2]

’’زیارتِ قبور جائز بلکہ مندوب ہے وقت کا تعین کیے بغیر کہ کب اور کس وقت زیارت کے لیے جایا جائے اور قبروں کے پاس کتنی دیر ٹھہرا جائے۔‘‘

(۴) حنابلہ کا مؤقف

فقہ حنبلی کے مشہور امام ابنِ قدامہ مقدسی نے زیارتِ قبور پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، الکافی میں وہ لکھتے ہیں:

و يستحبّ للرّجال زيارة القبور لأن النّبيّ ﷺ قال كنت نهيتكم

(۱) نووی، روضة الطالبين، ۲: ۱۳۹

(۲) دردیر، الشرح الكبير، ۱: ۴۲۲

عن زيارة القبور فزوروها فإنها تذكّركم الموت.[1]

''مردوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا پس اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہے۔''

کتاب المغنی میں وہ لکھتے ہیں:

لا نعلم بين أهل العلم خلافاً في إباحة زيارة الرجل القبور. وقال علي بن سعيد: سألت أحمد عن زيارة القبور تركها أفضل عندك أو زيارتها؟ قال: زيارتها. وقد صحّ عن النّبيّ ﷺ أنه قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تذكّركم الموت. رواه مسلم والترمذي بلفظ: فإنها تذكّر الآخرة. [2]

''ہم نہیں جانتے کہ اہلِ علم کا مردوں کی زیارت قبور میں کوئی اختلاف ہو۔ علی بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے زیارتِ قبور کا مسئلہ پوچھا کہ آپ کے نزدیک زیارت کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا؟ انہوں نے فرمایا: قبروں کی زیارت کرنا بہتر ہے اور یہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت کی یاد دلاتی ہے۔'' اسے امام مسلم نے روایت کیا اور امام ترمذی نے **فإنها تذكر الآخرة** کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔''

عورتوں کے مسئلہ زیارتِ قبور کو انہوں نے یوں بیان کیا ہے:

(۱) ابن قدامة، الكافي في فقه أحمد بن حنبل، ۱: ۲۷۴

(۲) ابن قدامة، المغني، ۲: ۲۲۳

اختلف الرواية عن أحمد في زيارة النساء القبور: فروي عنه كراهتها لما روت أم عطية قالت نهينا عن زيارة القبور ولم يعزم علينا. رواه مسلم.(۱)

''امام احمد بن حنبلؒ سے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کے حوالے سے دو مختلف روایتیں مروی ہیں ان میں سے ایک کراہت کے بارے میں ہے: حضرت امِ عطیہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں قبروں کی زیارت سے منع فرمایا لیکن ہم پر سختی نہیں کی جاتی تھی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔''

والرواية الثانية: لا يكره، لعموم قوله عليه السّلام: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها. وهذا يدلّ على سبق النهي ونسخه، فيدخل في عمومه الرّجال والنّساء.(۲)

''دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی عمومی ہے: ''میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا اب ان کی زیارت کیا کرو'' یہ ارشاد سابقہ ممانعت اور اس کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے پس اس عموم میں مرد و زَن دونوں شامل ہوگئے۔''

۴۔ زیارتِ قبور سے متعلق چند قباحتیں

گزشتہ صفحات میں ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں زیارتِ قبور کی شرعی حیثیت کو بیان کیا، جمہور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ زیارتِ قبور ایک مستحسن اور مندوب عمل ہے۔ ائمہ متقدمین و متآخرین کا زیارتِ قبور کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

---

(۱) ابن قدامة، المغنی، ۲:۲۲۶

(۲) ابن قدامة، المغنی، ۲:۲۲۶

مشروعیت کے ان دلائل کے ساتھ ساتھ مزاراتِ اولیاء اور زیاراتِ قبور سے متعلق چند قباحتوں کی نشاندہی بھی ضروری ہے۔ ان قباحتوں اور غیر شرعی امور کی کسی قدر تفصیل ہماری کتاب ''عقائد میں احتیاط کے تقاضے'' میں آ چکی ہے۔ تاہم یہاں اس کا خلاصہ زیر بحث موضوع کے لئے ضروری ہے۔

(۱) قبور کی زیارت کا پہلا مقصد تو عبرت، خشیت، تذکیرِ آخرت اور استحضارِ موت ہے۔ اسکے ساتھ صاحبِ مزار اگر نیک متقی اور فیض رساں شخصیت ہے تو زائر کو فیوض و برکاتِ باطنی بھی ملتی ہیں جیسا کہ اوپر بزرگانِ دین کے معمولات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ فی زمانہ زائرین کی اکثریت مقصد اولیٰ یعنی خشیت کو پسِ پشت ڈال چکی ہے۔ قبر کو دیکھ کر فکرِ آخرت پیدا نہ ہو، موت کی تیاری میں مدد نہ ملے اور سیرت و کردار پر مثبت اثرات مرتب نہ ہوں تو نہ فیض حاصل ہوا اور نہ خشیت کا مقصد پورا ہوا۔ روحانی فیض ایک باطنی کیفیت ہے جس کے واضح اثرات شخصیت پر نظر آتے ہیں۔ یہ اثرات نظر نہ آئیں، دل میں تقویٰ اور اپنی بے بضاعتی کا احساس جنم نہ لے تو زیارتِ قبور محض ایک مشقت بھری رسم رہ جاتی ہے۔

(۲) اسی طرح زائرین اگر فرائض کو ترک کر کے مستحبات پر زور دیں اور نوافل کو فرائض پر فوقیت دیں تو اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ اور صاحبِ مزار کوئی بھی خوش نہیں ہوں گے۔ ایسے زائرین حصول فیض کی بجائے معصیت کیشی کے مجرم ہوں گے۔ مثلاً مزار پر فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو اور لوگ فاتحہ خوانی میں مصروف ہوں۔ نماز کا وقت نکل رہا ہو اور زائرین مزار پر پھول چڑھا رہے ہوں۔

(۳) علاوہ ازیں بعض مزارات پر عام دنوں میں بالعموم اور اعراس کے مواقع پر بالخصوص ناچ گانے بھنگڑے دھمال اور دیگر خرافات کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے۔ اس قسم کی تقاریب اگرچہ علاقائی ثقافت کی علامات بھی بن چکی ہیں لیکن بزرگانِ دین کے ساتھ ان خرافات کو منسوب کرنا بذاتِ خود اپنی ثقافت کے برعکس ہے۔ ان اعمالِ غیر

شرعیہ کا ارتکاب قطعاً ناجائز اور نامناسب ہے۔ تعلیمات تصوف و طریقت کی کھلی مخالفت کا موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی۔ اس لئے جہاں تک ہاتھ پہنچے ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر حکومت اور انتظامیہ سے ہو سکے تو بزورِ طاقت و قانون ان حرکات کی ممانعت ہونی چاہیے۔

(۴) مزاراتِ مقدسہ پر بعض دیگر قباحتیں بھی ایک عرصے سے جڑ پکڑ چکی ہیں جن سے اگر شرک نہیں تو اشتباہِ شرک ضرور ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کو بدگمانی کا موقع ملتا ہے اس سے کفر اور شرک کے دروازے کھلتے ہیں اور انسان ثواب کماتے کماتے عذاب کا مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ ان غیر شرعی امور میں نوراتیں ماننا، منتیں مان کر کپڑوں وغیرہ میں گرہیں لگانا، مزار کا طواف کرنا اور وہاں سجدہ کا ارتکاب کرنا بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

(۵) ان سب سے بڑھ کر بعض مزارات اور قبرستانوں میں مجاور براجمان ہوتے ہیں وہ چونکہ خود غلیظ ہوتے ہیں اس لئے اہلِ ایمان کی قبروں کی حرمت کے تقاضوں سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان شیطان صفت لوگوں میں کئی پیشہ ور مجرم بھی ہوتے ہیں جو روپ بدل کر ایسے مقامات کو ناجائز کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ مزارات کے ماحول میں گندگی پھیلاتے، خود نشہ کرتے، چرس افیون اور سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔ کئی تو زائرین کو بھی دعوتِ گناہ دیتے ہیں اور بعض بھولے مانس اسے ''خصوصی فیض'' سمجھ کر ان کی دعوت کو قبول بھی کر لیتے ہیں۔ یہاں سے برائی کی رغبت اور تبلیغِ شر کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی لوگ عام طور پر بردہ فروشی، عصمت فروشی اور اغوا برائے تاوان جیسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ اس لئے حتی المقدور ایسے عناصر سے بھی مزارات کے ماحول کو پاک صاف رکھنا اہلِ ایمان کا اولین فریضہ ہے۔

(۶) کئی چھوٹے بڑے مزارات کے احاطے جہاں عوام الناس کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے وہاں آئے روز جرائم بھی ہوتے اور اخبارات کے خصوصی فیچرز کی

زینت بنتے ہیں۔ ان خبروں کو پڑھنے سننے والے یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ یہ مراکز (معاذ اللہ) شاید انہی برائیوں کا مرکز ہیں حالانکہ اس طرح کے چند بدقماش اور بد اندیش لوگ اپنی رذالتِ طبع کا مظاہرہ کرتے ہیں ورنہ بہت سے زائرین حسنِ مقصد لے کر آتے ہیں اور بامراد واپس جاتے ہیں۔

(۷) اسی طرح ان مزارات پر بعض بے سہارا عورتیں حالات و زمانہ کی تنگی کا شکار ہو کر پناہ لینے آتی ہیں مگر یہاں پر موجود کچھ چالاک اور بدکردار خواتین انہیں اپنے دام فریب میں پھنسا لیتی ہیں جس کے بعد وہ مجبور و بے بس عورتیں خود برائی اور معصیت کا نشان بن جاتی ہیں۔ ایسے حساس معاملات پر حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو توجہ دینی چاہیے۔ کڑی نگرانی ہو اور ایسے نوسر بازوں کو احاطۂ دربار میں آنے سے روک دیا جائے تو اس طرح کے جرائم کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتے۔

(۸) اختلاطِ مرد و زن بھی ایک بڑی قباحت ہے اور یہ عام طور پر وہاں دیکھنے میں آتا ہے جہاں ماحول حکومتی اوقاف کے زیرِ اہتمام ہوتا ہے، اسی اختلاط میں مضمر برائیوں کی وجہ سے بعض فقہاء نے عورتوں کا مزارات پر جانا مطلقاً ناجائز قرار دے دیا ہے۔ الغرض ایسی تمام بے احتیاطیاں جو بعد ازاں برائیوں کا پیش خیمہ بن جائیں ان کا سختی سے قلع قمع ہونا چاہیے تاکہ لوگ جواز سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر گناہ کے مرتکب نہ ہوتے پھریں۔ خواتین کی زیارتِ مزار سے متعلق چند تفصیلات ذیل میں الگ آ رہی ہے۔

۵۔ عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

جس طرح مردوں کو تذکیرِ آخرت کے لئے زیارتِ قبور کا حکم ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی بعض شرائط کے ساتھ زیارتِ قبور جائز ہے۔ عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا جواز احادیثِ نبوی ﷺ اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے احوال سے بھی ثابت ہے۔ تاہم بعض ائمہ دین نے عورتوں کو مزارات پر جانے سے منع فرمایا ہے ہم ان دونوں پہلوؤں پر باری باری تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

(۱) عورتوں کی زیارتِ قبور کے جواز پر احادیث اور آثار

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِامْرَأَةٍ تَبْكِيْ عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: اتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي. قَالَتْ: إِلَيْكَ عَنِّي، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِي، وَ لَمْ تَعْرِفْهُ، فَقِيْلَ لَهَا: إِنَّهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِيْنَ، فَقَالَتْ: لَمْ أَعْرِفْكَ، فَقَالَ: إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس زار و قطار رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔ اس عورت نے (شدتِ غم اور عدمِ تعارف کی وجہ سے) کہا: آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ آپ کو مجھ جیسی مصیبت نہیں پہنچی۔ وہ خاتون آپ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی۔ کسی نے اسے بتایا کہ یہ تو نبی ﷺ ہیں۔ وہ عورت (اپنی اس بات کی معذرت کرنے کیلئے) آپ ﷺ کے درِ اَقدس پر حاضر ہوئی۔ اس نے خدمت میں حاضری کی اجازت لینے کیلئے دربان نہیں پایا (تو باہر سے کھڑے ہوکر) عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ اس کی اس معذرت طلبی پر آپ ﷺ نے فرمایا: صدمے کے موقع پر ہی صبر ہوتا ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس عورت کو قبر پر آنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ رونے سے منع فرمایا۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الجنائز، باب زيارة القبور، ۱: ۴۳۱، رقم: ۱۲۲۳

۲۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۱۰: ۱۰۱، رقم: ۲۰۰۴۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۳، رقم: ۱۲۴۸۰

اگر عورتوں کو مطلقاً زیارتِ قبور کی ممانعت ہوتی تو آپ ﷺ اس عورت کو قبور پر آنے سے منع فرما دیتے۔

مذکورہ حدیث کی شرح میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے:

واختلف في النّساء، فقيل: دخلن في عموم الإذن، وهو قول الأكثر، و محله ما إذا أمنت الفتنة. ويؤيّد الجواز حديث الباب، وموضع الدلالة منه أنه ﷺ لم ينكر على المرأة قعودها عند القبر وتقريره حجة.(۱)

''خواتین کے زیارتِ قبور کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ عورتیں بھی عمومِ اجازت میں شامل ہیں، یہ جمہور ائمہ کا قول ہے لیکن اس کا اطلاق تب ہے جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اس کی تائید امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب کے عنوان (باب زیارة القبور) سے ہو رہی ہے۔ اور استدلال اس طرح ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس خاتون کو قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہ فرمایا، یہ شرعی اُصول ہے کہ کسی عمل پر آپ ﷺ کی خاموشی بھی جواز کی دلیل ہے۔''

۲۔ حضرت عبد اللہ بن اُبی ملیکہ بیان کرتے ہیں:

أن عائشة أقبلت ذات يوم من المقابر، فقلت لها: يا أم المؤمنين من أين أقبلت؟ قالت، من قبر أخي عبد الرحمن بن أبي بكر، فقلت لها: أليس كان رسول الله ﷺ نهى عن زيارة القبور؟ قالت: نعم، كان نهى ثم أمر بزيارتها.(۲)

(۱) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۳: ۱۴۸

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۳۲، رقم: ۱۳۹۲

’’ایک دن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے واپس تشریف لا رہی تھیں میں نے اُن سے عرض کیا: ام المؤمنین! آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟ فرمایا: اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی قبر سے، میں نے عرض کیا: کیا حضور نبی اکرم ﷺ نے زیارتِ قبور سے منع نہیں فرمایا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! پہلے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔‘‘

۳۔ امام جعفر صادق اپنے والد گرامی امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

كانت فاطمة بنت رسول الله ﷺ تزور قبر حمزة كل جمعة.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضری دیتی تھیں۔‘‘

(۲) عورتوں کی زیارتِ قبور کے جواز و عدمِ جواز پر ائمہ کی آراء

بعض ائمہ کرام حضور نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان مبارک سے عورتوں کی زیارتِ قبور پر مطلقاً عدمِ جواز ثابت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَعَنَ زَوَّارَتِ الْقُبُوْرِ. قَالَ وَفِي الباب: عن ابن عباس، وحسان بن ثابت. قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيح. وقد رأى بعض أهل العلم، أن هذا كان قبل أن يرّخص النّبيّ ﷺ في زيارة القبور، فلما رخّص دخل في رخصته الرّجال

------ ۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۷۸، رقم: ۶۹۹۹

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۳: ۵۷۰، رقم: ۶۷۱۱

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۳: ۵۷۲، رقم: ۶۷۱۳

والنّساء، وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور للنّساء، لقلة صبرهن و كثرة جزعهن.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے (کثرت سے) قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ اس باب میں حضرت ابنِ عباس اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنهما سے بھی روایات مذکور ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ حکم اس وقت تھا جب حضور نبی اکرم ﷺ نے زیارتِ قبور کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب آپ ﷺ نے اجازت فرما دی تو یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: عورتوں کی زیارتِ قبور کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ان میں صبر کم اور رونا دھونا زیادہ ہوتا ہے۔‘‘

شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے شرح صحیح بخاری میں حدیثِ ترمذی کا ذکر کر کے لکھا ہے:

قال القرطبي: هذا اللّعن إنما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصفة من المبالغة، ولعل السبب ما يفضي إليه ذلك من تضييع حق الزوج، والتبرج، وما ينشأ منهن من الصّياح ونحو ذلك. فقد يقال: إذا أمن جميع ذلك فلا مانع من الإذن، لأن تذكر الموت يحتاج إليه الرّجال والنّساء.(۲)

’’قرطبی نے کہا: یہ لعنت کثرت سے زیارت کرنے والیوں کے لئے ہے جیسا کہ

(۱) ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور النساء، ۳: ۳۷۱، رقم: ۱۰۵۶

(۲) ابن حجر عسقلاني، فتح الباری، ۳: ۱۴۹

صفت مبالغہ کا تقاضا ہے (یعنی زَوَّارات مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں کثرت سے زیارت کرنے کا معنی پایا جاتا ہے) اور شاید اس کی وجہ سے یہ ہو کہ (بار بار) اس طرح کرنے سے شوہر کے حق کا ضیاع، زینت کا اظہار اور بوقتِ زیارت چیخ و پکار اور اس طرح دیگر ناپسندیدہ اُمور کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔ پس اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب اس تمام ناپسندیدہ اُمور سے اجتناب ہوجائے تو پھر رخصت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مرد اور عورتیں دونوں موت کی یاد کی محتاج ہیں۔‘‘

اسی بات کو شارحِ ترمذی علامہ عبدالرحمان مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) نے ’’تحفۃ الأحوذی (۴: ۱۳۶)‘‘ میں نقل کیا ہے۔

تمام شارحینِ حدیث اور فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حصولِ عبرت اور تذکیرِ آخرت کے لئے زیارتِ قبور میں عموم ہے یعنی جس طرح ممانعت عام تھی اسی طرح جب رخصت ملی تو وہ بھی عام ہے۔ عورتیں چونکہ بے صبر ہوتی ہیں اگر اپنے کسی قریبی عزیز کی قبر پر جا کر اس طرح نوحہ کریں جس سے شریعت نے منع کیا ہے یا قبرستان میں ان کا جانا باعثِ فتنہ اور بے پردگی و بے حیائی کا باعث ہو، محرم ساتھ نہ ہو یا ایسا اجتماع ہو جہاں اختلاطِ مرد و زن ہو تو اس صورت میں عورتوں کا زیارتِ قبور کے لئے جانا بلا شبہ ممنوع ہے، اور اگر محرم کے ساتھ باپردہ قبرستان جائے وہاں جا کر دعا کرے، تذکیرِ آخرت سامنے ہو تو پھر رخصت ہے۔ جمہور احناف کے نزدیک رخصتِ زیارت مرد و زن دونوں کے لئے ہے۔

۱۔ علامہ ابنِ نجیم حنفی (۹۲۶۔۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وقيل تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لهما.(۱)

’’یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیارتِ قبر عورتوں کے لئے حرام ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ زیارتِ قبور کی اجازت مرد و زن دونوں کے لئے یکساں ہے۔‘‘

---

(۱) ابن نجیم، البحر الرائق، ۲: ۲۱۰

۲۔ علامہ ابنِ عابدین شامی حنفی نے لکھا ہے:

أمّا علی الاصحّ من مذهبنا وهو قول الکرخي وغیره، من أن الرخصة فی زیارة القبور ثابتة للرّجال والنّساء جمیعًا، فلا إشکال.(۱)

''احناف کے نزدیک صحیح قول امام کرخی وغیرہ کا ہے وہ یہ کہ زیارتِ قبور کی اجازت مرد و زن دونوں کے لئے ثابت ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔''

۳۔ علامہ شرنبلالی (م ۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں:

نُدِبَ زِيَارَتُهَا لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ عَلَى الْأَصَح.(۲)

''صحیح روایت کے مطابق زیارتِ قبور مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں طور پر مندوب ہے۔''

۴۔ علامہ طحطاوی (م ۱۲۳۱ھ) مراقی الفلاح کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفي السراج: وأمّا النّساء إذا أردن زیارة القبور إن کان ذلك لتجدید الحزن، والبکاء، والندب کما جرت به عادتهن فلا تجوز لهن الزیارة، وعلیه یحمل الحدیث الصحیح "لعن الله زائرات القبور". وإن کان للاعتبار، والتّرحّم، والتّبرّك بزیارة قبور الصّالحین من غیر ما یخالف الشّرع فلا بأس به، إذا کنّ عجائز. وکره ذلك للشّابات، کحضورهن في المساجد للجماعات. وحاصله أن محل الرخص لهن إذا کانت الزیارة

(۱) ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، ۲: ۶۲۶

(۲) شرنبلالی، نور الإیضاح، فصل فی زیارة القبور

علی وجه لیس فیه فتنة. والأصحّ أن الرّخصة ثابتة للرّجال والنّساء لأن السّیدة فاطمة رضی اللہ عنہا **کانت تزور قبر حمزة کل جمعة وکانت عائشة** رضی اللہ عنہا **تزور قبر أخیها عبد الرحمن بمکة، کذا ذکره البدر العیني في شرح البخاري.**[1]

’’سراج میں لکھا ہے: عورتیں جب زیارتِ قبور کا ارادہ کریں اور اس سے ان کا مقصد اگر آہ و بکا کرنا ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے تو اس صورت میں ان کے لئے زیارت کے لئے جانا جائز نہیں، ایسی صورت پر اس صحیح حدیث مبارکہ کہ ’’اللہ تعالیٰ زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرماتا ہے‘‘، کا اطلاق ہو گا۔ لیکن اگر زیارت سے خواتین کا مقصد عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور قبورِ صالحین سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طلب اور حصولِ برکت ہو جس سے شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو تو اس صورت میں زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ خواتین بوڑھی ہوں، نوجوان عورتوں کا (بے پردہ) زیارت کے لئے جانا مکروہ ہے جیسا کہ ان کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کے لئے آنا مکروہ ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کی رخصت تب ہے جب اس طریقہ سے زیارتِ قبور کو جائیں کہ جس میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت مرد و زن دونوں کے لئے ثابت ہے کیونکہ (حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی) سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی مکہ میں زیارت کرتی تھیں۔ یہی بات علامہ بدرالدین عینیؒ نے شرح صحیح بخاری (عمدۃ القاری) میں لکھی ہے۔‘‘

(۱) طحطاوی، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح: ۳۴۰۔۳۴۱

(۳) عورتوں کی زیارتِ قبور میں احتیاط کے پہلو

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ عورتوں کا زیارتِ قبور کے لیے جانا اگر آخرت کی یاد دہانی، حصولِ عبرت، نصیحت اور زہد کے لیے ہو تو جائز ہے لیکن اگر ان کا جانا فتنہ اور بے حیائی کا باعث ہو اور شرعی حدود و قیود کا ارتفاع ہو تو پھر ممنوع ہے۔ ان وجوہات ہی کے باعث ہمارے بہت سے اکابر جن میں امام الھند اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ بھی شامل ہیں، نے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کو جانا حرام قرار دیا ہے۔

ارشاداتِ نبوی ﷺ اور شارحینِ حدیث و ائمہ فقہ کی آراء کی روشنی میں جمہور کا مؤقف یہی ہے کہ عورتوں کا زیارتِ قبور کے لئے جانا بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے مثلاً:

۱۔ اس زیارت کا مقصد تذکیرِ موت و آخرت ہو۔

۲۔ اس زیارت کا مقصد اپنے عزیز رشتہ دار اور عام مومنین مردوں کو دعا و فاتحہ سے فائدہ پہنچانا ہو۔

۳۔ مقابر اور درباروں پر عورتوں کے لیے باپردہ الگ سے زیارت کرنے کا اہتمام ہو، اختلاطِ مرد و زن نہ ہو۔

۴۔ فتنہ اور بے حیائی سے تحفظ ہو۔

۵۔ عورتیں وہاں جا کر جزع و فزع کر کے غم تازہ نہ کریں۔

۶۔ کثرت سے زیارت کرنے والی نہ ہوں یعنی اسے روزانہ کا معمول نہ بنالیں۔ جبکہ:

(۱) درِ رسول ﷺ کی حاضری مرد و زن سب کے لیے باعثِ اجر ہے۔ اس پر جمہور ائمہ کا اتفاق ہے۔

(۲) اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیھم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت بھی مندوب ہے۔

خلاصۂ بحث

زیارتِ قبور کی مکمل بحث کو درج ذیل امور کے تحت سمیٹا جا سکتا ہے:

۱۔ زیارتِ رسول ﷺ اور زیارتِ صالحین ہر گز بھی توحید کے منافی اور شرک میں داخل نہیں ہے۔

۲۔ حیاتِ مبارکہ میں اور بعد از وصال حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اکابر ائمہ اور جمیع امت کا معمول رہا ہے۔

۳۔ اولیاء اور صالحین کی زیارت و ملاقات پر قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ سے ترغیب ملتی ہے اور اہلِ خیر کے ہاں یہ ایک محبوب عمل ہے۔

۴۔ اولیاء اور صالحین کے مزارات پر جانا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت، اکابرینِ امت کا طریق اور عوام الناس کا مقبول عمل رہا ہے۔

۵۔ عامۃ المسلمین کی قبور کی زیارت کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کے متعدد اِرشاداتِ عالیہ سے ثابت ہے اور یہ آپ ﷺ کا مسنون عمل بھی ہے۔

قرآن و سنت پر مشتمل درجِ بالا تمام تحقیقی بحث کو مدّنظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ انور، اولیاء وصالحین کی زندگی میں اور بعد از وصال ان کے مزارات پر جائز طریقوں کے ساتھ حاضری دینا قطعاً شرک نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور قرب کا باعث ہے۔ لہٰذا ہمیں ان شرعی اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے جن کے تحت جائز ناجائز اور حلال حرام میں حدِ فاصل رکھی گئی ہے۔

باب ہفتم

عقائد میں حزم و احتیاط کے چند اہم پہلو

۱۔ اعتدال و توازن: اہلِ حق کا امتیاز ہے

۲۔ صیغۂ خطاب کے ساتھ صلوٰۃ و سلام شرک نہیں

۳۔ تصوف اور اسلام

۴۔ مزاراتِ اولیاء کی زیارت اور حاضری کے صحیح آداب

۵۔ ضعفِ اعتقاد پر مبنی رسوم سے اجتناب کی ضرورت

۱۔ اعتدال و توازن: اہلِ حق کا امتیاز ہے

اُمتِ مسلمہ میں باہمی مذہبی اور اعتقادی اختلاف، بے اعتدالی کے باعث پیدا ہوا۔ ایک طرف بندگانِ خدا اور مقبولانِ بارگاہ کی محبت و عقیدت میں بربنائے جہالت غلو اس حد تک بڑھا کہ بات افراط تک جا پہنچی اور دوسری طرف ردِعمل میں تخفیف و تنقیص کے باعث معاملہ تفریط تک پہنچ گیا۔ افراط نے جہاں خرافات و بدعات کا دروازہ کھولا وہاں تفریط گستاخی و اہانت کا رنگ اختیار کر گئی۔ پس محبتوں اور عقیدتوں کی حدود اور ان کے مراتب و مدارج کا تعین کرنا لازمی و لابدی امر ہے۔ اہلِ حق ہمیشہ سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے لے کر اولیائے عظام تک فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھتے چلے آئے ہیں لہٰذا افرادِ ملت کے درمیان توازن و اعتدال قائم رکھنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔

اسی اعتدال و توازن کی بناء پر امتِ مسلمہ کو ''امتِ وسط'' کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا. (۱)

''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا۔''

امتِ مسلمہ کو امتِ وسط کے خطاب سے اس لئے نوازا گیا کہ وہ حدِ افراط کو نہیں پھلانگتی اور یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار و مشرکین کی طرح ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کو نہیں پوجتی، انبیاء کو خدا نہیں مانتی اور نہ ہی ان کی طرح انتہائی تفریط کا شکار ہوتے ہوئے انبیاء اور اولیاء کو قتل کرتی اور ہتک آمیز سلوک کرتی ہے۔ یہی بنیادی فلسفہ ''امتِ وسط'' کے عنوان میں کارفرما ہے۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

یہ بات ذہن میں رہے کہ اعتدال و توازن کی روش پر قائم رہنا زندگی کے دائرہ کار میں صرف ایک دو شعبوں تک موقوف نہیں بلکہ اس کا تعلق ہر شعبۂ حیات اور زندگی کے ہر پہلو کے ساتھ ہے۔ اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مطلقاً ارشاد فرمایا:

خَيْرُ الْأَعْمَالِ أَوْسَطُهَا.(۱)

’’اعمال میں میانہ روی اختیار کرنا سب سے بہترین عمل ہے۔‘‘

لہٰذا عقائد میں بھی اسی اعتدال و توازن کی کیفیت برقرار رکھنا ضروری ہے اور یہ ہمیشہ سے اہلِ حق کا امتیاز رہا ہے۔ ہر زمانے میں اہلِ حق انبیائے کرام، اولیائے عظام اور خصوصاً امتِ مسلمہ میں مجددین و مصلحین عقائد میں بے اعتدالی کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت کرتے رہیں گے۔ زیرِنظر باب میں عقیدۂ توحید کے افراط و تفریط پر مبنی مختلف پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہوئے انہیں اعتدال و توازن میں لانے کی سعی کی جائے گی۔

تین اعتقادی گروہوں کی موجودگی

عدمِ توازن اور بے اعتدالی سے جہاں بہت سی الجھنیں اور شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں وہاں طبقاتی تقسیم اور اعتقادی تفریق بھی ایک فطری امر بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ تین گروہ موجود رہے ہیں:

۱۔ مفرطین ۲۔ مقصّرین ۳۔ معتدلین

پہلا گروہ...... مفرطین

یہ وہ گروہ ہے جس نے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی عقیدت و احترام میں غلو اور افراط کی روش اپنا لی اور حد سے بڑھ گئے۔ اس گروہ کے افراد کا یہ شیوہ رہا کہ فرقِ مراتب کو

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الإيمان، ۳: ۴۰۲، رقم: ۳۸۸۷

۲۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۱۲، رقم: ۳۰۳۶

ملحوظ رکھے بغیر اپنی خواہش سے خود ہی درجات و مراتب مقرر کر لئے اور جہالت کی بنا پر کسی کو مقام اُلوہیت پر فائز کر دیا اور بعض اولیاء اللہ کو مقامِ نبوت تک لے گئے اور انہیں معصوم عن الخطاء کے زمرے میں شریک کر دیا۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ اِس سلسلے میں ہمارے سامنے ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○(۱)

’’کسی بشر کو یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو یہ کہے گا) تم اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے بھی ہو۔‘‘

اہلِ کتاب نے اپنے احبار و رُھبان کو وہ حقوق دیئے جو صرف اللہ و رسول کے لئے خاص تھے اِن کی یہ گمراہی اِس طرح ظاہر کی گئی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○(۲)

’’انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ

(۱) آل عمران، ۳: ۷۹

(۲) التوبۃ، ۹: ۳۱

ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔‘‘

تحلیل وتحریم اللہ کا وہ حق ہے جو انبیاء و رُسل کو بھی اُس کی اجازت سے ملتا ہے انبیاء و رسلِ عظام جس شے کو بھی حلال یا حرام قرار دیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے مظہر اور نمائندے ہونے کے ناطے اسی کی منشاء کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ کسی غیر نبی کو یہ حق دینے کے معنی یہی ہوئے کہ اُسے اللہ و رسول کے حق میں شریک کر لیا گیا۔ نصاریٰ اس غلو کی علامت بن کر راہِ حق سے بھٹک گئے تھے۔ تمام اہلِ حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ شرفِ عصمت صرف انبیائے کرام علیھم السلام کو حاصل ہے۔ انبیائے کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے لہٰذا فقہاء ومحدثین کے اقوال اور اولیاء وصلحاء کے ملفوظات اور افعال کو خطا سے پاک اور مبرا تصور کرنا قطعاً درست نہیں۔ ان کی ہر بات کو قطعی اور حجت ماننا اور ان کے اقوال کے ہوتے ہوئے قرآن وسنت سے استنباط و استدلال کو ممنوع قرار دینا ایسا طرزِ عمل ہے جس کے ڈانڈے یہود ونصاریٰ کے عالموں کے ساتھ جا ملتے ہیں۔

احبار و رُھبان جس چیز کو حلال قرار دیتے ان کے پیروکار اُسے حلال سمجھتے اور جس چیز کو وہ حرام قرار دیتے اُسے حرام سمجھتے تھے۔ اِس لئے اِس طرزِ عمل کی اصلاح کی جانی چاہیے۔ کیونکہ جس طرح کسی انسان کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرنا اُسے رب بنانے کے مترادف ہے اسی طرح کسی انسان کے قول وعمل کو قرآن وسنت کی طرح قابلِ حجت سمجھ کر اس پر حلال وحرام کے احکام لاگو کرنا بھی اسے رب بنانے کے مترادف ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔

دوسرا گروہ ......مقصّرین

یہ وہ گروہ ہے جو عدمِ توازن اور انتہا پسندی کے دوسرے کنارے پر رہتا ہے۔ یہ طبقہ نہ تو اللہ و رسول ﷺ کی محبت وعظمت کا حق بجا لاتا ہے اور نہ بندگانِ خدا کے احترام وعقیدت کا پاس و لحاظ کرتا ہے۔ تقصیر وتفریط اِس طبقہ کا شعار ہے۔ یہودی اِس تقصیر

میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ یہ وہ طبقہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں یَدُاللهِ مَغْلُوْلَةٌ جیسے گستاخانہ جملے کہے اور انبیاء و رُسل عظام علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کیں۔

اُمتِ مسلمہ میں جس طرح افراط اور غلو کی بیماری روافض میں پائی جاتی ہے اِسی طرح تفریط و تنقیص کی بیماری میں خوارج و نواصب بھی مبتلا ہیں۔ بعد میں افراط و تفریط کی شاخیں نکلنے سے تنقیص و تقصیر کی مختلف شکلیں سامنے آتی گئیں۔ موجودہ دور میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کو منصبِ نبوت و رسالت سے نیچے اُتار کر محض ایک مصلح اور قومی رہنما کی سطح پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو حضور ﷺ کی معجزانہ شان و کمالات اور عظیم خصائص و مقامات کا انکار اور مثلیت پر اصرار کر کے آپ ﷺ کو عام انسان کی طرح دیکھتے ہیں یا حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور قدر و منزلت اور محبت و مودّت کے آداب اور مظاہر کو شخصیت پرستی سے تعبیر کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ اور اولیاء و صالحین کے توسل و شفاعت کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ یہ گروہ اسلام کے روحانی آثار و روایات اور سلف صالحین کے اطوار و تعلیمات کو خرافات قرار دیتا ہے۔

یہ خود راہ گم کردہ لوگ صوفیاء عظام اور ائمہ و فقہاءِ امت کو العیاذ باللہ بدعتی یا سازشی گروہ قرار دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو تفریط اور تقصیر کے انتہائی خطرناک کنارے پر پہنچ کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت سخت گیر، غیر لچک دار اور منہ زور رویوں کی حامل ہے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر شرک و بدعت کے فتووں کی بوچھاڑ ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ اسلام کی تعلیماتِ محبت و حکمت کے برعکس وہ جہاد کے لبادے میں دنیا بھر میں قتل و غارت گری کو اپنا شعار بنائے بیٹھے ہیں اور (اِلَّا مَا شَاءَ اللهُ) فی زمانہ ان کی اکثریت کے اسی مجموعی تاثر کی وجہ سے دشمنانِ اسلام پوری اسلامی دنیا کو ''دہشت گرد'' ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ صاحبانِ فہم و بصیرت جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں اسلام کو اس بے بنیاد الزام تراشی نے جتنا نقصان دیا ہے ماضی میں کوئی بڑی سے بڑی جنگی شکست بھی نہیں دے سکی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام

جو کہ دینِ دعوت تھا، اس کے مغربی دنیا میں فروغ و نفوذ کے امکانات مسدود ہو گئے ہیں مغرب جو عقل و دانش پر منحصر بات کو سنتا ہے اس پراپیگنڈے سے مرعوب ہو کر اسلام کی دعوت کا پیغام سننے کے لئے تیار نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اسی انتہا پسندی کی وجہ سے ہو رہا ہے جو روحِ دین کے خلاف ہے۔ اس طبقہ کے انتہا پسندانہ رویوں کی وجہ سے آج کفر کو بالواسطہ اسلام کے خلاف صف آرائی کرنے کا بہانہ مل رہا ہے۔

تیسرا گروہ ...... معتدلین

معتدلین کا طبقہ وہ ہے جو توازن اور اعتدال کی راہ پر گامزن ہو کر افراط و تفریط کے درمیان توسط کی روش اختیار کئے ہوئے ہے۔ یہ طبقہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو لاشریک مانتا ہے، یہ لوگ معرفتِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے حصول کو زندگی کا مقصود اور معراج سمجھتے ہیں۔ قرآن وسنت اور شریعت نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کو نہ توڑتے ہیں اور نہ پھلانگ جانے کی جسارت کرتے ہیں۔ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں حکمتِ مثلیت کا اقرار تو کرتے ہیں مگر شانِ امتیاز وفضیلت پر اصرار کرتے ہیں جبکہ مقصرین انبیاء کی شانِ فضیلت کا محض اقرار کرتے ہیں اور مثلیت پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ طبقہ صحابہ کرام، ائمہ اہل بیتِ اَطہار، فقہاء و محدثین اور اہلِ ولایت وطریقت کو وہی حیثیت دیتا ہے جو نقلاً اور عقلاً مبنی بر صداقت ہے۔ یہ طبقہ نہ تو ائمہ وفقہاء کو انبیاء و رُسل علیہم السلام کی طرح معصوم سمجھتا ہے اور نہ ان کی شان میں تنقیص وتخفیف کی جسارت و گستاخی کرتا ہے۔ یہ طبقہ نہ تو اِن کو یہ حیثیت دیتا ہے کہ ان کے ہر قول وفعل، ان کے اجتہادی تفردات اور ان کے مخصوص اعمال و مشاغل کو بلا دلیل شرعی حجتِ قاطع کی حیثیت سے تسلیم کرے اور راہِ قرآن وسنت کی بجائے انہیں مدارِ اِستدلال بنائے اور نہ ہی یہ اس حد تک جاتا ہے کہ ان کی بعض اجتہادی خطاؤں کو مخصوص ذوقی و روحانی مشاغل کی بناء پر سرے سے رد کر دے۔ اعتدال کی یہ روش فی زمانہ ناپید ہوتی چلی جا رہی ہے۔

راقم بھی اکابرینِ امت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اِسی طریق اور منہج کی تجدید

کے لئے ہمہ تن مصروف و مشغول ہے۔ یہی مسلکِ صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور قرونِ اولیٰ کے ائمہ واسلاف اور اولیاء و صالحین کا ہے۔ یہی حقیقت میں سوادِ اعظم کی راہ ہے اور اسی کو اکابر نے مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعبیر کیا ہے۔

روشِ اعتدال پر قائم رہنا بذاتِ خود ایک امتحان ہے

روشِ اعتدال پر قائم رہنا آسان کام نہیں بلکہ ایک بڑا چیلنج اور امتحان ہے۔ اِس روش کا انسان چکی کے دو کھردرے پاٹوں کے درمیان پستا رہتا ہے۔ اِس سے نہ تو پہلا گروہ خوش ہوتا ہے اور نہ دوسرا۔ افراط اور تفریط میں مبتلا لوگ ہر دو سمت سے ایسے لوگوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور عوام ان کے شور و غوغہ سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

راقم کا ذاتی رُجحان اور طبعی میلان بر بنائے تحقیق توسط، اعتدال اور توازن کو پسند کرتا ہے۔

ہم نہ تو کسی مباح و مستحب کو بدعت قرار دینا پسند کرتے ہیں، نہ کسی مکروہ اور خلاف اولیٰ کو حرام کہنا گوارا کرتے ہیں۔ نہ عام درجہ کے امرِ ممنوع کو کفر اور نہ مطلقاً ناجائز کو شرک کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح نہ کسی جائز و مستحب کو سنّت مؤکدہ یا واجب کا درجہ اور نہ محض سنّت کو فرض کا، نہ اولیٰ و خلافِ اولیٰ اور مستحسن وغیر مستحسن کے فرق کو فرض اور حرام کے فرق میں بدلتے ہیں۔ نہ امورِ خیر و برکت اور معمولاتِ سلف صالحین کے ترک کرنے کے حق میں ہیں اور نہ انہیں عملاً واجباتِ دین میں شامل کرتے ہیں۔

الغرض معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنانا ہمارا معمول نہیں۔ راقم سوءِ ظن سے ہر ممکن اجتناب اور فتویٰ زنی سے حتی الوسعیٰ گریز کرتا ہے مگر محبتِ رسول ﷺ سے محروم کو بدبخت اور اہانتِ رسول ﷺ کے مرتکب کو قطعی کافر سمجھتا ہے۔

۲۔ صیغۂ خطاب کے ساتھ صلاۃ وسلام شرک نہیں

بعض لوگ جوشِ توحید میں صیغۂ خطاب کے ساتھ آقائے دوجہاں حضور نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام کو **استعانت بالغیر** کہہ کر شرک قرار دیتے ہیں اوراسے ناجائز سمجھتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارنے سے منع نہیں کیا بلکہ پکارنے کے آداب سکھائے ہیں، ارشادِ ربّانی ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ(1)

’’(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو (جب رسولِ اکرم ﷺ کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول ﷺ کی ذاتِ گرامی تمہاری مثل کیسے ہوسکتی ہے)، بیشک اللہ ایسے لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ میں (دربارِ رسالت ﷺ سے) چپکے سے کھسک جاتے ہیں، پس وہ لوگ ڈریں جو رسول (ﷺ) کے امرِ (ادب) کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کہ (دنیا میں ہی) انہیں کوئی آفت آ پہنچے گی یا (آخرت میں) ان پر دردناک عذاب آن پڑے گا۔‘‘

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں ائمہ تفسیر نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارتے وقت ’’یا محمد اور یا ابا القاسم‘‘ کہا کرتے تھے۔

---

(۱) النور، ۲۴:۶۳

۱۔ امام محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں:

فنهاهم الله تعالى عن ذالك بقوله سبحانه: لا تجعلوا......الآية إعظاما لنبيه ﷺ، فقالوا: يا نبي الله يا رسول الله۔[1]

’’پس اللہ ﷻ نے انہیں اپنے اس فرمان ’’لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ‘‘ کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم کی خاطر منع فرمایا۔ پس صحابہ نے بوقت نداء یا نبی اللہ، یا رسول اللہ (ﷺ) کہنا شروع کر دیا۔‘‘

- تمام علمائے امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو لاپرواہی اور بے توجہی و بے اعتنائی کے طور پر ذاتی نام سے پکارنا حرام ہے اور یہ حکم حیاتِ ظاہری کے ساتھ مختص نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ تمام اہلِ ایمان کے لئے آپ ﷺ کو پکارنا جائز ہے خواہ قریب ہوں یا بعید اور خواہ حیاتِ ظاہری ہو یا بعد از وصال۔ آیتِ مبارکہ میں وارد ہونے والی نہی کا محل دراصل وہ عامیانہ لہجہ اور طرزِ گفتگو ہے جو صحابہ اور اہلِ عرب ایک دوسرے سے بلا تکلف اختیار کرتے تھے۔ اس حکمِ نہی میں مطلق ندا سے منع نہیں کیا گیا اس لیے تعظیم و تکریم پر مشتمل ندا جائز ہے۔

- دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ مدعائے کلام بارگاہِ نبوی ﷺ کی تعظیم و توقیر کی تعلیم ہے لہٰذا اگر صیغہ خطاب کے ساتھ ادب و تعظیم کا تقاضا پورا نہ ہو اور عرفاً و معناً اس ندا سے گستاخی اور اہانتِ رسول کا پہلو نکلتا ہو تو وہ ندا ممنوع اور حرام ہوگی وگرنہ نہیں۔ اہلِ ایمان حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو آپ ﷺ کا نام لیے بغیر، منصبِ نبوت و رسالت کے ساتھ پکارتے ہیں تو اس میں محبت، ادب، تعظیم اور توقیر مراد ہوتی ہے۔

- نداء کے جواز کا تیسرا سبب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قریب و بعید اور حیاتِ ظاہری اور بعد از وصال تمام اہلِ ایمان کو تشہد میں سلام پیش کرنے کا جو طریقہ تعلیم

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۱۸: ۲۰۴

فرمایا اس میں دعا و پکار اور نداء بطریقِ خطاب ہی وارد ہے۔ یہ الفاظ محض حکایۃً نہیں کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے شبِ معراج حضور نبی اکرم ﷺ کو فرمایا تھا بلکہ ضروری ہے کہ ہر نمازی اپنی طرف سے بارگاہِ نبوی ﷺ میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ (یا نبی! آپ پر خاص سلامتی، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں) کے کلمات کے ساتھ سلام پیش کرے۔ تمام اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے بطور انشاء بارگاہِ نبوی ﷺ میں سلام بھیجنا لازم ہے۔ ذیل میں ہم اس سلسلے میں محدثین و محققین کی آراء پیش کرتے ہیں۔

۲۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

اجمع الأربعة على أن المصلي يقول: أَيُّهَا النَّبِيُّ. وأن هذا من خصوصياته عليه السلام، إذ لو خاطب مصلٍ أحدًا غيرهٗ و يقول السلام عليك بطلت صلا ته.(۱)

”ائمہ اربعہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ نمازی تشہد میں ’اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ‘ کہے اور یہ اندازِ سلام آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اگر کوئی نمازی آپ کے علاوہ کسی ایک کو بھی خطاب کرے اور ’اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ‘ کہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔“

۳۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے الخصائص الکبریٰ میں ایک مکمل باب قائم کیا ہے اور اس خصوصیت کو درج ذیل عنوان سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

باب اختصاصه ﷺ بأن المصلي يخاطبه بقوله "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" ولا يخاطب سائر الناس.(۲)

”یعنی آپ ﷺ اس امر کے ساتھ مختص ہیں کہ نمازی آپ ﷺ کو صیغہ

---

(۱) ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۳:۶۸۴

(۲) سیوطی، الخصائص الکبری، ۲:۵۳۲

خطاب کے ساتھ اس طرح سلام پیش کرتا ہے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ'' اور وہ تمام لوگوں کو مخاطب نہیں ہوسکتا۔''

۴۔ امام قسطلانیؒ المواہب اللدنیہ میں اور امام زرقانی شرح المواہب میں اسی خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنها أن المصلی یخاطبه بقوله: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ كما فی حديث التشهد والصلوٰة صحيحة. ولا يخاطب غيرهٗ من الخلق ملكا أو شيطانا أو جمادًا أو ميتا.(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ نمازی آپ ﷺ کو ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ'' کے کلمات کے ساتھ خطاب کرتا ہے جیسا کہ حدیثِ تشہد میں ہے اور اس خطاب کے باوجود اس کی نماز صحیح رہتی ہے۔ وہ آپ ﷺ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی فرشتے یا شیطان اور جماد یا میت کو خطاب نہیں کرسکتا۔''

۵۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کیا ایمان افروز عبارت لکھی ہے فرماتے ہیں:

واحضر فی قلبك النبي ﷺ وشخصه الكريم، وقُلْ: سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ. وليصدق أملك فی أنه يبلغه و يرد عليك ما هو أوفٰی منه.(۲)

''(اے نمازی! پہلے) تو حضور نبی اکرم ﷺ کی کریم شخصیت اور ذاتِ مقدسہ کو اپنے دل میں حاضر کر پھر کہہ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔ تیری امید اور آرزو اس معاملہ میں مبنی بر صدق و اخلاص ہونی چاہیے

(۱) زرقانی، شرح المواهب اللدنيه، ۵:۳۰۸

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۱:۱۵۱

کہ تیرا سلام آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچتا ہے اور آپ ﷺ اس سے کامل تر جواب سے تجھے نوازتے ہیں۔''

اس عبارت سے یہ امر واضح ہوا کہ اگر خطاب اپنے ظاہری معنی ومفہوم میں نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو متحضر سمجھ کر سلام پیش کرنے کی تلقین نہ کی جاتی۔

۶۔ نماز میں صیغۂ خطاب سے حضور اکرم ﷺ کو مخاطب ہونے کی حکمت امام طیبی نے بھی بیان کی ہے جسے امام ابنِ حجر عسقلانی نے فتح الباری میں نقل کیا ہے:

إن المصلين لما استفتحوا باب الملكوت بالتحيات أذن لهم بالدخول فی حريم الحي الذي لا يموت، فَقَرَّت أعينهم بالمناجاة. فنبهوا أن ذلك بواسطة نبي الرحمة وبركة متابعته. فالتفتوا فإذا الحبيب فی حرم الحبيب حاضر فأقبلوا عليه قائلين: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ. (1)

''بے شک نمازی جب التحیات سے ملکوتی دروازہ کھولتے ہیں تو انہیں ذاتِ باری تعالیٰ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ کے حریمِ قدس میں داخل ہونے کی اجازت نصیب ہوتی ہے، پس مناجاتِ ربانی کے سبب ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا ہوتی ہے۔ پھر انہیں متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حضور نبی اکرم ﷺ کی وساطت اور آپ کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔ پس وہ ادھر توجہ اور التفات کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے کریم رب کے حضور میں موجود ہیں تو وہ آپ ﷺ کی طرف یوں سلام پیش کرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔''

۷۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ صیغہ خطاب کی وجہ پر محققانہ کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۲:۳۱۴

و بعضے از عرفاء گفته اند که ایں خطاب بجهت سریان حقیقة محمدیه است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات۔ پس آن حضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلی باید که ازیں معنی آگاه باشد و ازین شهود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد۔[1]

''بعض عرفاء نے کہا ہے کہ اس خطاب کی جہت حقیقتِ محمدیہ کی طرف ہے جو کہ تمام موجودات کے ذرہ ذرہ اور ممکنات کے ہر ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ پس حضور ﷺ نمازیوں کی ذاتوں میں حاضر و موجود ہیں لہٰذا نمازی کو چاہئے وہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو یہاں تک کہ انوارِ قرب اور اسرارِ معرفت سے منور اور مستفید ہوجائے۔''

۸۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

ذکر کن او را و درود بفرست بروے ﷺ و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالتِ حیات، و می بینی تو او را امتادب با جلال و تعظیم و هیبت وحیاء بد آنکه وے ﷺ می بیند ترا و می شنید کلام ترا زیرا که وے متصف است بصفات اللّٰه تعالیٰ۔ ویکے از صفات الٰہی آنست که أنا جلیس من ذکرنی و پیغمبر را نصیب وافر است ازیں صفت۔[2]

''(اے مخاطب!) تو حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کر اور ان پر درود بھیج اور

(۱) عبد الحق الدہلوی، اشعة اللمعات، ۱:۴۰۱

(۲) عبد الحق الدہلوی، اشعة اللمعات، ۲:۶۲۱

حالتِ ذکر میں اس طرح سمجھ کہ گویا آپ ﷺ حیات ظاہری میں تیرے سامنے موجود ہیں، اور تو جلالت وعظمت کو ملحوظ رکھ کر اور ہیبت و حیاء کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ کو دیکھ رہا ہے۔ یقین جان کہ آپ ﷺ تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ موصوف و متصف ہیں۔ ان صفاتِ ربانی میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ (میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرے) اور آپ ﷺ کو اس صفتِ الٰہیہ سے وافر حصہ حاصل ہے۔''

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام بعد از وصالِ نبوی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہتے تھے لہٰذا اب سلام بصیغہ خطاب کہنا جائز نہیں ہے اس لئے شرک ہے۔ ذہن نشین رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صرف اور صرف اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ کے اندازِ نداء و خطاب میں ہی سلام پیش کرنے کا طریقہ سکھلایا ہے۔ حضور ﷺ نے قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ میری ظاہری حیات میں تو مجھ پر سلام نداء و خطاب کے ساتھ پیش کریں اور بعد از وصال بدل دیں۔ اگر بعد از وصال نداء و خطاب کے انداز میں سلام پیش کرنا جائز نہیں تھا تو گویا حضور ﷺ کی تشہد کے بارے میں تعلیم ادھوری اور ناقص رہ گئی؟ (معاذ اللہ) کیا کوئی عام مسلمان بھی یہ تصور کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں منبر پر بیٹھ کر نداء و خطاب پر مشتمل تشہد و سلام کی تعلیم دی اور اکابر صحابہ کی موجودگی میں یہ تلقین فرمائی اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ خطاب کے صیغہ کے ساتھ سلام پیش کرنے پر اجماعِ صحابہ ہے۔ خلفائے راشدین اور دیگر اکابر صحابہ نے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کے صیغہ خطاب کے ساتھ سلام پیش کیا ہے۔ تاہم اتنا کہا جا سکتا ہے کہ نداء و خطاب کے صیغہ کے

ساتھ سلام پیش کرنا واجب نہیں ہے لیکن وجوب کی نفی سے جواز بلکہ استحباب کی نفی بھی لازم نہیں آتی کیونکہ خلفائے راشدین اور اہلِ مدینہ کا اجماع اور جمہور امت کا اسی پر مداومت کے ساتھ عمل اس پر شاہدِ عادل اور دلیلِ صادق ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ کا اس پر قول بطور دلیل ہم پچھلے صفحات میں نقل کر آئے ہیں کہ جمہور امت کے نزدیک حضور نبی اکرم ﷺ کو بصیغہ نداء و خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا بالکل جائز ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو آپ کی ظاہری حیاتِ طیبہ اور بعد از وصال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلف صالحین نے قریب اور بعید کی مسافت کے فرق کے بغیر بصیغہ نداء و خطاب پکارا۔ مستند کتبِ احادیث اور سیر میں درجنوں واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ اکابر اور سلف صالحین کبھی بھی آپ ﷺ کو بصیغہ خطاب پکارنے میں کسی قسم کے الجھاؤ اور شک و شبہ میں مبتلا نہیں رہے۔ انہوں نے اپنی اپنی کتب میں اس عقیدہ صحیحہ کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ واضح کیا ہے۔

۳۔ تصوف اور اِسلام

دین و شریعت کے دو بنیادی جزو ہیں:

۱۔ ظاہری احکام جو آگے چل کر فقہ کے نام سے مدون ہوئے۔

۲۔ روحانی و باطنی احکام جو دوسری صدی ہجری میں زہد و رقائق اور تصوف و طریقت کے نام سے معنون ہوئے۔

تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیۂ نفوس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ تصوف کے اجزائے ترکیبی عہدِ رسالتمآب ﷺ اور دورِ صحابہ میں عملاً موجود تھے کیونکہ یہ سب قرآن و سنت کی ابدی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ تصوف اِسلام کی روحانی اور باطنی کیفیات اور روحانی اقدار و اطوار کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ دینِ اِسلام کی علمی، فکری، عملی، معاشرتی اور تہذیبی و عمرانی و غیرہم تمام جہتوں میں اخلاص و احسان کا رنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ اِنسان کے جسم و رُوح اور اِس کے وجود کی تمام پرتوں پر جاری و ساری ہے۔ تصوف کی تمام تر اصطلاحات قرآن و حدیث سے مأخوذ و مستنبط ہیں۔ اِس حوالے سے ہماری کتاب ''حقیقتِ تصوف'' کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا۔ یہاں صرف اختصار سے چند نکات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

● ائمہ تصوف نے اپنے تمام معتقدات، تصورات اور معمولات کی بنیاد قرآن و سنت کو ٹھہرایا ہے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

> ایں راہ کسے باید کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنتِ مصطفی ﷺ بردستِ چپ، و در روشنائی ایں دو شمع مے رود، تانہ در مغاك شبہت اُفتد نہ در ظلمت بدعت۔(۱)

''یہ راہ یعنی تصوف صرف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآنِ حکیم

(۱) فرید الدین عطار، تذکرۃ الأولیاء: ۹

اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول ﷺ ہو اور وہ اِن دو چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شک و شبہ کے گڑھوں میں گرے اور نہ ہی بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔‘‘

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے نامور شیخ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں:

مشربِ پیر ...... حجت نمی شود۔ دلیل از کتاب و حدیث مے باید۔(۱)

’’شیخ طریقت کا مسلک حجت نہیں ہے دلیل قرآن و حدیث سے ہونی چاہئے۔‘‘

● تمام اکابر مشائخ و اولیاء کے نزدیک شیخِ طریقت ایسا ہونا چاہئے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام و آداب و شرائط کا عالم ہو کیونکہ اگر وہ عالم ہوگا تو خود کسی ناجائز چیز کے بارے میں نہیں کہے گا۔

● روحانیت قال سے نہیں حال سے عبارت ہے۔ یہ علمی نظریہ کا نام نہیں بلکہ عملی تجربے کی چیز ہے اور یہ تجربہ بھی مادی نہیں سراسر باطنی ہے۔ روحانیت عقل و خرد اور دید شُنید سے حاصل ہونے والی چیز نہیں۔ یہ احساس، وجدان اور قلب و باطن کی راہ سے نصیب ہوتی ہے۔ یہ خارج سے نہیں، باطن سے پھوٹتی ہے۔ یہ تقریر و ابلاغ کے حسی و مادی تاروں سے نہیں، گرمی انفاس کی پاکیزہ موجوں سے پھیلتی ہے۔ یہ الفاظ کے قالب میں نہیں سماتی بلکہ احساس کی گہرائیوں میں اُترتی ہے۔ روحانیت کہنے سننے کی چیز نہیں، سیکھنے اور برتنے کی چیز ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو اِنسان بطریقِ سلوک وتصوف پالیتا ہے اور شکوک و شبہات سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ یہ تزکیہ نفس، تصفیہ باطن اور پاکیزگی نفس کا الوہی منہاج اور وصول الی اللہ کا باطنی و پوشیدہ راستہ ہے۔

شریعت وطریقت کا باہمی ربط وتعلق

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دینِ اسلام میں اصل شریعت ہے اور اِس کی فرع طریقت ہے۔ شریعت سرچشمہ و منبع ہے اور طریقت اِس سے نکلا ہوا دریا ہے۔

(۱) عبدالحق، اخبار الاخیار: ۸۱

طریقت کو شریعت سے جدا تصور کرنا غلط ہے۔ شریعت پر طریقت کا دار و مدار ہے۔ شریعت ہی معیار ہے۔ طریقت میں جو فیض ہے اور جو کچھ منکشف و مکشوف ہوتا ہے وہ شریعت ہی کے اِتباع کا صدقہ ہے۔ پس جو شخص طریقت، معرفت، حقیقت، سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور شریعت مطہرہ کو جھٹلائے، مخالفت کرے اور رد کرے وہ بے دین ہے۔ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طریقت میں شریعت کا پاس و لحاظ نہ ہو وہ بے دینی ہے اور جس شریعت کے ساتھ طریقت و معرفت نہ ہو وہ بھی ناقص اور ادھوری ہے۔ ظاہری اعمال کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا حسین امتزاج ہی ہمارا نکتۂ امتیاز ہے۔

اہل اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنا مسنون و مستحب ہے لیکن اِسی پر اکتفا کر لینا اور اوامر و نواہی کی پابندی نہ کرنا قطعاً درست نہیں۔ اصلاحِ باطن کے لئے بیعت کرنا مسنون ہے لیکن فرائض و واجبات اور سنن پر عمل دین کی بنیادی ضرورت ہے۔ بیعت کے لئے ضروری نہیں کہ رسماً کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جائے بلکہ بیعت کا اصل مقصد دین پر استقلال کے ساتھ کاربند رہنے کا عہد ہے۔ شیخِ کامل کی معاونت اور رہنمائی سے نفس و شیطان کے خطرناک حملوں کا مؤثر دفاع اور عبادت و ریاضت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ یہ مقاصد اگر کسی اجتماعی نظم میں آکر حاصل ہو جائیں تو باطن کی اصلاح کا یہ طریقہ بھی اختیار کرنا درست ہے۔ اس سے مقصود اصلاحِ نفس اور تزکیہ باطن ہے جس کا حصول اُستاد سے حاصل ہو، باپ سے، شیخ سے یا کسی اجتماعی نظم سے جملہ ذرائع درست ہیں، لیکن بیعت کو رسم و رواج یا عادت بنا لینا مقصودِ طریقت نہیں۔ کسی بھی سلسلۂ طریقت کو اختیار کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ مندرجہ بالا مقاصد حاصل ہوں ورنہ تصوف و طریقت کے نام پر آج کل بے شمار کاروباری قسم کے لوگ اپنی اپنی دکانیں کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ بے عملی، بے ادبی اور حرصِ جاہ و مال سے بچ کر ہی اصلاحِ نفس ممکن ہے۔

خانقاہی نظام اور عہدِ جدید

دینِ اِسلام کی ترویج واشاعت کا کارنامہ بیشتر ممالک میں صوفیائے کرام ہی کی

تبلیغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ انہی کی مساعی جمیلہ سے ہر سُو اِسلام پھیلتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور اربابِ طریقت کی والہانہ عقیدت و محبت اور اکرام و احترام کا جذبہ بغائت درجہ موج زن ہے۔ خانقاہی نظام ایک ایسا ادارہ ہے جہاں اِنسان کو مخلص، متقی، خدا ترس اور مخلوقِ خدا کا حقیقی اور سچا خیر خواہ بنانے کی تربیت دی جاتی تھی اِس نے برصغیر پاک و ہند کی تہذیبی، سماجی، معاشرتی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی اقدار پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ یہ خانقاہی نظام ایک عرصہ تک اپنی انہی معیاری بنیادوں پر اُستوار رہا جن پر اِسے قائم کیا گیا تھا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تعلیم و تربیت کا یہ معیاری نظام رُو بہ تنزل ہوتا چلا گیا۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کوئی ادارہ اور نظام کتنا ہی مثالی کیوں نہ ہو ہتمام و کمال عروج پر قائم نہیں رہ سکتا۔ زمانہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اُسے کچل کر رکھ دیتا ہے۔ یہی حال خانقاہی نظام کے ساتھ بھی ہوا۔ شریعت اور طریقت کے مابین تفریق، شطحیات و انحرافات، ترکِ دنیا، مجاز پرستی کے ذریعے کئی خرافات اور سنت کے خلاف کئی اُمور ''روحانیت'' کے نام پر اِس میں درآئے جس کے باعث اس میں پہلے جیسا اخلاص، تقویٰ، اطاعت، خوفِ خدا اور بندگئ الٰہی کی روایت برقرار نہ رہی۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ خود خانقاہوں کے اکابر شیوخِ طریقت نے اِن تمام اُمور کا سختی کے ساتھ نوٹس لیا اور اِس کی اصلاح و تجدید کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ مساعی جمیلہ جارحانہ کی بجائے خیر خواہانہ تھیں۔ تنقیح و تصریح اور تجدید و احیاء کی مؤثر آواز بلند ہوتی رہنی چاہیے تاکہ اِس نظام کو مثبت انداز کی تعمیری تنقید کے ذریعے خرافات سے پاک کیا جاتا رہے۔ لیکن چند ایک خرابیوں اور خلافِ سنت اُمور کو آڑ بنا کر پورے نظام کو فاسد اور باطل بنا دینا کہاں کی دانشمندی اور دین پروری ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ اِن خلافِ شرع اُمور کو کبھی بھی مسلمہ اربابِ طریقت کی تائید اور تحسین حاصل نہیں ہوئی۔ ہم بھی نظامِ خانقاہی کے احیاء کے بھرپور حامی ہونے کے ساتھ اس کی اصلاح کے داعی اور منکرات کی شدید مذمت کرتے ہیں۔

۴۔ مزاراتِ اولیاء کی زیارت اور حاضری کے صحیح آداب

اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری اور دُعا سے متعلق بعض طبقات کی سوچ اور طرزِ عمل افراط وتفریط کا شکار ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو سرے سے اِس کے جواز کا ہی قائل نہیں بلکہ اِسے صریح شرک و بدعت گردانتا ہے۔ اِس کے برعکس ایک طبقہ عوام الناس کا ہے جسے اہلِ علم کی سند حاصل نہیں وہ بھی اِس سلسلہ میں جہالت اور تفریط میں مبتلا ہے۔ جمہور مسلمانوں کا مزارات پر طریقِ حاضری و دُعا نہایت معقول اور حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے۔ قاضی الحاجات، فریاد رس اور حقیقی مشکل کشا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لیکن مقربینِ بارگاہِ الٰہی انبیاء و اولیاء کا دُعا میں توسل جائز ہے اور اِن کے توسل سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اِس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

واز جملہ آدابِ زیارت است کہ روئے بجانب قبر و پشت بجانب قبلہ مقابل روئے میت بایستد و سلام دہد و مسح نکنند قبر را بدست و بوسہ ندہد آنرا و منحنی نشود و روئے بخاک نمالد کہ ایں عادتِ نصاریٰ است۔ وقرأت نزد قبر مکروہ است نزدِ ابی حنیفہ و نزدِ محمد مکروہ نیست۔ و صدر الشہید کہ یکے از مشائخ حنفیہ است بقولِ محمد اخز کرد و فتویٰ ہم بریں است۔ و شیخ امام محمد بن الفضل گفتہ کہ مکروہ قرأتِ قرآن بہ جہر است واما مخافت لا بأس بہٖ است اگرچہ ختم کند۔[1]

(۱) شاہ عبدالحق، اشعۃ اللمعات، باب زیارۃ القبور: ۷۶۳

’’قبورِ اولیاء کی زیارات کے آداب میں سے ہے کہ زائرِ قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے صاحبِ قبر کے منہ کے برابر کھڑا ہو جائے، اُسے سلام کہے، ہاتھ سے قبر کو نہ چھوئے اور نہ قبر کو بوسہ دے اور نہ قبر کے سامنے جھکے اور قبر کے سامنے مٹی پر اپنا منہ نہ ملے کیونکہ یہ طریقہ نصاریٰ کا ہے۔ قبر کے پاس قرآن حکیم کی تلاوت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک (بآوازِ بلند) مکروہ ہے، مگر امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ علماءِ احناف میں سے صدر الشہید نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور اِسی پر فتویٰ ہے۔ شیخ امام محمد بن الفضل نے کہا ہے کہ قبر کے نزدیک اُونچی آواز میں قرآن خوانی مکروہ ہے، لیکن اگر دھیمی آواز میں ہو تو سارا قرآن مجید پڑھ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔‘‘

یہ بات ذہن نشین رہے کہ صالحینِ اُمت کے مزارات کو بوسہ دینا ضروری اُمور میں سے نہیں ہے لہٰذا اس عمل کو منکرین و مخالفین کے ردِعمل میں بے ادبی اور گستاخی سمجھنا اچھا نہیں ہے۔ اکابر مشائخ کے ملفوظات اور اُن کے معمولات میں احتیاط پسندی کی خاطر بوسہ دینے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ اِس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

پس اقربِ صواب می نماید که کسے از ثقات و مقتدایاں تقبیلِ مزارات هم ننماید، تاکه عوام کالانعام در ورطۂ ضلال نیفتند۔ چه به سبب جهل فرق میانِ سجود و تقبیل کردن نمی توانند۔(۱)

’’بہتر یہی ہے کہ اربابِ علم اور رہنمایانِ قوم میں سے کوئی آدمی مزارات کا بوسہ نہ لے تاکہ دیکھا دیکھی میں بےعلم اور عام اَن پڑھ لوگ گمراہی کے بھنور میں نہ پھنس جائیں۔ کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے بوسہ اور سجدہ میں تمیز نہیں کر سکتے۔‘‘

تعظیماً بوسہ دینا فی نفسہٖ منع اور ناجائز نہیں ہے۔ اکابر علماء و مشائخ نے صرف

(۱) پیر مہر علی شاہ، تحقیق الحق: ۱۰۵

احتیاط کی خاطر بوسہ دینے سے منع کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواص کا عمل عامۃ الناس کے لئے دلیل و حجت ہوتا ہے اِس لئے خواص کو بطورِ خاص احتیاط کا دامن تھامنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ خواص تو بوسہ اور سجدہ کا فرق بخوبی سمجھتے ہیں لیکن عوام یہ فرق نہیں سمجھتے اِس لئے عوام کی خاطر انہیں بھی منع کیا گیا ہے۔

مزاراتِ اولیاء پر دعا کا درست طریقہ

سلف صالحین نے قبورِ اولیاء پر حاضری دینے والے زائرین اور دُعا کرنے والوں کے لئے دوطریقے بیان کئے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کا محتاج اور فقیر ہے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے، مگر دُعا میں صاحبِ مزار کی روحانیت، بزرگی اور اُس کی خدماتِ جلیلہ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ ''اے میرے مولا! اِس صاحبِ مزار کی برکت سے اور اُس رحمت وعنایت کے صدقے جو تو نے اس صاحب مزار پر کی ہے اور اسے عظمت و بزرگی عطا فرمائی ہے، میری فلاں حاجت کو پورا فرما، کیونکہ حقیقی عطا کرنے والا اور مرادیں پوری کرنے والا تو ہے۔''

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا صاحبِ مزار کو مخاطب کرتے ہوئے کہے کہ ''اے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے! میری فلاں مراد اللہ تعالیٰ سے طلب کیجئے، اللہ تعالیٰ مجھے میری مطلوب شے عطا کر دے۔'' اِس طرح بھی سوال اللہ تعالیٰ ہی سے کیا جاتا ہے کیونکہ حقیقی مشکل کشا وہی ذات ہے، لیکن یہ اسلوب اختیار کرنا بطریقِ مجاز ہے جس کے تحت صاحبِ قبر کو بطور وسیلہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی اِس لئے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جسے چاہے اس کی التجا سنوا دے کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی قبر والا ہو یا زندہ چلتا پھرتا انسان، اللہ تعالیٰ کی طرف سے

رحمت کے بغیر نہیں سن سکتا۔ یہ امر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعا کرنے والے کی آواز کو قبر والے تک پہنچا دے اور پھر صاحبِ قبر عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ سے اُس حاجت مند کے مقاصد کو پورا کر دینے کی التجا کرے۔ اِس طریقے میں بھی حاجت مند بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ رہا ہوتا ہے نہ کے صاحبِ قبر سے۔

● اِن نازک اعتقادی اُمور کو بڑی احتیاط کے ساتھ عامۃ المسلمین کے سامنے بیان کرنا چاہیے۔ بعض حضرات مزارات پر حاضری دیتے وقت ایسے اعمال و افعال کرتے ہیں جو جمہور امت کے شعار کے خلاف ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاندین و مخالفین کو اعتراض کا موقع مل جاتا ہے۔ اس میں قصور درحقیقت ہمارے ان بعض ائمہ و خطبا کا ہوتا ہے جو ایسے نازک عقائد میں احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتے اور بے جا تاویلات اور اُلٹے سیدھے دلائل عوام کی تائید کی خاطر بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ناقص لوگوں کے ذہن اُلجھاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

● ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ کسی مرید کا اپنے شیخ و مرشد کی زندگی میں ان سے دُعا کرانے کی صورت میں بھی حاجت مانگنا اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتا ہے۔ کوئی ولی اللہ یا شیخِ طریقت یہ نہیں کہتا کہ ''اے حاجت مند! یہ سب کچھ میں تجھے دے رہا ہوں،'' بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ تم بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو اور ہم بھی اُسی سے تمہارے لئے دعا کرتے ہیں۔ بعض اوقات کئی جہلا ''پیر صاحب'' کو مخاطب کرکے کہتے ہیں: ''یا صاحبِ مزار مجھے اولاد دے دیں، صحت دے دیں یا فلاں مسئلہ حل کر دیں۔'' ایسے موقعوں پر دین سے محبت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بروقت ایسے لوگوں کی اصلاح کر دی جائے۔

۳۔ بزرگوں کے نزدیک دُعا میں زیادہ پسندیدہ اور محتاط طریقہ یہی ہے کہ قرآن و سنت میں منقول دُعائیں مانگنا معمول بنایا جائے اور حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ اگر خاص حاجت مانگنی ہو تو حضرات انبیاء و

اولیاء و مقربینِ بارگاہ اِلٰہی سے اور بالخصوص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں دُعا فرما دیں کہ ہماری مشکلات آسان فرما دے اور حاجتیں بر لائے۔ یہ وہ محتاط طریقہ دُعا ہے جس پر کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا۔ حزم و احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جہاں توہمات اور بدعات و خرافات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اُس راستہ کو یکسر بند کر دیا جائے۔

باقی رہے خواص تو اپنی خداداد بصیرت اور رُوحانی طاقت سے عالمِ کشف میں وہ صاحبانِ قبر سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں اور صاحبِ مزار سے رابطہ بھی رکھتے ہیں۔ جہاں صالحین کے مزار کی زیارت سے زائرین کو روحانی فیض و برکت حاصل ہوتی ہے وہاں بعض اوقات صاحبِ ولایت و مقام زائرین سے صاحبانِ قبر کی رُوح بھی روحانی برکت و فیض حاصل کرتی ہے۔

حضرات انبیاء علیھم السلام اور اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ذاتی یا مستقل طور پر متصرف ہیں یا اِس طرح تصرف و اختیار میں شریک سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی شرکت کے بغیر کائنات کا نظام نہیں چلا سکتا، کفر ہے۔ اس طرح کی ہر غلطی کی اصلاح کر کے اسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا چاہئے۔ بزرگوں سے عقیدت اپنی جگہ لیکن کسی بھی مسئلہ میں غلو جائز نہیں۔

مزارات کے طواف اور شور و غل کی ممانعت

کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی مقام یا قبر کا طوافِ تعظیمی منع ہے۔ فقہائے کرام نے قبرستان میں خیرات اور شیرینی تقسیم کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ تقسیم کے وقت بچے اور عورتیں شور و غل کرتے ہیں۔ قبرستان کا ادب و احترام قائم نہیں رہتا لہٰذا ایسا کرنے میں بھی احتیاط کرنی چاہیے۔ مساکین اور زائرین کے لئے مزارات پر الگ اہتمام ہونا چاہیے۔ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے اعراس میں جو ناجائز افعال و اعمال کئے جاتے ہیں

اِن سے صاحبِ مزار کو تکلیف و اذیت پہنچتی ہے۔ اِس طرح صاحبِ مزار کا فیض اور برکت زائر کو نصیب نہیں ہوتی۔ خیرات کی چیزیں اُوپر سے پھینکنا اور لوگوں کا اُن کو بطور تبرک حاصل کرنے کے لئے شور وغل کرنا، ایسے تمام اُمور غلط ہیں اور سلف صالحین نے اِن کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس طرزِ عمل سے ایک تو رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے، دوسرا مزار کا ماحول اور اُس کا تقدس پامال ہوتا ہے اور تیسرا اِس میں ریاکاری کا عمل دخل ہے۔ لہٰذا ایسے تمام اُمور سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مزارات پر نذر و نیاز اور تبرک کی حقیقت

مزاراتِ اولیاء پر نذر و نیاز دینے اور وہاں ’’لنگر‘‘ پکانے یا کھانے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ ایک نیک عمل ہے جس کی اصل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ یہ صدقہ جاریہ کی ایک مستحسن صورت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو نواز رکھا ہے۔ ’’**اطعام الطعام**‘‘ تعلیمات قرآن وسنت کی معروف اصطلاح اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ سورۃ الدھر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور مخلص بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن میں ضرورت مندوں اور ناداروں کو کھانا کھلانا بنیادی خصوصیت قرار دیا گیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًاo اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًاo اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًاo(۱)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوُجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیںo (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کیلئے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواستگار

(۱) الدھر، ۷۶: ۸۔ ۱۰

ہیں اور نہ شکرگزاری کے (خواہشمند) ہیںo ہمیں تو اپنے ربّ سے اُس دن کا خوف رہتا ہے جو (چہروں کو) نہایت سیاہ (اور) بدنما کر دینے والا ہےo‘‘

یہ کام اہل اللہ کے نزدیک نفلی عبادت سے زیادہ باعثِ ثواب ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مخلوقِ خدا کی خدمت دراصل اللہ تعالیٰ کو خوش رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا نمایاں وصف ہے اور اسوۂ حسنہ کے اتباع میں تمام صوفیاء کا معمول رہا ہے۔ حضور ﷺ خود یتیموں، مسکینوں اور ناداروں کا سہارا اور ملجا تھے۔ آپ ﷺ سے مروی متعدد احادیث میں ’’اطعام الطعام‘‘ کی ترغیب اور حکم موجود ہے۔ بلکہ بعض صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے اسلام کی تعریف اور بنیادی خصوصیات میں کھانا کھلانے اور دوسرے کی خیرخواہی چاہنے کو شامل فرمایا۔ ملاحظہ ہو فرمان نبوی:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی نے سوال کیا:

أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ.(۱)

’’بہترین اسلام کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کھانا کھلائے اور سلام کرے اس شخص کو جس کو تو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔‘‘

۲۔ اسی طرح مشہور صحابی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کی بجا آوری سے میں جنت کا حق دار ٹھہر سکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَطْعِمِ الطَّعَامَ، وَ أَفْشِ السَّلَامَ، وَصِلِ الْأَرْحَامَ، وَصَلِّ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الإيمان، باب افشاء السلام، ۱: ۱۹، رقم: ۲۸
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الإيمان، باب تفاضل الإيمان، ۱: ۶۵، رقم: ۳۹
۳۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الأدب، باب في افشاء السلام، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۱۹۴

نِيَامٌ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (۱)

''ضرورت مند کو کھانا کھلاؤ، سلام (سلامتی اور خیر خواہی) کو عام کرو، صلہ رحمی کرو اور دوسرے لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں تو تم اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھا کرو (ان اعمال کے باعث تم) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ تشریف لائے تو اول کلام جو میں نے ان سے سنا وہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (۲)

''لوگو! سلام کو عام کرو اور کھانا کھلاؤ اور جب لوگ سو رہے ہوں، نماز پڑھو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس سے مماثل روایت ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطعام الطعام کو اللہ کی عبادت کا ہم پلہ عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ أَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (۳)

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۶: ۲۹۹، رقم: ۲۵۵۹
۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۱۴۴، رقم: ۷۱۷۴

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب صفة القيامة، ۴: ۶۵۲، رقم: ۲۴۸۵
۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، ۲: ۱۰۸۳، رقم: ۳۲۵۱
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۵۱، رقم: ۲۳۸۳۵

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الأطعمة، باب فضل اطعام الطعام، ۴: ۲۸۷، رقم: ۱۸۵۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۰، رقم: ۶۵۸۷

’’تم رحمٰن کی عبادت کرو اور کھانا کھلاؤ اور سلام عام کرو ان تین امور کی انجام دہی کے ثمر کے طور پر تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

آپ نے قرآن و سنت کے واضح احکام کو ملاحظہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کھانا کھلانے کا کس قدر اہتمام اور تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے متقی، پرہیزگار، مخلصین اور محبین، اللہ تعالیٰ سے قربت اور اخلاص کا دعویٰ کریں اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی محبت و اطاعت کا دم بھی بھریں لیکن ان کے ہاں مخلوقِ خدا کو خیر خواہی نہ ملے، بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب اور عملی مظاہرہ نہ ہو چنانچہ مقربینِ بارگاہِ ایزدی جب حیات ہوتے ہیں خود بھی مخلوق کے لیے سراپا خیر ہوتے ہیں، ان کے دوست دشمن، امیر غریب جاننے والے اور غیر سب کے لیے ان کا دست عطا کھلا رہتا ہے اور جب وہ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے اس عمل خیر میں انقطاع نہیں ہوتا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جہاں جہاں ایسے مزارات ہیں وہاں قائم لنگر خانوں میں نادار، غریب اور مفلوک الحال لوگ پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں۔ انہیں دو وقت کا کھانا مفت ملتا ہے تو یہ خود ایک بہت بڑی انسانی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ان کے اخلاصِ عمل کو برکت سے نواز کر ان کے وصال کے بعد بھی ایصالِ ثواب کی یہ سبیل جاری رکھی ہوئی ہے۔ یہ دراصل زمین پر مائدۃ الرحمٰن (الوہی دسترخوان) ہے جس کی سعادت سے یہی عظیم المرتبت لوگ نوازے جاتے ہیں۔ انسانی استطاعت و طاقت سے یہ ممکن نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے ہی اس قدر وسیع اسباب و وسائل میسر آتے ہیں۔

.... ۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۱۴۸، رقم: ۲۰۸۱

۴۔ بزار، المسند، ۶: ۳۸۳، رقم: ۲۴۰۲

۵۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۴۰، رقم: ۹۸۱

برصغیر پاک و ہند میں ایسے مزارات بکثرت موجود ہیں مثلاً سیدنا علی بن عثمان الہجویری المعروف دا تا صاحبؒ، حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ پاک پتن شریف، خواجہ ھند حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح کے سینکڑوں مراکز اور مقامات ہیں جہاں آج بھی ہزاروں اور لاکھوں ایسے لوگ کھانا کھاتے ہیں جو بے روزگار اور بے سہارا ہوتے ہیں۔غریب اور یتیم بچے، عورتیں، بوڑھے اور بیمار، سب بلاتمیز رنگ ونسل، عقیدہ و مذہب ان آستانوں پر آزادانہ کھاتے پیتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت داتا صاحب کے احاطۂ مزار میں ہر روز ۲۰ سے ۳۰ ہزار لوگ مختلف شکلوں میں ''لنگر'' سے کھانا حاصل کرتے ہیں۔اتنی بڑی تعداد میں بھوکوں، بے روزگاروں اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا کوئی معمولی بات نہیں۔

یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی خصوصی عطاء سے ہی ممکن ہے ورنہ دنیا کا کوئی بادشاہ، دولت مند شخص یا تنظیم ایسا کرنے کی صلاحیت و قدرت نہیں رکھتی۔ پھر یہ سلسلہ دو چار دنوں یا مہینوں سے نہیں بلکہ صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ایسے نیک اور خدمتِ خلق پر مبنی عمل کو بلاسوچے سمجھے شرک و بدعت اور حرام کہنا بجائے خود بہت بڑی جسارت ہے۔ جیسا کہ اوپر ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ **''اطعام الطعام''** کے فرمانِ الٰہی پر عمل درآمد کی ایک بہترین شکل ہے۔ جائز مشروع اور مخلوقِ خدا کیلئے مفید عمل کو بلادلیل ناجائز عمل کہنا دراصل دین میں تجاوز ہے۔ یہ ایک طرف کی سوچ اور نقطۂ نظر ہے۔

دوسری طرف اس سے بھی زیادہ قباحتیں موجود ہیں۔ انہی قباحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کئی لوگوں نے اس لنگر یا نذر و نیاز کے کھانے سے متعلق بہت سی خود ساختہ باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ کہیں اس کی شفا کے مبالغہ آمیز تذکرے کیے جاتے ہیں، کہیں اس کے عدمِ استعمال پر انجام بد سے ڈرایا جاتا ہے اور کسی جگہ کا لنگر ہر گناہ اور معصیت سے چھٹکارے کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے مزارات اور ان کی قربت بلاشبہ

باعثِ خیر و برکت ہے اور ان کے آستانوں پر توسلاً اللہ پاک بیماروں کو شفا بھی دیتا ہے مگر یہ سب فوائد اضافی ہیں بنیادی غرض و غایت تو ضرورت مندوں کی بھوک کا ازالہ ہے۔

علاوہ ازیں بعض مقامات اور مزارات پر اس نیک عمل کو بے جا پابندیوں اور اضافی شرطوں سے خاص کر دیا جاتا ہے مثلاً شیرینی کے ساتھ مختلف تحریریں لکھ دی جاتی ہیں جن کے ذریعے زائرین پر نفسیاتی طور پر ترغیب و ترھیب سے اثر انداز ہونے کی کوشش بھی کی جاتی ہے کہ ''یہ کھانے سے اتنے پھیرے اور اسی طرح کی نیاز کی مزید تقسیم ضروری ہے۔'' وغیرہ۔

یہ سب رسوم و رواج جہالت اور مزارات کے غلط استعمال کی مختلف شکلیں ہیں ایسی قباحتوں سے صاحبِ مزار کو یقیناً تکلیف پہنچتی ہے اس لئے ایسے امور سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ عرس کی شیرینی کھانے کے فضائل بیان کرنے اور نہ کھانے والے کو محروم سمجھے جانے کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ سے پوچھا گیا کہ عرس کی شیرینی کے متعلق یہ کہنا کہ جو کوئی اِس کو کھائے گا اُس کا جنت مقام و دوزخ حرام ہے یہ کہنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: ''یہ کہنا جزاف اور یاوہ گوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس کا جنت مقام اور کس پر دوزخ حرام ہے۔ عرس کی شیرینی کھانے پر اللہ و رسول کا کوئی وعدہ ایسا نہیں ثابت جس کے بھروسہ پر یہ حکم لگا سکیں۔ یہ تقول علی اللہ کے مترادف ہے اور وہ ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم، ۱۹:۷۸)،
قال اللہ تعالی: أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرة،۲:۸۰).[۱]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے (خدائے) رحمٰن سے

(۱) احمد رضا خان، فتاویٰ رضویه، ۴:۲۱۹

(کوئی) عہد لے رکھا ہے؟ (اسی طرح) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم اللہ پر یونہی (وہ) بہتان باندھتے ہو جوتم خود بھی نہیں جانتے۔''

کلماتِ توسُّل میں احتیاط

اگر کوئی جاہل یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ کے بغیر دُعا قابلِ سماعت ہی نہیں یا وسیلہ کا معنی یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ پر العیاذ باللہ کوئی بوجھ یادباؤ پڑتا ہے، تو ایسا عقیدہ باطل ہے جس کا سلف صالحین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلویؒ سے مزارات پر فاتحہ کے طریقہ کے متعلق پوچھا گیا کہ ''بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''مزاراتِ شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز میں مودِبانہ سلام کرے۔ ختم وغیرہ پڑھ کر اللہ ﷻ سے دعا کرے کہ الٰہی اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اِتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اِسے میری طرف سے اِس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اُس کے لئے دُعا کرے اور صاحبِ مزار کی رُوح کو اللہ ﷻ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے۔ پھر اُسی طرح سلام کر کے واپس آئے۔ مزار کو ہاتھ نہ لگائے، نہ بوسہ دے۔ طواف بالاتفاق ناجائز ہے جبکہ سجدہ حرام ہے۔''(۱)

سجدۂ تعظیمی اور قبر کی سمت سجدہ کرنے کی ممانعت

سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں۔ غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کھلا کفر ہے اور سجدۂ تعظیمی حرام ہے بلکہ ایسا عمل بھی ممنوع ہے جو سجدہ کی سی مشابہت رکھتا ہو وہ بھی مزارات پر نہیں کرنا چاہیے۔

---

(۱) احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، ۴: ۲۱۲

حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ وَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا.(۱)

''قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ اُن پر بیٹھو۔''

عامۃ الناس میں سے بعض لوگ مزارات کو بوسہ دیتے اور چوکھٹ چومتے ہیں یہ ناپسندیدہ فعل، مکروہ کے زمرے میں داخل ہے مگر شرک کے دائرے میں نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین بوسی حقیقتاً سجدہ نہیں کیونکہ سجدہ میں سات اعضاء کا بیک وقت زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ ہاں زمین بوسی اِس وجہ سے ممنوع ہے کہ مشابہتاً بت پرستی اور صورۃً قریبِ سجدہ ہے۔ حقیقتاً سجدہ نہ سہی پھر بھی منع ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی مولانا احمد رضا خانؒ نے اِس مسئلہ پر باقاعدہ الگ کتاب ''الزبدة الزکية لتحريم سجود التحية'' لکھی ہے جس میں انہوں نے ٹھوس دلائل سے سجدۂ تعظیمی اور خلافِ شرع اُمور کی تردید فرمائی ہے۔

اَعراس سے متعلقہ اُمور میں احتیاط

متعلقاتِ اعراس کے بارے میں مخالفین کا طرزِ عمل تو واضح ہے کہ وہ ہر جائز اور مباح کو شرک و بدعت گردانتے ہیں جو کہ قرآن وسنت کے نصوص کے برعکس ہے لیکن ان مبارک امور کو ماننے والے بھی بعض اوقات ان کی انجام دہی میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں لہٰذا انہیں محتاط طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ اِن نازک اُمور

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر، ۲: ۶۶۸، رقم: ۹۷۲
۲۔ نسائی، السنن، کتاب القبلة، باب النهي عن الصلوة إلى القبر، ۲: ۶۷، رقم: ۷۶۰
۳۔ احمد بن حنبل، ۴: ۱۳۵

کے بارے میں لکھتے ہیں:

این طعن مبنی است بر جہل به احوالِ مطعون علیه زیرا که غیر از فرائض شرعیه مقرره را هیچ کس فرض نمی داند۔ آرے زیارت و تبرك به قبورِ صالحین و امدادِ ایشاں باهداء ثواب و تلاوتِ قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب موجبِ فلاح و نجات است۔ و خلف را لازم است که سلف خود را بدیں نوع برّو احسان نماید، چنانچه در احادیث ثابت است که ولد صالح یدعو له۔ تلاوتِ قرآن و اهدائے ثواب را عبادت قرار دادن، مبنی بر کمالِ بلادت و افراطِ جہل است۔ آرے اگر کسے سجده و طواف به نحوِ یا فلاں افعل کذا آرد مشابہت به عبدۃُ الاوثان کرده باشد وچوں چنیں نیست پس در محل طعن نباشد۔(۱)

”یہ طعن اور اعتراض حقیقتِ حال سے عدم واقفیت کے باعث کیا گیا ہے اِس لئے کہ شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کوئی آدمی کسی شے کو اپنی طرف سے فرض نہیں سمجھتا۔ ہاں البتہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا اور اُن سے فیض و برکت حاصل کرنا اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کے بعد اُن کی ارواحِ طیبہ کوثواب کا ہدیہ پیش کر کے اُن کی مدد کرنا، وہاں اچھی دُعائیں کرنا، مٹھائی یا کھانا تقسیم کرنا ایک اچھا عمل ہے اور فلاح ونجات کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ بعد میں آنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف پر اس طرح کا احسان کریں چنانچہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ نیک اولاد ماں باپ کے لئے دُعا مانگے۔ قرآن حکیم کی تلاوت اور اِس کے ایصالِ ثواب کو عبادت کے زُمرے

(۱) مہر علی شاہ، اعلاء کلمۃ اللہ: ۲۶

میں داخل کرنا بے وقوفی اور جہالت پر مبنی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی قبر کے سامنے سجدہ کرے یا اُس کا طواف کرے یا اِن الفاظ میں دُعا کرے کہ اے صاحبِ مزار! میرا فلاں کام یوں کر دے، ایسا کرنا بتوں کے پجاریوں سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔ چونکہ اولیاء اللہ کی قبروں پر آنے والے اِس طرح کا کوئی عمل نہیں کرتے اِس لئے اُن پر اِس قسم کا طعن درست نہیں ہے۔‘‘

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی مزار پر جا کر براہِ راست اُنہیں حاجت روا سمجھ کر ایسے الفاظ کہنا جائز نہیں۔ اِس سلسلہ میں ہمیں لوگوں کو صحیح اور متوازن طریقہ بتاتے رہنا چاہیے۔ مشکل کشا، داتا گنج بخش، غریب نواز، دستگیر وغیرہ جیسے القابات جو بزرگوں کے ساتھ اِستعمال کیے جاتے ہیں، مجازاً کئے جاتے ہیں۔ اِن الفاظ کو حقیقتاً اور مستقلاً کسی کے ساتھ بھی اِستعمال کرنا جائز نہیں۔

۵۔ ضعفِ اعتقاد پر مبنی رسوم سے اجتناب کی ضرورت

دینِ اسلام کے احکام اور اوامر و نواہی کا منبع اور سرچشمہ قرآن اور سنت و سیرت نبوی ﷺ ہے۔ اچھے اور صالح اسلامی معاشرے میں لوگ اطاعت الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کو ہی معیارِ عمل سمجھتے ہیں۔ تاہم دین سے دوری اور بے عملی کی وجہ سے ہر دور میں کچھ طبقات معاملاتِ حیات میں ڈگمگا جاتے ہیں۔ ایسے میں علمائے حق اور داعیان دین کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ سادہ لوح لوگوں کی ہدایت و رہنمائی فرمائیں۔ جائز اور ناجائز میں، حلال و حرام میں، توحید اور شرک میں فرق سمجھائیں۔ احکامِ دین کی تبلیغ میں ذاتی مفادات کو آڑے نہ آنے دیں ورنہ دین کھیل بن جائے گا۔ ذیل میں اسی طرح کے کچھ امور کا ذکر ہو رہا ہے جن میں احتیاط اور پرہیز ضروری ہے مثلاً

مزارات کے درختوں کے نیچے منتیں ماننا

بعض مزارات کے قریب بیری وغیرہ کے درخت ہوتے ہیں جن کے نیچے لوگ چادریں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ اگر بیر گرے تو اُس کا احترام بجا لاتے ہیں اور اُس سے روزہ افطار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ بیری کے پھل سے بیٹے کی فال نکالتے ہیں اور اگر پتے گریں تو بیٹیوں کی فال نکالتے ہیں۔ کوئی شخص خود بیر توڑ لے تو اُسے بھی سخت برا گردانتے ہیں۔ یہ تمام اُمور توہم پرستی کو فروغ دینے والے ہیں اور ایسے تمام اُمور بے بنیاد ہیں اور شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں لہٰذا علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کریں۔

- اسی طرح قبر بلا مقبور کی زیارت کرنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض جہلاء فرضی

مزارات بنا کر اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرتے ہیں جس کی فقہائے کرام نے اجازت نہیں دی۔ جس طرح کہ بعض جگہ لوگوں نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے مزارات وغیرہ بنائے ہوئے ہیں جن پر عرس کرتے ہیں۔ محدث بریلویؒ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا کہ ''پیرانِ پیرؒ کے نام سے بعض جگہ مزار بنا لیا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اِن کے مزار کی اینٹ دفن ہے۔ اِس مزار میں ایسی جگہ جا کر عرس کرنا، چادر چڑھانا کیسا ہے وہ قابلِ تعظیم ہے یا نہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''جھوٹا مزار بنانا اور اُس کی تعظیم جائز نہیں۔''(۱)

- اِسی طرح بعض اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب ایسے درخت ہوتے ہیں جن کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ اِن کے کاٹنے سے صاحبانِ مزار ناراض ہو جاتے ہیں لہٰذا اِنہیں کاٹنا مقاماتِ حرم کی طرح حرام ہے۔ یہ سراسر جہالت ہے اور یہ بھی شرک فی التحریم ہے۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ درست اور غلط عقیدے میں امتیاز پیدا کریں اور ایسے شرکیہ عقائد سے عوام وخواص کو منع کریں۔

سر پر چوٹی رکھنا

مردوں کا سر پر کسی بھی بزرگ کے نام پر چوٹی رکھنا اور پھر کٹوانے کی نذر و منت ماننا شرعاً جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ نے نہایت عمدہ لکھا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مرد کو چوٹی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقیر چوٹی رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ حرام ہے، حدیث میں آیا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ. [ابن ماجة، السنن، كتاب النكاح، باب في المخنثين، ١: ٦١٤، رقم: ١٩٠٤](۲)

(۱) فتاویٰ رضویہ، ۴: ۱۱۶

(۲) احمد رضا خان، الملفوظ، ۲: ۱۱۰

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں، لعنت کی ہے۔''

بچوں کے سر پر اولیاء کے نام کی چوٹی رکھنے کے متعلق حضرت فاضل بریلویؒ مزید لکھتے ہیں: ''بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اِس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں۔ اِس میعاد تک کتنی ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں، پھر میعاد گذار کر مزار پر لے جا کر وہ بال اُتارتی ہیں تو یہ محض بے اصل و بدعت ہے۔''(۱)

مختلف درختوں میں ارواحِ شہداء و اولیاء کا تصور کرنا

کئی دیہاتوں میں بعض جہلاء درختوں کے ساتھ عجیب وغریب داستانیں وضع کئے ہوئے ہیں اور فرضی قصے کہانیاں سنا کر مجاور لوگ لنگر کے لئے تحائف و ہدایا اکٹھے کرتے ہیں۔ اِن سے متعلق محدث بریلویؒ سے مسئلہ پوچھا گیا: ''کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت اِس صورت میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلاں طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اُس درخت اور اُس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ، شیرینی اور چاول وغیرہ دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اِس شہر میں بہت جگہ واقع ہے، کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل؟'' محدث بریلویؒ نے اس سے منع کرتے ہوئے جواب دیا: ''یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں اِن کا ازالہ لازم ہے۔ **ما أنزل الله بها من سلطان ولاحول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم۔**''(۲)

---

(۱) فتاویٰ افریقه: ۶۸

(۲) احمد رضا خان، احکام شریعت، ۱: ۳۲

حلف میں احتیاط کا پہلو

شرعی حلف اللہ تعالیٰ کے نام کا ہوتا ہے تاہم فقہائے اُمت کے نزدیک کلام اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نام پر بھی حلف منعقد ہوجاتا ہے اور مستقبل میں کسی اَمر کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانا اور پھر توڑ دینے کی صورت میں کفّارہ لازم ہوجاتا ہے۔ اِس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور کے نام کا حلف اُٹھائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اِس کی حرمت اور حیثیت اُسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی یا کلام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حلف کی، تو یہ عقیدہ اصلاح طلب ہے کیونکہ اعتقاداً کسی اور کے نام پر قسم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ کی قسم کی مثل جاننا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص بوجہ جہالت یا سہواً کسی اور کی قسم اُٹھائے تو وہ شرعی حلف نہیں ہوگا اِس لئے اِس پر کفّارہ لازم نہیں۔

ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز کے طریقوں میں احتیاط

نذر و نیاز برائے ایصالِ ثواب اور گیارہویں شریف وغیرہ جیسے مباح مستحب اور مستحسن اُمور کے بارے میں بعض علاقوں میں بہت سی چیزیں بوجہ جہالت رواج پا گئی ہیں جو از روئے شرع جائز نہیں مثلاً کوئی یہ کہے کہ اگر اُس نے گیارہویں کا دودھ نہ دیا تو اِس کی وجہ سے بھینس یا گائے مر جائے گی، وہ بیمار ہوجائے گی یا رزق کم ہوجائے گا، اولاد کی موت واقع ہو جائے گی، گھر میں نقصان ہو جائے گا۔ اِسی طرح کاروبار اور کھیتی میں بزرگوں کا حصہ یعنی زکوٰۃ اور عشر شرعی وغیرہ سے الگ بزرگوں کی سالانہ شیرینی جو عوام میں مروج ہے یہ شرعاً دینا تو جائز ہے لیکن نہ دینے پر توہم پرستی کو فروغ دینا جائز نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں بوجہ جہالت فروغ پا جاتی ہیں اور پھر لوگ اِن کے ساتھ نفع و نقصان کا عقیدہ وابستہ کر لیتے ہیں جو کہ شرک فی العبادت ہے لہٰذا اِن اُمور سے بچنا ضروری ہے۔

ائمہ اہلِ بیت اطہار کے لئے نیاز برائے ایصالِ ثواب مسلمانوں کا معمول ہے۔ اس عمل میں بھی بعض حالتوں میں افراط وتفریط کا عنصر موجود ہے۔ اس مستحب عمل کو بجا

لانے والے اگر نذر کی طرح فرض اور واجب سمجھ کر اسے ادا کریں تو یہ بھی احکامِ شریعت سے انحراف ہے۔ اسی طرح اس کے ردعمل میں بعض لوگ اس مستحب عمل کو قطعی حرام اور شرک کے زمرے میں شامل کر کے ختمِ نیاز وغیرہ کا اہتمام کرنے والوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ عمل مستحب ہے اس میں حرمت اور شرک کی کوئی علت موجود نہیں ہوتی۔ ایسی نذر و نیاز کے ساتھ بعض لوگ اپنی طرف سے طرح طرح کی شرائط و حدود اور پابندیاں عائد کرتے ہیں مثلاً فلاں شخص کھا سکتا ہے، فلاں عورت نہیں کھا سکتی، گھر سے باہر لے جانا منع ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِسی طرح اولیاء اللہ کے نام جانوروں کو منسوب کر کے اُن کا احترام بجالانا، اُن سے کوئی کام لینا شرعاً حرام سمجھنا اور اُن کی بےحرمتی کو بھی حرام سمجھنا ایسا عقیدہ شرک فی التحریم میں شمار ہوتا ہے لہٰذا عوام پر ایسی باریکیاں واضح کر دینی چاہئیں۔

عقیدۂ توحید و رسالت کی اَہمیت اور باہمی تعلق کے متعلق

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کے منتخب اشعار

۱	درجہانِ کیف و کم گردید عقل	پے بہ منزل برد از توحید عقل
۲	ورنہ ایں بیچارہ را منزل کجاست	کشتئ ادراک را ساحل کجاست
۳	اہلِ حق را رمز توحید ازبر است	در ''اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا'' مضمراست
۴	دیں ازو، حکمت ازو، آئیں ازو	زور ازو، قوت ازو، تمکیں ازو
۵	قدرتِ او برگزیند بندہ را	نوع دیگر آفریند بندہ را
۶	در رہِ حق تیزتر گردد تگش	گرم تراز برق خوں اندر رگش
۷	ملتِ بیضا تن و جاں لَآ اِلٰہ	سازِ ما را پردہ گرداں لَآ اِلٰہ
۸	لَآ اِلٰہ سرمایۂ اسرارِ ما	رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما
۹	اسود از توحید احمر می شود	خویش فاروقؓ و ابوذرؓ می شود
۱۰	رشتۂ ایں قوم مثلِ انجم است	چوں نگہ ہم از نگاہِ ما گم است
۱۱	مدعائے، ما مآلِ ما یکے ست	طرزو اندازِ خیالِ ما یکے ست
۱۲	گر خدا داری زغم آزاد شو	از خیالِ بیش و کم آزاد شو
۱۳	بیم غیر اللہ عمل را دشمن است	کاروانِ زندگی را رہزن است
۱۴	ہرکہ رمزِ مصطفیٰ فہمیدہ است	شرک را در خوف مضمر دیدہ است
۱۵	گر بہ اللہ الصمد دل بستۂ	از حدِ اسباب بیروں جستۂ
۱۶	بندۂ حق بندۂ اسباب نیست	زندگانی گردشِ دولاب نیست

ترجمہ:

۱۔ جذبات و پیائش کی اس دنیا میں عقل آوارہ پھر رہی تھی، توحید سے اسے منزل کی طرف رہنمائی حاصل ہوئی۔

۲۔ ورنہ عقل کو منزل کہاں نصیب تھی، فہم کی کشتی کے لئے کوئی ساحل نہیں تھا۔

۳۔ اہلِ حق توحید کی رمز کو خوب جانتے ہیں یہی راز (آیت) ''اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا'' (مریم، ۱۹:۹۳) میں مضمر ہے۔

۴۔ دین، حکمت، شریعت سب توحید ہی سے ہیں، اسی سے (افراد و قوم) میں زور، قوت اور ثبات و استحکام پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ توحید کی قدرت بندے کو برگزیدہ بنا دیتی ہے اور اسے نئی نوع میں تبدیل کر دیتی ہے۔

۶۔ عقیدۂ توحید سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بندے کی تگ و دو تیز ہو جاتی ہے اور اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون برق سے بھی زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔

۷۔ ملت مسلمہ بدن ہے اور توحید اس کی جان ہے لا إلٰہ ہمارے ساز کے سارے نغموں میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

۸۔ لَا إلٰہ ہمارے (روحانی) اسرار کا سرمایہ ہے اسی سے ہمارے افکار کی شیرازہ بندی ہے۔

۹۔ توحید کی برکت سے بلالِ حبشیؓ سرخ رنگ والوں کے برابر ہو جاتا ہے اور فاروقؓ و ابوذرؓ کا رشتہ دار شمار ہونے لگتا ہے۔

۱۰۔ ملت اسلامیہ کا باہمی تعلق ستاروں کے باہمی تعلق کی مانند ہے اور یہ تعلق نگاہ کی طرح ہماری نگاہ سے گم ہے۔

۱۱۔ ہمارا مدعا بھی ایک ہے اور ہمارا مقصد بھی ایک ہے ہماری سوچ بھی ایک ہے اور اس کے اظہار کا طریقہ بھی ایک جیسا ہے۔

۱۲۔ اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے تو ہر طرح کے غم اور نفع و نقصان کے خیال سے آزاد ہو جا۔

۱۳۔ (یاد رکھ) غیر اللہ کا خوف عمل کا دشمن اور قافلہ حیات کا رہزن ہے۔

۱۴۔ جس کسی نے حضور ﷺ کے راز کو سمجھ لیا وہ اوحقیقت کو پا گیا کہ (غیر اللہ کے) خوف میں شرک چھپا ہوا ہے۔

۱۵۔ اگر تو نے اللہ تعالیٰ کی شانِ استغناء دل سے تسلیم کر لیا ہے تو گویا تو اسباب کی حدود کو پھلانگ گیا۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ بندۂ اسباب نہیں، اس کے لئے زندگی رہٹ کی گردش نہیں۔

۱۷ مسلم استی بے نیاز از غیر شو اہلِ عالم را سراپا خیر شو
۱۸ نقطۂ ادوارِ عالم **لا الٰہ** انتہائے کارِ عالم **لا الٰہ**
۱۹ زانکہ در تکبیر رازِ بودِ تست حفظ و نشرِ **لا الٰہ** مقصودِ تست
۲۰ ما کہ توحید خدارا حجتیم حافظ رمز کتاب و حکمتیم
۲۱ حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید وز رسالت در تنِ ما جان دمید
۲۲ از رسالت درجہاں تکوینِ ما از رسالت دینِ ما آئینِ ما
۲۳ از رسالت صد ہزار ما یک است جزو ما از جزو ما **لا ینفك** است
۲۴ ما ز حکمِ نسبتِ او ملتیم اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم
۲۵ از میان بحر او خیزیم ما مثلِ موج ازہم نمیریزیم ما
۲۶ دامنش از دست دادن مُردن است چوں گل از بادِ خزاں افسردن است
۲۷ زندگی قوم ازدمِ او یافت است ایں سحر از آفتابش تافت است
۲۸ فرداز حق، ملت از وے زندہ است از شعاعِ مہرِ او تابندہ است
۲۹ دینِ فطرت از نبی آموختیم در رہِ حق مشعلے افروختیم
۳۰ ایں گہر از بحر بے پایانِ اوست ما کہ یکجا نیم از احسانِ اوست
۳۱ پس خدا برما شریعت ختم کرد بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
۳۲ قوم را سرمایۂ قوت ازو تا ابد اسلام را شیرازہ بست
۳۳ با یکی ساز، از دوئی بردار رخت وحدتِ خود را مگرداں لخت لخت
۳۴ صدملل از ملتے انگیختی برحصارِ خود شبیخوں ریختی
۳۵ یک شوو توحید را مشہود کن غائبش را از عمل موجود کن

ماخوذ از رموزِ بے خودی

۱۷۔ اگر تو سچا مسلمان ہے تو غیر اللہ سے بے نیاز ہو جا اور دنیا والوں کے لئے سراپا خیر بن جا۔
۱۸۔ جہانوں کی گردش کا مرکز لا الہ ہے اور اس جہان کے کام کی انتہا بھی لا الہ ہے۔
۱۹۔ چونکہ تیرے وجود کا راز نعرۂ تکبیر میں پنہاں ہے اس لئے توحید کی حفاظت و اشاعت تیرا مقصود ہے۔
۲۰۔ ہم چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی حجت ہیں اس لئے کتاب وحکمت کے راز کے نگہبان بھی ہیں۔
۲۱۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کا پیکر تخلیق فرمایا اور رسالت سے اس پیکر میں جان پھونکی۔
۲۲۔ رسالت ہی سے اس دنیا میں ہمارا وجود قائم ہے رسالت سے ہی ہمارا دین اور ہمارا آئین (شریعت) ہے۔
۲۳۔ رسالت ہی سے ہم ہزار ہا ہونے کے باوجود ایک ہیں اسی کی بدولت ہمارا ایک جزو دوسرے کا جزو لاینفک (جدا نہ ہونے والا) ہے۔
۲۴۔ ہم حضور ﷺ کی نسبت سے ایک ملت ہیں اور دنیا والوں کے لئے رحمت کا پیغام ہیں۔
۲۵۔ ہم رسالت کے سمندر سے اٹھے ہیں اور موج کی مانند ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔
۲۶۔ حضور ﷺ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا موت ہے یہ ایسے ہے جیسے پھول بادِ خزاں سے مرجھا جائے۔
۲۷۔ ملت نے آپ ﷺ کے دم سے زندگی پائی ہے ملت کی صبح آپ کے آفتاب سے روشن ہے۔
۲۸۔ فرد اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق سے قائم ہے اور ملت حضور ﷺ کے ساتھ تعلق سے زندہ ہے اور آپ ﷺ کے آفتاب کی شعاع سے چمک رہی ہے۔
۲۹۔ یہ دین فطرت ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سیکھا ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشعلِ ہدایت روشن کی ہے۔
۳۰۔ دین فطرت حضور ﷺ کے بحر بے پایان کا موتی ہے ہم جو یک جان ہیں تو یہ حضور ﷺ کا ہی احسان ہے۔
۳۱۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت ہم پر ختم کر دی ہے جیسے رسول پاک ﷺ پر رسالت ختم کر دی ہے۔
۳۲۔ یہی چیز ملت کے لئے سرمایہ قوت اور وحدت ملت کے بھید کی حفاظت کرنے والی ہے۔
۳۳۔ توحید کی حقیقت کو اپنا لے اور کثرت کو خیر باد کہہ اپنی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر۔
۳۴۔ تو نے (افتراق کے باعث) ایک ملت سے سینکڑوں ملتیں بنا لی ہیں تو نے اپنے قلعہ پر خود شبخوں مارا ہے اور اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔
۳۵۔ (اپنی اور ملت کی بقاء کے لئے) ایک ہو جا اور توحید کا عملی نمونہ پیش کر، نظریہ توحید کو عمل سے وجود میں لا۔

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم**۔

۲۔ **آجری**، ابو بکر محمد بن حسین بن عبد اللہ (م ۳۶۰ھ/۹۷۰ء)۔ **الشریعۃ**۔ لاہور، پاکستان: انصار السنۃ المحمدیہ۔

۳۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني**۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۴۔ **ابن اثیر**، ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر**۔ قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۵۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۶۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **اَحکامِ شریعت**۔ لاہور، پاکستان: شبیر برادرز، ۱۹۸۴ء۔

۷۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **حدائقِ بخشش**۔ لاہور، پاکستان: مسلم کتابوی، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۸۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **فتاویٰ افریقہ**۔ لاہور، پاکستان: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۵ء۔

۹۔ **احمد رضا**، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔

فتاویٰ رضویہ۔ لاہور، پاکستان: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، ۱۹۹۱ء۔

۱۰۔ **ابن اسحاق**، اسماعیل بن اسحاق مالکی (۱۹۹۔۲۸۲ھ)۔ **فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: دار المدینۃ المنورہ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء۔

۱۱۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ اِسماعیل حقی حنفی (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۱۲۔ **اسماعیل دہلوی**، شاہ (م ۱۲۴۶ھ)۔ **صراطِ مستقیم**۔ دیوبند، انڈیا: کتب خانہ اشرفیہ۔

۱۳۔ **اشرف علی تھانوی**، مولانا (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)۔ **نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ**۔ کراچی، پاکستان: ایچ۔ ایم سعید کمپنی، ۱۹۸۹ء۔

۱۴۔ **اشرف علی تھانوی** (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)۔ **اِمداد الفتاویٰ**۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۳۷۹ھ۔

۱۵۔ **اشرف علی تھانوی** (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)۔ **بیان القرآن**۔ لاہور، پاکستان: مکتبۃ الحسن لاہور۔

۱۶۔ **انور شاہ کشمیری**، محمد انور بن محمد معظم (۱۲۹۲۔۱۳۵۲ھ)۔ **فیض الباری علی صحیح البخاری**۔ قاہرہ، مصر: مطبعہ حجازی، ۱۳۵۷ھ۔۱۹۳۸ء۔

۱۷۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۱۸۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **التاریخ الصغیر**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۱۹۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۲۰۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۲۱۔ **بطرس**، معلم بستانی (۱۸۱۹ء۔۱۸۸۳ء)۔ **محیط المحیط**۔ بیروت، لبنان: مکتبۃ لبنان، ۱۹۸۳ء۔

۲۲۔ **بغوی**، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/ ۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۳۔ **بوصیری**، ابو عبد اللہ شرف الدین محمد (۶۰۸۔۶۹۶ھ/ ۱۲۱۲۔۱۲۹۶ یا ۱۲۹۷ء)۔ **قصیدہ بردہ شریف**۔

۲۴۔ **بُہوتی**، منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی (۱۰۵۱۔۵۷۴ھ)۔ **کشاف القناع عن متن الإقناع**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ۔

۲۵۔ **بیضاوی**، ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (۷۹۱ھ)۔ **التفسیر**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۲۶۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **دلائل النبوۃ فی معرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۲۷۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **الزہد الکبیر**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۹۹۶ء۔

۲۸۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۲۹۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔

۱۰۶۶ء)۔ شعب الإيمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۳۰۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ المدخل إلی السنن الکبریٰ۔ کویت: دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۳۱۔ **تاج الدین سبکی**، ابو نصر عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی (۷۲۷۔۷۷۱ھ)۔ طبقات الشافعية الکبری۔ جیزہ، مصر: ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، ۱۹۹۲ء۔

۳۲۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۳۳۔ **تفتازانی**، سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ (۷۱۲۔۷۹۱ھ/ ۱۳۱۲۔۱۳۸۹ء)۔ شرح العقائد النسفیۃ۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ خیر کثیر۔

۳۴۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الشمائل المحمدیۃ۔ ملتان، پاکستان: فاروقی کتب خانہ۔

۳۵۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ إقتضاء الصراط المستقیم۔ لاہور، پاکستان: المکتبۃ السلفیۃ، ۱۹۷۸ء۔

۳۶۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ الصارم المسلول۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ۱۴۱۷ھ۔

۳۷۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ الفتاوی الکبری۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۳۸۶ھ۔

۳۸۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔

قاعدة جليلة فى التوسل و الوسيلة. لاہور، پاکستان: ادارہ ترجمان السنہ۔

۳۹۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **الكلم الطيب من أذكار النبى** ﷺ۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الاسلامی، ۱۹۷۷ء۔

۴۰۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **مجموع فتاویٰ**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۴۱۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۴۲۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **صفوة الصفوة**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۴۳۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **الوفا بأحوال المصطفىٰ** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۴۴۔ **جوہری**، ابو نصر اسماعیل بن حماد الترکی (۳۳۲۔۳۹۳ھ)۔ **الصحاح فى اللغة و العلوم**۔ بیروت، لبنان: دار الحصارة العربیۃ، ۱۹۷۴ء۔

۴۵۔ **ابن ابی حاتم**، عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی (۲۴۰۔۳۲۷ھ/۸۵۴۔۹۳۸ء)۔ **الثقات**۔

۴۶۔ **ابن حاج**، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد عبدری فاسی مالکی (م۷۳۷ھ)۔ **المدخل**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۱/ ۱۹۸۱ء۔

۴۷۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔

المستدرك على الصحيحين ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۴۸۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۴۹۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ **الثقات**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء۔

۵۰۔ **حصکفی**، علاء الدین (م ۱۰۸۸ھ۔۱۶۷۷ء)۔ **الدر المختار شرح تنوير الأبصار**۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۵۱۔ **حکیم ترمذی**، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر۔ **نوادر الأصول فی أحاديث الرسول** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۵۲۔ حلبی، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ **السيرة الحلبية/ إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون**۔ بیروت، لبنان، دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۵۳۔ **خازن**، علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل (۶۷۸۔۷۴۱ھ/ ۱۲۷۹۔۱۳۴۰ء)۔ **لباب التأويل فی معانی التنزيل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۵۴۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۵۵۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ تاریخ بغداد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۵۶۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **موضع أوهام الجمع والتفريق**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ۔

۵۷۔ **خطیب تبریزی**، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م۷۴۱ھ)۔ **مشکوٰۃ المصابیح**۔ بیروت، لبنان، الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۵۸۔ **خلیل احمد سہارن پوری** (۱۲۶۹۔۱۳۴۶ھ)۔ **المہند علی المفند**۔ لاہور، پاکستان، مکتبۃ العلم، ۱۳۸۲ھ۔

۵۹۔ **دارقطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۶۰۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۶۱۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۶۲۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۶۳۔ **دردیر**، ابوالبرکات سیدی احمد۔ **الشرح الکبیر**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۶۴۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۶۵۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **تذکرۃ الحفاظ**۔ حیدر آباد دکن، بھارت: دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء۔

۶۶۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۶۷۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد الذھبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **میزان الإعتدال فی نقد الرجال**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۶۸۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر**۔ تہران، ایران: دارالکتب العلمیہ۔

۶۹۔ **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (م۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ **المفردات**۔ دمشق، شام: دار القلم + بیروت، لبنان، الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۷۰۔ **رامہرمزی**، حسن بن عبد الرحمٰن (۲۶۰۔۳۶۰ھ)۔ **المحدث الفاصل بین الراوی والواعی**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۴ھ۔

۷۱۔ **ابن راھویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبد اللہ (۱۶۱۔۲۳۷ھ/ ۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۷۲۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ **جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثًا من جوامع الکلم**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۷۳۔ **رویانی**، ابو بکر محمد بن ہارون (۳۰۷ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۷۴۔ **زاہد کوثری**، محمد زاھد بن حسن حلمی (۱۲۹۶ھ۔۱۳۷۱ھ)۔ **مقالات الکوثری**۔

۷۵۔ **زبیدی**، امام محبّ الدین ابو فیض السید محمد مرتضی حسینی واسطی حنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ **تاج العروس من جواہر القاموس**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ۔

۷۶۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری

مالکی (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵-۱۷۱۰ء)۔ شرح المواھب اللدنیۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۷۷۔ **زمخشری**، جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷-۵۳۸ھ)۔ **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل**۔ قاھرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء۔

۷۸۔ **سبکی**، تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام انصاری (۶۸۳-۷۵۶ھ/۱۲۸۴-۱۳۵۵ء)۔ **شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام**۔ حیدر آباد، بھارت: دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۱۵ھ۔

۷۹۔ **ابن سرایا**، محمد بن محمد علی بن ھمام (۶۷۷-۷۴۵ھ)۔ **سلاح المؤمن فی الدعاء والذکر**۔ بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۸۰۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸-۲۳۰ھ/۷۸۴-۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۸۱۔ **سمرقندی**، ابو اللیث (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء)۔ **تفسیر سمرقندی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۸۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **تفسیر الجلالین**۔ بیروت لبنان: دار ابن کثیر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۸۳۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الخصائص الکبری**۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۸۴۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**۔

بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۸۵۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح علی سنن النسائی**۔ حلب، شام: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۸۶۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)۔ **الإنتباہ فی سلاسل أولیاء اللہ**۔ کراچی، پاکستان: عباسی کتب خانہ۔

۸۷۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)۔ **حجۃ اللہ البالغۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۸۸۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)۔ **القول الجمیل**۔ لاہور، پاکستان: مکتبہ رحمانیہ۔

۸۹۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)۔ **ہمعات**۔ حیدر آباد، پاکستان: شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔

۹۰۔ **شبیر احمد عثمانی** (۱۳۰۵ھ/ ۱۸۵۱ء۔۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء)۔ **تفسیر عثمانی**۔ لاہور، پاکستان مکتبہ رحمانیہ۔

۹۱۔ **شربینی**، محمد خطیب (۹۷۷ھ)۔ **الإقناع**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۵ھ۔

۹۲۔ **شرنبلالی**، ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی حنفی (۹۹۴۔۱۰۶۹ھ/ ۱۵۸۵۔۱۶۵۹ء)۔ **نور الإیضاح و نجاۃ الأرواح**۔

۹۳۔ **شعرانی**، عبد الوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ الانصاری الشافعی الشاذلی المصری (۸۹۸۔۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳۔۱۶۶۵ء)۔ **کشف الغمۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلیمہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۹۴۔ **شعرانی**، عبد الوهاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ الانصاری الشافعی الشاذلی المصری (۸۹۸۔۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳۔۱۲۶۵ء)۔ لواقح الأنوار القدسية في بيان العهود المحمدية۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث العربی، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۹۵۔ **شمس الحق**، ابو طیب محمد شمس الحق عظیم آبادی۔ عون المعبود شرح سنن أبي داؤد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ۔

۹۶۔ **شمس الدین سخاوی**، ابو الخیر محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی بکر شافعی (۸۳۱۔ ۹۰۲ھ)۔ التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء۔

۹۷۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ تحفة الذاكرين۔ دار التربیہ للطباعہ و النشر والتوزیع۔

۹۸۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ الدر النضيد في إخلاص كلمة التوحيد۔

۹۹۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ فتح القدير۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۰۰۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۰۱۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۲۔ **صاوی**، احمد بن محمد خلوتی مالکی (۱۱۷۵۔۱۲۴۱ھ/ ۱۷۶۱۔۱۸۲۵ء)۔ حاشيه على تفسير الجلالين۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۰۳۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۰۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الصغیر**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۱۰۵۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۱۰۶۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الأمم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۰۷۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۰۸۔ **طحطاوی**، احمد بن محمد طحطاوی (۱۲۳۱ھ)۔ **حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح**۔ مصر: مطبع مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ۔

۱۰۹۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۱۰۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبد العزیز دمشقی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ)۔ **رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۱۱۔ **ابن ابی عاصم**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **السنۃ**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ۔

۱۱۲۔ **ابن عباس**، صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ (م ۶۸ھ)۔ **تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۱۱۳۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ الإستيعاب فى معرفة الأصحاب۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۱۱۴۔ **عبد بن حمید**، ابو محمد بن نصر (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۱۵۔ **عبد الحق محدث دہلوی** (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ اَشعة اللمعات شرح مشكوٰة المصابيح۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۱۶۔ **عبد الحق محدث دہلوی** (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ أخبار الأخيار فى أسرار الأبرار۔ دہلی، بھارت: مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ۔

۱۱۷۔ **عبد الحی بن عماد**۔ شذرات الذهب فى أخبار من ذهب۔ بیروت: دار المیسرہ، ۱۹۷۹م۔

۱۱۸۔ **عبد الرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۱۹۔ **عبد العزیز دہلوی** (م ۱۲۲۹ھ)۔ **فتاوى عزيزى**۔ دہلی، بھارت، مطبوعہ مطبع مجتبائی۔

۱۲۰۔ **عبد العزیز دہلوی** (م ۱۲۲۹ھ)۔ فتح العزيز الشهير بہ تفسیر عزیزی۔ دہلی، بھارت: افغانی دار الکتب، ۱۳۱۱ھ۔

۱۲۱۔ **عبد الماجد دریا آبادی**۔ **تفسیر ماجدی**۔ کراچی، پاکستان مجلس نشریات قرآن، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء

۱۲۲۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ كشف الخفا ومزيل الألباس۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۲۳۔ **عجلی**، ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بن صالح عجلی کوفی (۱۸۲۔۲۶۱ھ)۔ **معرفة الثقات**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الدار، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۲۴۔ **ابن عربی**، ابو بکر محمد بن عبد اللہ معافری اندلسی اشبیلی (۴۶۸۔۵۴۳ھ/ ۱۰۷۶۔۱۱۴۸ء)۔ **أحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۱۲۵۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ **تاریخ دمشق الکبیر المعروف ب: تاریخ ابن عساکر**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۲۶۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **الإصابة فی تمییز الصحابة**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۲۷۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۲۸۔ **عمادی**، عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد العمادی الدمشقی الحنفی (۹۷۸۔۱۰۵۱ھ/۱۵۷۰۔۱۶۴۱ء)۔ **الروضة الریا فیمن دفن بداریا**۔ دمشق، شام: دارالمامون للتراث، ۱۴۰۸ھ۔

۱۲۹۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۰۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ **عمدة القاری شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

۱۳۱۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **إحياء علوم الدين**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء۔

۱۳۲۔ **فاسی**، محمد مہدی بن احمد بن علی یوسف، (۱۰۳۳۔۱۱۰۹ھ/ ۱۶۲۴۔۱۶۹۸ء)۔ **مطالع المسرات**۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۱۳۳۔ **فرید الدین عطار**۔ **تذکرة الأولياء**۔ بمبئی، بھارت: مطبع فتح الکریم، ۱۳۰۵ھ۔

۱۳۴۔ **فیومی**، احمد بن محمد بن علی المقری (م ۷۷۰ھ)۔ **المصباح المنير**۔ قم، ایران، منشورات دار الھجرۃ ۱۴۰۵ھ

۱۳۵۔ **ابن فرحون**، ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون یعمری مالکی۔ **الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۳۶۔ **قاضی ثناء اللہ پانی پتی** (م ۱۲۲۵ھ)۔ **تفسير المظهری**۔ کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بک ڈپو۔

۱۳۷۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **إكمال المعلم بفوائد مسلم**۔ بیروت، لبنان: دار الوفا، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۳۸۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **الإلماع إلى معرفة اصول الرواية و تقييد السماع**۔ قاہرہ، مصر: دار التراث، ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۱۳۹۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **الشفا بتعريف حقوق المصطفى** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۴۰۔ **ابن قدامہ**، ابو محمد عبد اللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ **الكافي في فقه احمد بن**

حنبل۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی۔

۱۴۱۔ **ابن قدامہ**، ابو محمد عبد اللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقه الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۴۲۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰی بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ / ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۴۳۔ **ابن قیم**، محمد بن ابی بکر، ایوب الزرعی، أبو عبد اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **الروح**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلم، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۴۴۔ **ابن قیم**، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب جوزیہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ/ ۱۲۹۲۔۱۳۵۰ء)۔ **طریق الهجرتین وباب السعادتین**۔ دمام، سعودی عرب: دار ابن قیم، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۴۵۔ **ابن قیم**، محمد بن ابی بکر، ایوب الزرعی، أبو عبد اللہ (۶۹۱۔ ۷۵۱ھ)۔ **المنار المنیف**۔ حلب، شام: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۴۶۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۴۷۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایة و النهایة**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۴۸۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه**۔ بیروت، لبنان: دار العربیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۴۹۔ **لالکائی**، ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور (م ۴۱۸ھ)۔ **جامع کرامات الأولیاء**۔ الریاض، سعودی عرب، دارالطیبہ، ۱۴۱۲ھ

۱۵۰۔ **ماتریدی**، مام ابومنصور محمد بن محمود (م ۳۳۳ھ)۔ **تأویلات أهل السنۃ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء۔

۱۵۱۔ **مالک**، ابن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطأ**۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء۔

۱۵۲۔ **مبارک پوری**، محمد عبد الرحمان بن عبد الرحیم (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ **تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۵۳۔ **مزی**، ابوالحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ **تهذیب الکمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۵۴۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۵۵۔ **مقدسی**، ضیاء الدین ابوعبد اللہ محمد بن عبد الواحد حنبلی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔ **الأحادیث المختارۃ**۔ مکۃ المکرّمۃ، مکتبۃ النہضۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۵۶۔ **مقری**، ابو بکر محمد بن ابراہیم (۲۸۵۔۳۸۱ھ)۔ **الرخصۃ فی تقبیل الید**۔ ریاض: سعودی عرب، ۱۴۰۸ھ۔

۱۵۷۔ **مقریزی**، ابوالعباس احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن تمیم بن عبد الصمد (۷۶۹۔۸۴۵ھ/ ۱۳۶۷۔۱۴۴۱ء)۔ **إمتاع الأسماع بما للنبی ﷺ من الأحوال والأموال والحفدۃ والمتاع**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۱۵۸۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ **مرقاۃ**

المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۱۵۹۔ **مناوی**، عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ / ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۶۰۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۶۱۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۶۲۔ **ابن مفلح**، برہان الدین ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن محمد (م ۸۸۴ھ)۔ **المقصد الارشد فی ذکر أصحاب الإمام أحمد**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع، ۱۹۹۰ء۔

۱۶۳۔ **ابن مندہ**، ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن یحییٰ (۳۱۰۔۳۹۵ھ/ ۹۲۲۔۱۰۰۵ء)۔ **الإیمان**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۶ھ۔

۱۶۴۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۶۵۔ **نبہانی**، یوسف بن اسماعیل (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ/ ۱۸۴۸۔۱۹۳۲ء)۔ **شواھد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق** ﷺ۔ لاہور، پاکستان: حامد اینڈ کمپنی۔

۱۶۶۔ **ابن نجیم**، زین بن ابرہیم بن محمد بن محمد بن بکر حنفی (م ۹۷۰ھ)۔ **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**۔ مصر: مطبوعہ مطبعہ علمیہ، ۱۳۱۱ھ۔

۱۶۷۔ **نحاس**، ابو جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل (م ۳۳۸ھ)۔ **معانی القرآن الکریم**۔

مکہ مکرمہ: سعودی عرب: جامعہ ام القری، ۱۴۰۹ھ۔

۱۶۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۶۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۷۰۔ **نسفی، عبد اللہ** بن محمود بن احمد نسفی (۷۱۰ھ)۔ مدارك التنزيل وحقائق التأويل۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۱۷۱۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۷۲۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ مسند الإمام أبی حنیفة ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۱۷۳۔ **ابن نقطہ**، ابو بکر محمد بن عبد الغنی بغدادی (۵۷۴۔ ۶۲۹ھ)۔ التقیید لمعرفة رواة السنن والأسانید۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۸ھ۔

۱۷۴۔ **نووی**، ابو زکریا، یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحیح مسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۱۷۵۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ الأذکار۔ المطبعۃ الخیریہ، ۱۳۲۳ھ۔

۱۷۶۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ المجموع۔ جدہ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ:

مکتبۃ الارشاد۔

۱۷۷۔ **نووی**، ابو زکریا یحیٰی بن شرف بن مری (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ روضة الطالبين۔ بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۱۷۸۔ **واقدی**، ابوعبد اللہ محمد بن عمر بن واقد (۱۳۰ھ/ ۲۰۶ھ)۔ فتوح الشام۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۱۷۹۔ **وحید الزمان**، نواب (۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)۔ هدية المهدى من الفقه المحمدى۔ دہلی، انڈیا: میو پریس، ۱۳۲۵ھ۔

۱۸۰۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی ابن حجر مکی (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ الجوهر المنظم۔ مطبعۃ الخیریہ، ۱۲۳۱ھ۔

۱۸۱۔ **ہیتمی**، ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی ابن حجر مکی (۹۰۹۔۹۷۳ھ/ ۱۵۰۳۔۱۵۶۶ء)۔ الخيرات الحسان فى مناقب الإمام الأعظم۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۸۲۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ)۔ شرح فتح القدیر۔ مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری۔

۱۸۳۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ كنز العمال فى سنن الأقوال والأفعال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۱۸۴۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۸۵۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیٰی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔